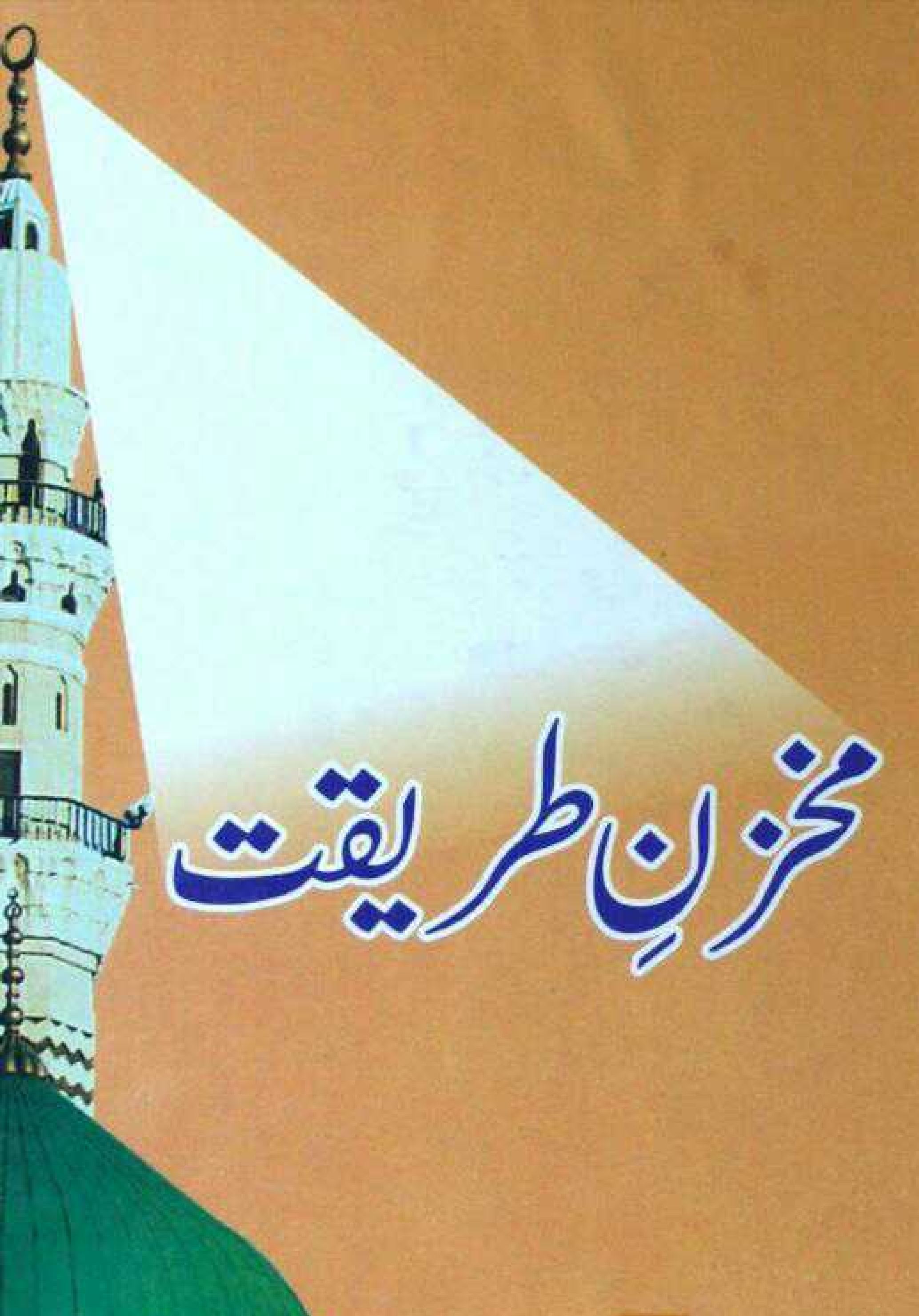


مخزنِ طریقت

تالیف

پیر طریقت حضرت علامہ

محمد ظفر عباس محمدی سیفی گوجرانوالہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ سیفیہ نزد خانقاہ عالیہ محمدیہ س

راوی ریان شریف نزد کالا شاہ کاکو لا

مخزنِ طریقت

تالیف

محمد ظفر عباس محمدی سیفی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخزنِ طریقت

تالیف:۔

پیر طریقت حضرت علامہ محمد ظفر عباس محمدی سیفی

جامع مسجد حسنین کریمین، اڈہ جھوک سیّد والا روڈ جڑانوالہ

☆ نام کتاب	:	مخزنِ طریقت
☆ تالیف	:	پیر طریقت حضرت علامہ محمد ظفر عباس محمدی سیفی
☆ ترتیب	:	علی شیر ساجد محمدی سیفی
☆ پروف ریڈنگ	:	علی شیر ساجد محمدی سیفی
☆ نظر ثانی	:	علامہ سید امتیاز حسین شیرازی محمدی سیفی
☆ کمپوزنگ	:	اعجاز احمد جڑانوالہ 0300-6530966
☆ اشاعت اول	:	اگست 2008 / شعبان ۱۴۲۹ ہجری
☆ تعداد	:	2000
☆ قیمت	:	300 روپے
☆ طباعت	:	ابو عکاشہ پرنٹرز اینڈ پبلشرز، نصیر پلازہ، کوہاٹی بازار، راولپنڈی فون نمبرز: 051-5777106، 051-5761341 موبائل: 0333-5202323، 0321-5202323 ای میل: abbukasha@hotmail.com abbukasha@yahoo.com
☆ ناشر	:	مکتبہ محمدیہ سیفیہ نزد خانقاہ عالیہ محمدیہ سیفیہ نقشبندیہ راوی ریان شریف، نزد کالا شاہ کاکو، لاہور 0321-8401546

بفیضان نظر

امیر شریعت وطریقت قیوم زماں
محبوب سبحان مجدد عصر دوراں

اخوندزادہ

حضرت

حنفی ماتریدی مبارک

سیف الرحمٰن صاحب

پیرارچی وخراسانی

دامت برکاتہم العالیہ

آستانہ عالیہ فقیر آباد شریف

لاہور

انتساب

اُس کامل ہستی کے نام
جن کی نظر کرم نے بے شمار گم کردہ راہوں کو
شریعت وطریقت کے اسرار ورموز سمجھا کر
صراط مستقیم پر چلنے کے قابل بنایا

یعنی

حضور سیدی ومرشدی مربی ومولائی شیخ المشائخ

حضرت میاں محمد سیفی حنفی ماتریدی قدس سرہٗ العزیز

آستانہ عالیہ راوی ریان شریف۔ لاہور

تقریظ

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

این کتاب بی مثال در دین و بام پر گشته جوهر نایاب

میباشد بسیار سهل و مفید است برای سالکین الله جل جلاله

خدا مصنف خیر کثیر بدهد والسلام

الفقیر محمد حمید سیفی نقشبندی

2-9-2003

تصفحت من اوله الی آخره

فیه منافع کثیرة وطریق مستقیم الی التصوف

فهو مفید للمبتدی والمنتهی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وکفی وسلام علی عباده الذین الصطفٰے این کتاب بے مثال ترین ایم پرفتن جو هر نایاب میباید نهایت سهل و مفید است برائے سالکین فقد طالعت مِن اولاً الی آخره فیه منافع کثیرو طریق مستقیم الی التصوف فهومفید للمبتدی وللمنتهی الله جل جلاله برائے مصنف خیر کثیر بدهد

والسلام

الفقیر محمد حمید جان سیفی نقشبندی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ رب العزت کیلیے ہیں اور وہ کافی ہے اور سلام ہو اسکے برگزیدہ بندوں پر۔ ان پرفتن ایام میں یہ بے مثال کتاب جو ہر نایاب ہے۔ اور سالکین کے لئے نہایت آسان اور فائدہ بخش ہے۔ میں نے اس کتاب کو اول سے آخر پڑھا۔ اسمیں تصوف کے لیے صراط مستقیم اور کثرت سے فوائد ہیں۔ اور یہ کتاب مبتدی اور منتھی سالکین کیلیے یکساں مفید ہے اللہ رب العزت مصنف کو خیر کثیر عطا فرمائے۔

والسلام

الفقیر محمد حمید جان سیفی نقشبندی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعریفیں تمام کی تمام اللہ کی ذات کیلئے اور کروڑوں درود اور سلام اس کے پاک حبیب کی خدمت میں۔

مکرمی جناب ظفر صاحب نے تصوف کے موضوع پر ایک جامع، عام فہم اور مکمل کتاب لکھ کر بلا شبہ راہِ طریقت اور شریعت کے بے شمار راہ نوردا شخاص کے دل جیت لیے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ میں اور صوفی مطلوب صاحب محمدی سیفی ہم دونوں نے ظفر صاحب سے عرض کی کہ آپ کا مطالعہ ماشاءاللہ وسیع ہے اور قلب و ذہن کی پاکیزگی بھی مرشدِ کریم کے فیضان سے میسر ہے تو آپ تصوف کے موضوع پر ایک ایسی کتاب لکھنے کی طرف توجہ فرمائیں جو تمام راہیانِ حق کی بالعموم اور سلسلۂ عالیہ سیفیہ کی بالخصوص ترجمان کتاب ہو۔ انھوں نے کمال شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کتاب ھذا کی تدوین و ترتیب کا کام بحسن و خوبی پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اللہ انہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ امین

اس کتاب کو پڑھنے کے بعد میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ کتاب تصوف کے بارے میں ذہن میں پیدا ہونے والے تمام سوالات کے جوابات مہیا کرتی ہے اور ساتھ ہی ایک خاص بات کہ تمام کے تمام شکوک وشبہات جو لوگوں کے ذہنوں میں بیعت، وجد، طریقت، شریعت، نسبت وغیرہ کے بارے میں اٹھتے ہیں ان تمام سوالات کے جوابات یہ کتاب قرآن وسنت اور اکابرین علماء کی آراء کی روشنی میں مہیا کرتی ہے۔

جناب ظفر صاحب کی مرتب کردہ اس کتاب میں بیعت اور نسبت کی ضرورت و اہمیت، مرشد کامل کی پہچان، مرشدِ کامل کی خصوصیات، تصور شیخ، محبت شیخ، آداب شیخ وغیرہ جیسے نازک مسائل کی بہت عمدہ انداز اور لطیف پیرائے میں تشریح کی گئی ہے۔ اس میں مصنف کی علمی قابلیت کے ساتھ ساتھ اس کے سوزِ دروں کا بھی بہت حصہ ہے جو کسی مرشد کامل کی نظر نے بخشا ہے۔

یہ کتاب سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ سیفیہ کے اسباق پر بھی مفصل بحث کرتی ہے یہ بحث بہت سے

سالکانِ راہِ طریقت کے لیے فائدہ مند ہے جو اس راستے پر نئے ہوں یا پرانے انھیں اسباق کے بارے میں مکمل آگاہی ہونا از حد ضروری ہے۔ ساتھ ہی ساتھ سلسلۂ عالیہ میں توجہ اور وجد و تواجد سے متعلقہ مسائل جو کہ علماء میں اختلافی ہیں ان کی بھی قرآن و حدیث اور اکابرین کی آراء کی روشنی میں تصریح و وضاحت کی گئی ہے۔ تا کہ ذہن سے ہر قسم کے منفی شکوک کا با آسانی خاتمہ ہو سکے۔

میں مؤلف کو اس کاوش پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کے وہ اسلام کی خدمت میں اسی طرح پیش پیش رہیں۔ اللہ ان کی اس کوشش کو قبولیت کا شرف دے۔ امین

پروفیسر محمد نواز محمدی سیفی

پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

اظہار تشکر

الحمد للہ رب العالمین

والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدالانبیاء والمرسلین

و علیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ واولیاء امتہٖ اجمعین

اللہ رب العزت جل شانہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ہے

جس نے ہمیں نبی کریم رؤف الرحیم رحمتہ اللعالمین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا امتی بنایا۔

پھر ایسے مرشد کریم کی نسبت سے مشرف فرمایا!

جن کی نگاہِ ولی گر نے ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کے قابل بنایا۔

مزید برآں اس کتاب "**مخزنِ طریقت**" کے تالیف کی توفیق عطا فرمائی۔

جس کی فی الحقیقت اس پُر آشوب دور میں اشد ضرورت ہے۔

بندہ اس سعئ جمیلہ میں تمام احباب کا تہہ دل سے شکر گزار ہے جنہوں نے کسی بھی طریقے سے تعاون کیا۔ خصوصاً خلیفہ صوفی خالد حسین سیفی، صوفی محمد برخوردار سیفی، صوفی میاں خاں سیفی، فقیر علی شیر ساجد حنفی سیفی، صوفی محمد سلیم سیفی، ڈاکٹر محمد اسلم محمدی سیفی، صوفی نور احمد محمدی سیفی و دیگر احباب جن کی اعانت ہمارے لیے اس کار خیر میں تکمیل کا باعث بنی۔ بندہ اللہ رب العزت جل شانہٗ کے حضور بدستِ دُعا ہے کہ وہ ذات والاصفات ہماری اس کوشش کو دینِ مبین کی ترویج کے لیے قبول فرمائے۔ آمین! بجاہ نبی الامین ﷺ۔

مؤلف

محمد ظفر عباس محمدی سیفی

جامع مسجد حسنین کریمین

اڈہ جھوک سیّد والا روڈ جڑانوالہ

بسم اللہ الرّحمن الرّحیم ہ

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصوّف

تصوّف

تصوف اسم مشتق ہے اس کے مادہ پر اختلاف کے باوجود درج ذیل مآخذ پر اتفاقِ رائے ہے۔

(i) صوف (ii) صفا

(iii) صفہ (iv) صفو

(v) تصوف (vi) صف

(i) صوف کے معنی اون، پشم یا نمدہ کے ہیں عربی زبان میں صوف کا لباس پہننے والے کو صوفی کہتے ہیں اور صوفی کا مسلک یا راستہ تصوف کہلاتا ہے۔

امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"تَصَوَّفَ اِذَالَبِسَ الصُّوْفَ کَمَایُقَالُ تَقَمَّصَ اِذَالَبَسَ الْقَمِیْصَ"

تصوّف اس وقت کہتے ہیں جب کسی نے صوف کا لباس پہنا ہو جیسے کسی کے "قمیض" پہننے پر "تقمص" کہا جاتا ہے۔ پس اگر تصوف کا مادہ "صوف" ہی ہے تو لغت کے اعتبار سے تصوف کے معانی اونی لباس پہننا ہوں گے اور صوفی سے مراد صوف یعنی اون کا لباس پہننے والا ہوگا۔ اور تصوف سے مراد صوفی ہونا، صوفیوں کا مسلک اختیار کرنا ہوگا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

کہ رسول اللہ ﷺ صوف کا لباس پہنتے تھے۔ کیونکہ یہ زہد وتقویٰ کے قریب تر ہے۔

اس لیے یہ انبیاء علیہ السّلام کا لباس بھی رہا ہے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السّلام صوف اور پشم پہنا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے کلام فرمایا آپ صوف کا لباس پہنے ہوئے تھے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ستر اصحابِ بدر صوف کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ تاریخ میں ہے کہ تابعین اور تبع تابعین کے ادوار میں بھی بزرگوں کا لباس صوف کا ہوتا تھا۔ اس لباس کی نسبت سے انہیں صوفی کہا جانے لگا۔ اونی لباس کھردرا ہونے کی وجہ سے دنیاوی لذتوں اور جسمانی سکون سے کنارہ کشی کا سبب ہے۔

(ii) بعض علمائے کرام کے نزدیک تصوف کا مادہ صفا ہے جس کے لفظی معنی صاف ہونا ہیں۔

شیخ حضری رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے۔ "اَلتَّصَوُّفُ صَفَاءُ السِّرِّ مِنْ کُدُوْرَةِ الْمُخَالِفَةِ ٥" (کشف المحجوب)

یعنی تصوف سے مراد باطن کی پاکیزگی اور صفائی ہے۔ مخالفت حق کی کدورت اور سیاہی سے۔

حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے۔

"تصوف" اور "صوفی" لفظ 'صفا' سے مشتق ہیں صفا کے معنی صفائی اور پاکیزگی ہیں اس سے مراد باطن کی صفائی ہے اس کی ضد " کد "یعنی کدورت ہے پس جس شخص نے اپنے اخلاق اور معاملات کو مہذب بنایا اور اپنی طبیعت کو کدورتوں کی کھوٹ اور میل سے پاک وصاف کر لیا اور حق تعالیٰ کی سچی عبودیت کا وصف اپنے اندر پیدا کر لیا وہ صوفی بن گیا اور اہل تصوف میں شامل ہو گیا۔

کشف المحجوب میں حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اِنَّ الصَّفَا صِفَةُ الصِّدِّیْقِ اِنْ اَرَدْتَ صُوْفِیًّا عَلَی التَّحْقِیْقِ"

یعنی اگر تو کامل صوفی دیکھنا چاہتا ہے تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھ کہ اصل صفا ان میں تھی۔ صفا کی اصل بھی ہے اور فرع بھی۔ اصل یہ ہے کہ دل اغیار سے خالی ہو اور فرع یہ ہے کہ دل اس فریب دینے والی دنیا سے منقطع ہو۔ یہ دونوں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صفات ہیں۔

(iii) "صُفّـہ" سے تصوف یا صوفی کا مشتق ہونا قاعدے کے اعتبار سے درست نہیں لیکن معنی کے لحاظ سے صحیح ہے عوارف المعارف میں ہے کہ صوفیاء کا حال اصحابِ صفہ سے بالکل مشابہہ رہا ہے۔ یہ اصحاب بھی اہل صفہ کی طرح مل جل کر رہتے ہیں آپس میں الفت و محبت رکھتے ہیں جس طرح اصحابِ صفہ کو تھی۔

شیخ احمد الحسینی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

"تصوف" صفہ سے ماخوذ ہے کیونکہ تصوف تمام تر وہی کچھ ہے جو عہد رسالت ﷺ میں فقراء و مہاجرین کے لیے مخصوص تھا۔

(iv) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"ذَهَبَ صَفْوُ الدُّنيَا وَبَقِيَ كَدَرُهَا"

یعنی دنیا کی صفائی جاتی رہی اور میل باقی رہ گیا۔ (کشف المحجوب بابِ تصوف)

بعض علمائے کرام نے "صفو" کو تصوف کا مادہ قرار دیا ہے۔ صفو (مصدر) کے معانی محبت میں خلوص اور دوستی میں اخلاص ہیں اور مخلص دوست کو صفی کہتے ہیں۔ اس مادہ کے اعتبار سے صوفی وہ ہے جو دنیا و آخرت کے اجر و جزا سے بے نیاز ہو کر محبوبِ حقیقی سے بے لوث محبت اور دوستی کا رشتہ قائم کرے اور ہر حال میں رضائے الٰہی کا طالب ہو۔

(v) "التصوف" کے معانی ہیں یکسو ہونا۔ کسی طرف پوری یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہونا علامہ غیاث الدین رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ

"ہوسکتا ہے کہ تصوف صفو سے مشتق ہو جس کے معنی ہیں یکسو ہونا اور ہر طرف سے منہ پھیر لینا۔ چونکہ اللہ سے وصل کرنے والے صرف اسی سے واصل ہوتے ہیں اور ماسوئی اللہ سے روگردانی کرتے ہیں اس لیے ان کے احوال کو تصوف کہا جاتا ہے"

(vi) امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "تصوف" صف سے مشتق ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی بارگاہ میں حاضری کے باعث یہ لوگ اپنے دلوں کی وجہ سے صفِ اوّل میں ہوتے

ہیں۔اوران کا باطن ان کے ظاہر سے زیادہ پاکیزہ اور صاف ہوتا ہے بعض علمائے کرام کے نزدیک تصوف لفظ "صف" سے ماخوذ ہے صف سے مراد ہے۔ قطار، سلسلہ، جماعت وغیرہ۔ چونکہ تصوف کے مختلف سلاسل ہیں اس لیے یہ معنی بھی بعید از قیاس نہیں۔

ابوالقاسم امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ مختلف آرا نقل کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

"ولا يشهد هذاالاسم اشتقاق من جهة العربيه و قياس و الظاهر انه لقب"

یعنی صوفی کے لقب کا ماخذ اشتقاق عربیت کے لحاظ سے اور قواعد وصرف کی رو سے معلوم نہیں ہوتا۔ سیدھی صاف بات یہ ہے کہ یہ اس فن کا لقب ہے۔

علامہ ابن خلدون نے بھی امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے کو پسند کیا۔

علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں علم التصوف کے باب میں اس کی توضیح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"اَصلُ التَّصوُّفِ اَلعَكُوفُ عَلیٰ العِبَادَةِ وَالاُ نقطاعِ اِلیٰ اللهِ تعالیٰ وَالاِعْرَاضُ عَنْ زُخْرُفِ الدُّنیاوَزِینَتَهاوَالزّهدُفِیمَایُقبِلُ اِلَیهِ الجُمهُوُرِمِن لَذّةٍ وَمَالِ وَ جَاهٍ ....وَ کَانَ ذَالِكَ عَاماً فِی اَلصّحَابَةِ وَالسّلَفِ"

ترجمہ: "تصوف کا معنی ہے عبادت پر ہمیشہ پابندی کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونا۔ دنیا کی زیب وزینت کی طرف سے روگردانی کرنا۔ لذت مال اور جاہ جس کی طرف عام لوگ متوجہ ہیں اس سے کنارہ کش ہونا۔ یہ طریقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور سلف الصالحین رحمۃ اللہ علیہ میں عام مروج تھا"

اکثر حضرات تصوف کی تعریف میں اخلاقی پہلو کی طرف زیادہ توجہ کرتے ہیں اور یہ نظریہ حلقہ صوفیاء میں بھی مقبول ہے۔ (بحوالہ مقدمہ کشف المحجوب از حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری صفحہ ۱۱)

علمائے کرام اور مشائخ عظام کی نظر میں تصوف

علمائے کرام اور مشائخِ عظام نے اپنے اپنے انداز میں تصوف کی تعریف کی ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"تصوف یہ ہے کہ حق تعالیٰ تجھے تیری ذات سے فنا کردے اور اپنی ذات کے ساتھ زندہ رکھے"

حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"تصوف حقائق پر عمل کرنے اور لوگوں کی چیزوں سے ناامیدی کا نام ہے"

حضرت غوثِ اعظم سیّدنا عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تصوف چار حروف سے مل کر بنتا ہے یعنی ت، ص، و، ف، ت سے مراد توبہ، ص سے مراد صفائی، و سے مراد ولایت اور ف سے مراد فنافی اللہ ہے۔ ان چاروں صفات کے علم و عمل کا مجموعہ تصوف ہے اور جس شخص میں یہ چاروں صفات موجود ہوں وہ صوفی ہے۔

روَیم رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے۔

"نفس کو اللہ کے ساتھ چھوڑ دینا کہ جیسا چاہے کرے"

محمد بن علی قصاب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"تصوف وہ کریمانہ اخلاق ہیں جو کریم زمانہ میں کریم آدمی سے کریم لوگوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوتے ہیں"

نوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفی کی تعریف یہ ہے کہ

"اسے محتاجی کے وقت سکون ہو اور اگر کچھ پاس ہو تو ایثار کردے"

حضرت حسن نوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"تصوف تمام حظوظِ نفسانی کے ترک کرنے کا نام ہے اور صوفی وہ لوگ ہیں جن کا

دل بشریت کی کدورت سے آزاد ہو گیا ہو"

ابو محمد الجریری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۱۱ھ) سے کسی نے تصوف کے بارے میں پوچھا۔تو

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"الدخول فی کل خلق سنی و الخروج من کل خلق دنی "

"ہر ایک اعلیٰ خلق میں در آنا اور ہر ایک ادنیٰ خلق سے نکلنا تصوف ہے"

تصوف زہد اور فقر دونوں سے بڑھ کر ہے۔بعضوں کے نزدیک تصوف

اخلاص و اخلاق کا نام ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک تصوف اور فقر ایک ہی چیز کے دو مختلف نام ہیں۔

حضرت زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"تصوف وہ علم ہے جس سے ابدی سعادت کے حصول کی غرض سے تزکیہء نفس،

تصفیہء اخلاق اور تعمیر ظاہر و باطن کا طریقہ معلوم کیا جاتا ہے"

ابو بکر الکتانی (المتوفی ۲۳۳ھ) فرماتے ہیں:

"اَلتَّصَوُّفُ خُلُقٌ وَمَنْ زَادَ عَلَيْكَ فِي الْخُلُقِ فَقَدْزَادَعَلَيْكَ فِي الصَّفَاءِ"

"یعنی تصوف خُلق کا نام ہے جو خُلق میں تجھ سے برتر ہو گا وہ صفائی میں بھی تجھ

سے بڑھا ہوا ہو گا"

حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کا یہ ارشاد اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے

کافی ہے ایک روز انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض کیا:

"اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتُ اَعْبُدُكَ خَوْفًامِنْ نَارِكَ فَالْقِنِي فِيهَا"

"اے اللہ! اگر میں تیری عبادت آتشِ دوزخ کے خوف سے کرتی ہوں تو مجھے

اس میں جھونک دے"

"وَاِنْ كُنْتُ اَعْبُدُكَ طَمْعًافِي جَنَّتِكَ فَاحْرِ مْنِيهَا"

"اور اگر میں جنت کے لالچ کے لیے تیری جناب میں سر بسجود رہتی ہوں تو مجھے اس جنت سے محروم کر دے"

"وَ اِنۡ کُنۡتُ اَعۡبُدُکَ لِوَجۡھِکَ الۡکَرِیۡمِ فَلَا تَحۡرِمۡنِیۡ مِنۡ رُؤۡیَتِہٖ"

"اور اگر میں صرف تیری ذات کے لیے تیری عبادت کرتی ہوں تو اے میرے محبوب مجھے اپنے شرفِ دیدار سے محروم نہ رکھیو"

معلوم ہوا کہ تصوف نہ صرف اخلاقِ حسنہ کا نام ہے نہ صرف دنیا کی لذتوں اور مسرتوں سے کنارہ کشی کا نام ہے اور نہ صرف شب و روز مصروفِ عبادت رہنے کا نام ہے اگرچہ وہ ان تمام چیزوں کو شامل ہے لیکن وہ ان کے ماسوا کوئی اور چیز ہے۔

حجتہ الاسلام امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں اس حقیقت کو ذرا تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

"اَلطَّرِیۡقُ :تَقۡدِیۡمُ الۡمُجَاھِدَۃِ وَ مَحۡوُ الصِّفَاتِ الۡمَذۡمُوۡمَۃِ وَقَطۡعُ الۡعَلَائِقِ کُلِّھَا وَ اِلَاقۡبَالُ بِکُنۡہِ الۡھِمَّتِہٖ عَلَی اللّٰہِ تَعَالیٰ وَ مَھۡمَا حَصَلَ ذَالِکَ کَانَ اللّٰہُ المتولیَ الۡقَلۡبَ عَبۡدَہُ المتکفل لَہٗ بِتَنۡوِیۡرِہٖ بِاَنۡوَارِ الۡعِلۡمِ"

ترجمہ: "اس منزل کا راستہ یہ ہے کہ پہلے مجاہدہ کرے، صفات مذمومہ کو مٹائے، تمام تعلقات کو توڑ ڈالے اور پوری طرح اللہ تعالٰی کی طرف متوجہ ہو جائے، جب یہ سعادت حاصل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالٰی اپنے بندے کے دل کا متولی بن جاتا ہے اور علم کے انوار سے اس کو منور کرنے کا ذمہ دار بن جاتا ہے"

یہ ہے تصوف کا وہ مفہوم جس کو اولیاء اللہ اپنا مقصدِ حیات بناتے ہیں۔ ان کی ساری زندگی صفا اور تزکیہ کے کٹھن مرحلوں کو صدقِ دل سے طے کرنے کے لیے وقف رہتی ہے تاکہ آخر کار وہ مشاہدہ کی منزل میں خیمہ زن ہونے کی سعادت حاصل کریں۔ اس طرح وہ انسانیت کے اس مقامِ رفیع کو پا لیتے ہیں جہاں "نفخت فیہ من روحی" کا سرِ نہاں

عیاں ہوتا ہے اور وہ خلیفہ فی الارض کی مسند جلیل پر متمکن ہوتا ہے۔

(بحوالہ مقدمہ کشف المحجوب از پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ صفحہ ۱۵)

خلاصہء کلام یہ کہ

تصوّف وہ علم ہے جس میں بذریعۂ ہدایت نورِ نبوّت و تعلیم سرورِ کائنات ﷺ حق تعالیٰ کی ذات وصفات اور اسرار علم لدنی اور وصل الی اللہ کے طریقے اور جملہ لوازمات سلوک ،طریقت کے اصول اور رموزِ معرفت و حقیقت بیان کئے جاتے ہیں تصوف معرفت الٰہی اور رضائے ایزدی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے صوفی طریقت پر کاربند ہوتے ہوئے قرآن وسُنت کی روشنی میں منازل طریقت طے کرتا ہے۔اسکی زندگی اور ہر قول وفعل اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ہوتا ہے تصوّف کی بنیاد استدلال اور عقل پر نہیں بلکہ اس کا تعلق عقیدہ اور عشق سے ہے۔ بالفاظِ دیگر عشق حقیقی کی منازل طے کرنے کیلئے جو طریق کار اپنایا جاتا ہے اُسے تصوّف کہتے ہیں۔

ارکانِ تصوف

اسلام کے ارکانِ خمسہ کلمہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہیں۔

ان ارکان کو اجمالی حالت میں ادا کرنے کا نام شریعت ہے اور ان کی حقیقت کی سیر بالتفصیل کا نام تصوّف ہے۔

حضرت خواجہ توکل شاہ انبالوی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب خیرالخیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس طرح اسلام کے پانچ ارکان ہیں اسی طرح صوفیائے کرام نے ارکان تصوّف کو پانچ اجزا میں تقسیم کیا ہے۔ جو یہ ہیں۔

(۱) رابطہ (۲) مذاکرہ (۳) مراقبہ

(۴) محاسبہ (۵) مشاغلہ

(۱) رابطہ:

تصوّف کا پہلا رکن رابطہ ہے اور وہ یہ ہے کہ شیخ کامل مکمل کی تلاش کر کے اُن کے ہاتھ پر توبہ کر کے بیعت کرنا اور سلسلہ میں داخل ہو کر شیخ طریقت سے ایسی محبت اختیار کرنا کہ گویا ہر وقت ان کے سامنے ہے۔ خواہ تصوّر میں سامنے رہے خواہ حضور میں رہے۔

(۲) مذاکرہ:

مذاکرہ سے مراد یہ ہے کہ مرشد برحق جو فرمائے مرید وہ ذکر قضا نہ کرے۔ اور نہ بغیر فرمان پیر کے اس میں کمی بیشی کرے۔ گویا اپنی مرضی چھوڑ کر طریقت پر کاربند رہے۔

(۳) مراقبہ:

مراقبہ یہ ہے کہ ذکر کے بعد ہادی و راہنما کے فرمانِ حق فیضان سے انوارات ذاتِ الٰہی یا حقائق الٰہیہ کو اپنے مقام پر کھینچ کر لانا یعنی شیخ برحق نے جو کچھ اور جس مقام کی تعلیم دی ہے جیسے لطائف یا ولایت صغریٰ، ولایتِ کبریٰ، ولایت علیاء، کمالات، حقائق الٰہیہ، حقائق انبیاء علیہم السلام وغیرہ وغیرہ۔ مختصر یہ کہ جس مقام میں طالب یا سالک کا سبق

ہے اسی مقام میں اس محل کا فیض حاصل کرنے کا مراقبہ کرایا جاتا ہے۔

(٤) محاسبہ :

محاسبہ کا طریقہ یہ ہے کہ پچھلی رات کو نمازِ تہجد کے بعد سالک توبہ کرے۔ اور دن رات میں جو نیک یا بد کام کیے ہیں ان کا اپنے خیال میں حساب کر کے معلوم کرے کہ کتنے نیک کام اس نے کیے ہیں اور کس قدر بُرے یا مکروہ افعال سرزد ہوئے ہیں نیک کاموں پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے کہ اے اللہ تعالیٰ تیرے ہی فضل و کرم نے مجھ سے یہ نیک کام کرائے اور جو برے یا مکروہ کام ہوئے ان کو اپنے خیال میں لاکر توبہ کرے اور استغفار پڑھے۔ مگر زبان سے اس خاص گناہ کا نام نہ لے کیونکہ دوبارہ لکھا جاتا ہے۔

(٥) مشاغلہ :

مشاغلہ یہ ہے کہ سالک ہر وقت خواہ سویا ہوا ہو، خواہ چلتا پھرتا یا باتیں کرتا ہو، دن ہو یا رات غرض ہر وقت اپنے دل کو خدا تعالیٰ کی یاد میں مشغول رکھے اور پہلے اکابر بزرگوں نے مشغولی نام الٰہی کو ہی فقر قرار دیا ہے باقی سب اس کی فروعات ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ" (سورۃ نور آیت نمبر ٣٧)

"یعنی اہل ایمان میں سے بہادر وہ لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت کا کام بھی ذکرِ الٰہی سے غافل نہیں کرتا۔ یعنی ان کاموں سے بھی ذکر الٰہی ان کو نہیں بھولتا۔ اسی طرح یاد الٰہی میں بھی اور کام میں بھی لگے رہتے ہیں یہ بہت بڑا اعالیمقام ہے اس مقام کو تمام مقاموں میں اعلیٰ قرار دیا گیا ہے۔ سالک حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ادا کرتا ہے اسی کا نام صراط مستقیم ہے۔ گویا مشاغلہ " **ھتھ کار ول دل یار ول** " کا نام ہے یہ کام ہر کس و ناکس سے نہیں ہوسکتا۔ یہ مَردوں کا کام ہے۔ ظاہر شریعت سے آراستہ اور باطن ذکر سے پیراستہ۔

تصوّف کی ضرورت و اھمیت علمی و دینی نقطہِ نظر سے

علوم دینِ اسلام کو تین شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ھے۔

۱۔علم العقائد :

اس کا تعلق ایمانیات وعقائد سے ہے مثلاً وجودِ باری تعالیٰ توحیداور ذات وصفات میں اس کے یکتا و بے مثل ہونے پر ایمان لانا ، انبیاء ورُسل ، ملائکہ اور الہامی کتب پر ایمان، مشیتِ ایزدی، قیامت، حشرونشر، میزان وصراط، جزاوسزااور جنت ودوزخ وغیرہ پرایمان لانا۔

۲۔علم الاحکام :

یہ علم انسان کی عملی زندگی سے بحث کرتا ہے۔ جس سے اسے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہےاور کن اقوال وافعال سے منع فرمایا ہے۔اس شعبہ کا تعلق "فقہ" سے ہے۔

۳۔علم الاخلاص:

جب عقائداور احکام سے متعلق احکام کا علم ہو جائے تو علم الاخلاص کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔

علم الاخلاص کی بنیادنیت پر ہے اعمال بارگاہ الٰہی میں اسی وقت قبول ہوتے ہیں جب نیت درست ہو، اعمال وافعال میں ریاکاری نہ ہواور ہر عمل سراسر خلوص پر مبنی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "بے شک اللہ تمہاری شکلیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے"

فرمان نبوی ﷺ ہے۔ "اِنَّما اُلَا عْمَالُ بِا لنِّیا تِ"

ترجمہ: "بے شک اعمال کادارومدار نیتوں پر ہے"

ترویج و اشاعتِ علوم دین

علوم دین کے تینوں شعبوں کے دفاع اور ترویج و اشاعت کا کام انجام دینے والوں کے نام مختلف ھیں

۱۔متکلمین : شعبہ علم العقائد کی ترویج واشاعت کا کام متکلمین سرانجام دیتے ہیں

۲۔فقہاء و محدثین : علم الاحکام کی ترویج واشاعت کا کام سرانجام دینے والے فقہاء اور محدثین کہلاتے ہیں

۳۔صوفیاء : دلوں کی صفائی اور باطنی اصلاح کا کام صوفیاء (اولیاء اللہ، مشائخ، عرفاء، پیر وغیرہ) کے حلقوں سے انجام پاتا ہے۔علوم دین کے تینوں شعبے اور تینوں شعبوں کے کام سرانجام دینے والوں کو یکساں اہمیت حاصل ہے۔ان میں سے اگر صوفیاء کو الگ کردیا جائے تو دین کا جسم باقی رہ جائے گا۔روحِ دین مفقود ہو جائے گی۔

حاصل کلام یہ کہ

تصوف انسان کے اخلاق اور سیرت وکردار کی تعمیر اور اصلاح پر زور دیتا ہے۔وہ تزکیہ نفس سے رذائل کو رد کرتا ہے اور حُسنِ سیرت سے سماجی ومعاشرتی برائیوں کا خاتمہ کرتا ہے۔تصوف تجربہ اور مشاہدہ کی مدد سے ایمان کی توثیق کرتا ہے یہاں تجربات ومشاہدات کا نام ریاضت اور مجاہدہ ہے۔

تصوف ایک ایسی تجربہ گاہ ہے جہاں پر صوفیاء اپنے روحانی تجربات ومشاہدات کے ذریعے عقائد کو درست ثابت کرتے ہیں۔رموزِ تصوف حقائق کو عریاں کرتے ہیں۔ مراقبہ واستغراق وہاں تک پہنچاتا ہے جہاں تک استدلال اور عقل کی رسائی نہیں۔یہاں الہام ہے۔القا ہے رویائے صادقہ ہیں اور مشاہدات ارضی وسماوی ہیں یہاں منزل مقصود تک پہنچنے کے طریق تصورِ شیخ کے ذریعے فنافی الشیخ، فنافی الرسول اور فنافی اللہ واصل باللہ کے مقامات طے ہوتے ہیں۔ اصل مبداءِ فیض خدا تعالیٰ کی ذات ہے لیکن وہ فیض ملتا پیر ہی کے واسطے سے ہے۔

طریقت و سلوک کی فرضیت و اهمیت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر منصب نیابت سے سرفراز فرمایا!

"وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خلیفة"

پھر عام انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے انبیاء و رسل بھیجے۔ ختم الرسل نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت کے بعد سلسلہ وحی ان کلمات کے ساتھ تکمیل کو پہنچا:

"اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً"

ترجمہ: " آج کے دن میں نے تم پر تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا"

انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے بعد صدیقین، شہداء اور صالحین کو علم ظاہر و باطن کے کمالات کے ساتھ انسانیت کی رشد و ہدایت کی ذمہ داری سونپی گئی۔ جو قیامت تک جاری و ساری ہے۔ ان نفوس قدسیہ نے تزکیہء نفس اور ہدایت انسان کے اس عمل کو جاری رکھا جس کا ارشاد رب ذوالجلال نے قرآن مبین میں دعائے ابراہیمی کی صورت میں فرمایا ہے:

"رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ یُزَكِّیْهِمْ"

ترجمہ: "اے ہمارے پروردگار اور ان میں ایک رسول بھیج جو انہی میں سے ہو انہیں تیری آیات پڑھ کر سُنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک اور صاف کر دے"

اور جس کے لیے رب کائنات نے اپنے حبیب کریم روف رحیم ﷺ کو فرمایا!

"وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْماً"

"اور اے محبوب ﷺ کہیے اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما"

جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو علم ظاہر و باطن کی زیادتی طلب کرنے کی تعلیم دی جارہی ہے تو پھر عوام الناس کے لیے تو بدرجہ اولیٰ لازم ہے کہ وہ ظاہری و باطنی قرب کے مراتب کی طلب کرتے رہیں اور صالحین و کاملین کے لیے مقامات تقرب پر قناعت کرنا حرام ہے۔

تزکیہ نفس فرض عین ہے۔ جس کی صحت پر "وَيُزَكِّيهِمْ" والی آیت مبارکہ شاہد ہے۔ یہی طریقت کا منشاء و مدعا ہے کہ خلاق عالم نے انسان کی تخلیق جس عشق و محبت کے ساتھ کی ہے انسان بھی خالق و مالک کے ساتھ اسی عشق حقیقی کے آبِ حیات سے اپنی حیات کو جاودانی بنائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات لامحدود ہے اس لیے اس کی طلب کا راستہ بھی لامحدود ہے۔

پس کامل شخص اپنے وصول الی اللہ کے اعتبار سے کامل ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی طلب کے مرتبوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ جتنا کوئی آگے بڑھتا جائے گا۔ اتنی ہی اس کی وسعت بڑھتی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

"فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (سورۃ نحل آیت ۴۳)

ترجمہ: "پس ذکر والوں سے پوچھ لیا کرو اگر تم نہیں جانتے"

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ اس کے احکام کی تعمیل کی جائے۔ یہ بندے پر فرض ہے۔ جس کی بجا آوری لازم ہے ایک دوسرے مقام پر قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

"فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ"

"پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ اور میرا شکر ادا کرو اور کفر نہ کرو"

طریقت کی تلاش اور باطنی کمالات کے حصول کی کوشش کرنا واجب ہے۔

جیسا کہ حق تعالیٰ نے کلام مجید فرقان حمید میں فرمایا ہے:

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ" (آل عمران ۱۰۲)

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے"

یعنی ظاہر اور باطن میں عقیدوں اور اخلاق میں سے کوئی ایسی چیز نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہو۔ تقویٰ کو کامل طریقے سے اختیار کرنا چاہیے۔ مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں **اِتَّقُوا** صیغہ امر ہے اور یہ واجب ہونے کی دلیل ہے اس لیے تقویٰ ہر مسلمان پر لازم ہوگیا۔ اور کمالِ ولایت کے بغیر تقویٰ کا حصول ناممکن ہے کیونکہ حسد، تکبر، لالچ، ریا، غیبت، غرور، کینہ وغیرہ نفس کے رذائل ہیں جن کا حرام ہونا قرآن مجید، حدیث شریف اور اجماع سے ثابت ہے۔ جب تک یہ نفس کی برائیاں دور نہ ہو جائیں پورا پورا تقویٰ حاصل نہیں ہوتا اور جسم کی اصلاح دل کی اصلاح پر منحصر ہے اور اسی کا نام ولایت ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

"اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ" (الحجرات،۱۳)

"تحقیق تم میں سب سے زیادہ تقویٰ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بزرگ ہے"

اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

"فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ" (سورۃ تغابن،۱۶)

"پس تم ڈرو اللہ تعالیٰ سے جہاں تک تم سے ہو سکے"

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ اس امر پر واضح دلیل ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

"هَلۡ اَتَّبِعُکَ عَلٰۤی اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا" (سورۃ کہف،۶۶)

(موسیٰ علیہ السلام نے کہا)

"کیا میں تیری پیروی کروں اس بات کے واسطے کہ جو کچھ تجھے علم دیا گیا ہے تو وہ مجھ کو بھی سکھا دے"

ان آیاتِ قرآنی سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ طریقت فرض عین ہے اور اس

کے بغیر تزکیہء نفس ممکن نہیں اور تزکیہء نفس کے بغیر تقویٰ کا حصول ناممکن ہے۔

چنانچہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا!

"اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَ اَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَ اَعْمَالِکُمْ" (مسلم عن ابی ہریرہ)

"بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا، لیکن وہ تمہارے قلوب اور اعمال کی طرف دیکھتا ہے"

نیز صحیح حدیث میں آیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا!

"اِنَّ اَعْلَمَکُمْ وَ اَتْقَاکُمْ بِاللّٰہِ اَنَا"

"تحقیق میں اللہ تعالیٰ کو تم سے زیادہ جانتا اور تم سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں"

پس ان چیزوں سے پرہیز کرنا جن سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہوتا ہے تقویٰ کہلاتا ہے جتنا زیادہ پرہیز کرے گا اتنا ہی متقی ہوگا۔ اتنی ہی نفس کی برائیاں فنا ہوں گی اور قلب کی صفائی حاصل ہوگی۔

اسی طرح رسول مقبول ﷺ نے فرمایا!

"قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰہِ"

"مومن کا دل اللہ کا عرش ہے"

اس قلب کی اصلاح کیلئے صوفیاء کی مجالس اور صحبت ضروری ہے چونکہ نفس اور شیطان کے بہکاوے ہر قدم پر سالک کی منازل میں رکاوٹ کا باعث بنتے ہیں اور ان کے شدید حملے دولت ایمانی سے بھی محروم کرنے کی کوشش کرتے ہیں لہٰذا ان تمام وساوس، توہمات، اشکال اور خدشات سے استثنا اختیار کر کے راہ سلوک میں استقامت کے ساتھ منازل طے کرنے کیلئے شیخ طریقت سے بیعت ضروری ہے اور طریقت اور سلوک فرض عین ہے۔

کتب احادیث میں "حدیثِ جبرئیل علیہ السلام" کو اصول دین کے بیان میں بنیادی حیثیت حاصل ہے جس میں دین کو اسلام، ایمان اور احسان سے مرکب بیان فرمایا گیا ہے۔ احسان کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

"قَالَ اَخبِرنِی عَنِ الْاِحسَانِ۔ قَالَ اَنْ تَعبُدَ اللّٰہ کَاَنَّک تَرَاہُ فَاِنْ لَم تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ قَالَ لِی یَاعُمَر اَتَدرِیْ مَنِ السَّائِلِ قُلْتُ اللّٰہُ وَ رَسُولُہٗ اَعْلَم۔ قَالَ فَاِنَّہٗ جِبرِیْلُ اَتَاکُم یُعَلِّمُکُم دِیْنَکُمْ"

ترجمہ: "جبریل علیہ السلام نے کہا مجھے احسان کے متعلق بتایئے۔ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا! اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے پھر حضور ﷺ نے فرمایا! اے عمر! کیا تم جانتے ہو سائل کون تھا؟ میں نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا! یہ جبریل علیہ السلام تھے تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے"

اس حدیث کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرمایا ہے:

"قَالَ الْاِمَامُ الْمَالِکِ مَنْ تَصَوَّفَ وَ لَمْ یَتَفَقَّہْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ وَمَنْ تَفَقَّہَ وَلَمْ یَتَصَوَّفَ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ جَمَعَ بَینَھُمَا فَقَدْ تَحَقَّقْ"

"امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا! جس شخص نے فقہ کے بغیر تصوف حاصل کیا وہ زندیق ہوا اور جس نے تصوف سیکھے بغیر فقہ کا علم حاصل کیا وہ فاسق ہوا اور جس نے دونوں کو جمع کیا وہ محقق ہوا"

فائدہ: تصوف جزو دین ہے انتفائے جزو مستلزم ہے انتفائے کل کو، پس تصوف سے انکار، انکار دین پر مستلزم ہوگا۔

عالم جب تک تصوف و سلوک سے بے بہرہ ہے نہ وارثِ رسول ﷺ ہے نہ نائب رسول ﷺ:

"وَلَا یَکُوْنُ الْخَلِیْفَۃُ اِلَّا مَنْ جَمَعَ الْمَقَاصِدُ الثَّلَاثَۃُ الَّتِی ذَکَرْنَا ھَا وَحَفَظَ الْکِتَابَ وَالسُّنَّۃَ وَ تَدَرَّبَ فِی قَوَانِیْنَ السَّلُوْکِ وَ تَرْبِیَّتِ السَّالِکِیْنِ" (تفہیمات الٰہیہ ۱۳)

"خلیفہ رسول ﷺ صرف وہ شخص ہوگا جس نے دین کے تینوں شعبے جمع کیے ہوں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کو یاد کیا ہو۔ اور قوانینِ علم سلوک اور تربیت سالکین میں کوشش کی ہو"

فائدہ : "اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاء" سے مراد وہ علماء ہیں جنہوں نے دین کے ان تینوں اجزاء کو جمع کیا ہو کیونکہ فَاِنَّهٗ جبریل اَتَاكُم يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس دین کی تعلیم کے لیے جبریل علیہ السّلام کو بھیجا اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو پہنچایا وہ دین تین اجزاء اسلام، ایمان اور احسان سے مرکب ہے۔ جس میں سلوک جسے لفظ احسان سے تعبیر کیا گیا ہے بھی شامل ہے۔

۲: اگر یہ تسلیم کرلیں کہ سلوک بدعت ہے تو ماننا پڑے گا کہ دین بدعت سے مرکب ہے اور جب دین، بدعت وغیرہ سے مرکب ہوا تو پورا دین بدعت ٹھہرا۔

انبیاء علیہم السّلام تین اغراض کو پورا کرنے کے لیے مبعوث ہوتے رہے ہیں:

اوّل : **تصحیح عقائد**

دوم : **تصحیح اعمال**

سوم : **تصحیح اخلاص**

"وَ قَدْ تَكَفَّلَ بِفَنِّ الْاَوَّلِ اَهْلُ الْاُصُوْلِ مِنْ عُلَمَاءِ الْاُمَّةِ وَ قَدْ تَكَفَّلَ بِفَنِّ الْمَثَانِيْ فُقَهَاءُ الْاُمَّةِ فَهَدَى اللّٰهُ بِهِمَا كَثِيْرِيْنَ وَ قَدْ تَكَفَّلَ بِفَنِّ الثَّالِثِ الصُّوْفِيَةُ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ" (تفہیمات الٰہیہ: ۱۳۰)

"تصحیح عقائد کے فن کے کفیل علمائے اصول ہوئے ہیں اعمال کی تصحیح کے کفیل فقہائے امت ہوئے ہیں اور فن خلوص واحسان کے کفیل صوفیاء کرام رحمتہ اللہ علیہ ہوئے ہیں"

دین میں تصوف بمنزلہ روح فی الجسد ہے:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ یہ تیسرا فن مقاصد شرعیہ کے

مآخذ کے لحاظ سے بہت باریک اور گہرا ہے اور تمام شریعت کے لیے اس فن کی وہی حیثیت ہے، جو جسم کے لیے روح کی ہے اور لفظ کے لیے معنی کی ہے" (تفہیمات الٰہیہ)

فائدہ:

(۱) یہ فن ثالث اخلاص اور احسان سے موسوم ہے اخلاص و احسان ساری شریعت کی روح ہے جس طرح روح کے بغیر بدن بے کار ہے اسی طرح اخلاص کے بغیر عقائد و اعمال بے کار ہیں۔

(۲) تصوف کے بغیر نہ شریعت زندہ رہ سکتی ہے نہ دین سلامت رہ سکتا ہے۔

تصوف کا حصول فرض عین ہے:

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ سورۃ التوبہ کی آیت

"وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً"

کی تفسیر میں تصوف کے مقام اور اہمیت کی وضاحت فرماتے ہیں:

ترجمہ: "صوفیاء کرام رحمتہ اللہ علیہ جس علم کو لدنی کہتے ہیں اس کا حصول فرض عین ہے کیونکہ اس کا ثمرہ صفائی قلب ہے غیر اللہ کے شغل سے، اور قلب کا مشغول ہونا ہے دوام حضور سے، اور تزکیہ نفس ہے رذائل اخلاق سے جیسے عجب، تکبر، حسد، حبّ جاہ، عبادات میں سستی، شہواتِ نفسانی، ریا، سمعہ وغیرہ اور اس کا ثمرہ فضائل اخلاق سے متصف ہونا ہے جیسے توبہ من المعاصی، رضا بالقضا، شکر نعمت اور مصیبت میں صبر وغیرہ۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تمام امور مؤمن کے لیے اعضاء جوارح کے گناہوں سے بھی زیادہ شدت سے حرام ہیں اور نماز روزہ اور زکوٰۃ سے زیادہ اہم فرائض ہیں کیونکہ ہر عبادت جس میں خلوص نیت نہ ہو بے فائدہ ہے اور خلوص ہی کا نام تصوف ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ نے اپنی کتاب "انوار قدسیہ فی العھود المحمدیہ" میں فرمایا کہ

"اس بات پر اہل طریقت کا اجماع و اتفاق ہے کہ انسان پر واجب ہے کہ وہ ایسے

شیخ کی بیعت کرے جو اس کی تربیت کرتا رہے یہاں تک کہ اس سے وہ تمام صفات رذائل دور ہو جائیں جو خدا تعالیٰ کے قلبی ذکر میں رکاوٹ پیدا کرتے ہوں تا کہ انسان کی نماز درست ہو جائے"

شیخ علاء الدین حنفی رحمتہ اللہ علیہ "دُرِ مختار" میں فرماتے ہیں:

"وَ اَعْلَمْ اَنَّ تَعَلَّمَ الْعِلْمِ یَکُوْنُ فَرْضُ عَیْنٍ وَفَرْضُ کِفَایَۃٍ وَ مَنْدُوْباً وَ هُوَ التَّبَحَّرُ فِیْ عِلْمِ الْفِقْهِ وَ عِلْمِ الْقَلْبِ"

"جان لو کہ علم کا حاصل کرنا فرض عین ہے اور فرض کفایہ اور مستحب ہوا کرتا ہے اور وہ (جو فرض عین ہے) علم فقہ اور دل کے علم میں بہت زیادہ وسعت حاصل کرنا ہے"

علامہ شیخ حسن شرنبلانی رحمتہ اللہ علیہ "نور الایضاح" کی شرح "مراقی الفلاح" میں فرماتے ہیں کہ طہارت شرعیہ شرط ہے تا کہ بندہ عبادت کرنے کا اہل ہو جائے اور عبادت کا فائدہ اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اخلاص نصیب نہ ہو اور جب تک پوشیدہ نجاستوں مثلاً کینہ، بغض، ریا کاری، حرص، فریب، حسد وغیرہ سے پاکی حاصل نہ ہو۔

طریقت میں پہلے دل کی اصلاح ہوتی ہے تا کہ تمام جسم کی اصلاح ہو جائے تو خدا تعالیٰ کے سوا تمام چیزوں کی محبت سے دل پاک ہو جاتا ہے۔ انسان صرف خدا تعالیٰ کا قصد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اس لیے کرتا ہے کہ وہ ذات مستحق عبادت ہے۔ اور اس ذات کے جلال و عظمت کا لحاظ کرتے ہوئے اس کا حکم بجا لاتا ہے۔ وہ عبادت اخلاصِ نیت کے ساتھ کرتا ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمتہ اللہ علیہ اسی کتاب میں فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ' اپنے بیٹے عبداللہ کو فرمایا کرتے تھے۔ کہ تم پر حدیث کا علم حاصل کرنا ضروری ہے اور تم پر ان لوگوں کی مجلس اختیار کرنا ضروری ہے جن کو صوفیاء کہا جاتا ہے کیونکہ یہ لوگ ہم سے علم "مراقبہ" خدا تعالیٰ کے خوف دنیا سے متنفر اور بلند ہمت ہونے میں بلند مرتبہ ہیں۔

پھر فرمایا کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ صوفیاء کرام کے ساتھ بہت زیادہ بیٹھتے تھے اور فرماتے تھے کہ فقیہہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ صوفیاء کی اصطلاح کو جانے تا کہ اس کو وہ علم حاصل ہو جو اس کے پاس نہیں۔

شیخ شہاب الدین ابن حجر مکی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہت ساری معتبر کتابوں میں علم باطن کے حاصل کرنے کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً "تحفۃ المحتاج" میں ہے کہ جس شخص کو قلب سلیم کی دولت عطا نہیں ہوئی اس پر واجب ہے کہ دل کی بیماریوں کی ادویات کا علم حاصل کرے۔ وہ علمِ باطن ہے۔ علمِ باطن سب کیلئے یکساں طور پر واجب ہے ایک شخص کے حاصل کرنے سے دوسروں کے ذمہ سے اس کا وجوب ساقط نہ ہوگا۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"طہارتِ قلبی کی حدود و اسباب اور اس کی ادویہ اور علاج کا جاننا فرض ہے۔

خطیب شربینی شافعی "شرح الغائیہ میں فرماتے ہیں کہ طہارت کی دو قسمیں ہیں واجب و مسنون۔ پھر واجب کی دو قسمیں ہیں واجب بدنی اور قلبی۔ واجب قلبی طہارت یعنی حسد، عجب، کبر، ریا، دنیا کی محبت، عبادت میں سستی جیسی بیماریوں سے پاکی حاصل کرنا ہے"

شیخ ابوبکر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"علم باطن جیسے دل کی بیماریوں یعنی حسد، حرص، عجب، بخل، کبر وغیرہ اور وہ بیماریاں جو ان سے پیدا ہوتی ہیں۔ ان کی حدود کو جاننا اور اس کے علاج کو جاننا اور ان بیماریوں کی ضدوں کا علم جیسے رضا بالقضاء، قناعت، تحقیر نفسی یعنی نفس کو ذلیل کرنا وغیرہ اور اخلاص، عاجزی، صفا، سخاوت جیسی صفات پیدا کرنا ہے"

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ، امام بغوی رحمتہ اللہ علیہ اور قاضی حسین وغیرھم فرماتے ہیں کہ:

"ان بیماریوں اور ان کی ضِدوں کا علم یعنی علم باطن فرض عین ہے"

قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کے بغیر واجب مکمل نہ ہو وہ چیز بھی واجب ہوتی ہے اور اس

میں کوئی شک نہیں کہ باطنی بیماریوں کا علاج کرنا واجب ہے اور ان کا ارتکاب کرنے والے کو عذاب الٰہی ہونے پر بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس نے بھی کسی شیخ کا دامن نہ پکڑا وہ خدا اور اس کے رسول علیہ ﷺ کا نافرمان ہوا۔

اس لیے کہ شیخ کے بغیر کوئی ان بیماریوں کے علاج کے درست طریقہ تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔

طریقت کا انکار کفر ہے۔ اور یہ کہنا کہ صوفیاء کے طریقے قرآن وسنت سے ثابت نہیں یا من گھڑت ہیں کفر ہے اس لیے کہ صوفیاء کے طریقے تمام کے تمام اخلاق محمد یہ علیہ ﷺ ہی تو ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں

"جیسے باقی علوم فرض ہیں اسی طرح علم سلوک بھی فرض ہے جو علم احوال قلب ہے جیسے توکل، خشیت، رضا بالقضاء"

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ علم تصوف کا حصول فرض عین ہے۔ (تعلیم المتعلمین: ۲)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے احوال قلب کی تفصیل بیان فرما کر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ:

"پس مومن کو لازم ہے کہ رذائل کے دفعیہ کے لیے اتنا علم حاصل کرے جتنا اپنے نفس کو اس کا محتاج سمجھے ان کا ازالہ فرض عین ہے"

تفسیر جمل میں ہے کہ:

"دین وہ چیز ہے جو تغیر وتبدل کو قبول نہیں کرتا وہ توحید اور اخلاص ہے جسے تمام انبیاء علیہ السلام لے کر آئے" (تفسیر جمل: ۱: ۴۹۷)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اہل سنت کا مدار شریعت اور طریقت پر ہے انہی دونوں باتوں کو موقع ریاست اور بزرگی کا گردانتے ہیں" (تحفہ اثنا عشریہ ۲: ۲۳۷)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ منکرین تصوف اہلسنت والجماعت میں داخل نہیں۔

اہل سنت اور صوفیاء محققین نے تصوف اور عقیدۂ تصوف کو کتاب وسنت سے وراثۃً پایا ہے۔

اس میں سلف سے خلف تک یکسانی کے ساتھ متفق رہے ہیں۔ یہ صوفیاء کرام کا اجماعی مسلک ہے ہاں وقتاً فوقتاً جو خرابیاں اس میں پیدا ہوتی رہی ہیں محققین ان کی اصلاح کرتے رہے۔

تصوف وسلوک تواتر سے ثابت ہے اور اتنی بڑی جماعت کا تواتر ہے جو علم وعمل، زہد وتقویٰ اور خشیت میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ ایسی اور اتنی جماعت کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلاً محال ہے۔

درج ذیل حدیث سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے عہد میں علم باطن کا حصول ثابت ہوتا ہے:

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ ﷺ (من العلم) فَاَمَّا اَحَدُ هُمَا فَبَثَثْتُهٗ فِیْكُمْ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهٗ قُطِعَ هٰذَا الْبَلْعُوْمِ (اَلْحَلْقُوْمِ)" (بخاری شریف)

"حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو اقسام کے علوم سیکھے ایک کو میں نے تم پر ظاہر کر دیا اور دوسرے کو ظاہر کروں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے گا"

اس حدیث میں علم کی دو اقسام بتائی گئی ہیں ایک سے مراد علم ظاہر اور دوسری قسم سے مراد علم باطن یا علم اسرار ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ حدیث مذکورہ کی شرح میں "اشعتہ اللمعات" جلد اوّل صفحہ ۱۷۷ پر تحریر فرماتے ہیں:

"اور کہتے ہیں کہ پہلی قسم سے مراد احکام اور اخلاق کا علم ہے جو عام وخاص سب کیلئے مشترک ہے اور دوسری قسم علمِ اسرار ہے۔ جو غیروں کی تاریکی (جہالت) سے محفوظ کیا گیا ہے جو اِن کی عقل و سمجھ میں نہیں آسکتا اور وہ خاص حصہ ہے علماءِ ربانی کا جو اہلِ عرفان میں سے ہیں"

ملاّ علی قاری رحمتہ اللہ علیہ بھی حدیث مذکورہ کی شرح میں "مرقات شرح مشکوٰۃ" جلد اوّل صفحہ ۳۱۳ پر رقمطراز ہیں:

"فَاَمَّا اَحَدُ هُمَا وَ هُوَ عِلْمُ الظَّاهِرِ مِنَ الْاَحْكَامِ وَالْاَخْلَاقِ فَبَثَثْتُهٗ اَیْ اَظْهَرْتُهٗ بِالنَّقْلِ فِیْكُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ وَ هُوَ عِلْمُ الْبَاطِنِ فَلَوْ بَثَثْتُهٗ اَیْ نَشَرْتُهٗ وَ كَرَّرَهٗ لَكُمْ بِالتَّفْصِیْلِ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمِ .... الالخ"

"پس ان دونوں علوم میں سے ایک علم ظاہر ہے جو کہ احکام اور اخلاق کا علم ہے جو میں نے تم پر واضح کیا یعنی نقل کے ذریعے تم پر ظاہر کیا۔ اور دوسری قسم کا علم جو کہ علم باطنی ہے اگر میں اس کو بھی ظاہر کروں اور تفصیلاً بیان کروں تو میرا حلق کاٹ دیا جائے گا"

" کفایت الاتقیا" کے صفحہ ۲۲۱ پر یوں رقمطراز ہیں:

"وَ رَكْعَةٌ مِنْ عَارِفٍ اَفْضَلُ مِنْ اَلْفِ رَكْعَةٍ مِنْ عَالِمٍ غَيْرِ عَارِفٍ وَلَا عِبْرَةَ الْاِنْكَارَ بَعْضَ الْمُبْتَدِعَةِ لَاَنَّهُمْ شَاهِدٌ و افي اَنْفُسِهِمْ لَمْ يَجِدُوا اَحَدًا مُتَصِفًا بِا الْكَرَامَاتِ وَ الْخَوَارِقِ وَالْمَوَاجِيدِ وَ الْاَ حْوَالِ لِوَ قُوْعِهِمْ فِى الزَّيْغِ وَالضَّلَالِ فَوَ قَعُوا فِى الْاِ نْكَارِ التَّصوُفِ وَاَهْلِهِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى هُدًا مِنْ رَبِّهِمْ كَمَا هُوَ رَابٌ جَمِيْعِ فِرَقِ الضَّالَةِ"

"عارف کی ایک رکعت نماز غیر عارف عالم ظاہر کی ایک ہزار رکعت سے بہتر ہے اور (تصوف کے بعض) مبتدعین کے انکار کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی کرامت، خوارق، مواجید اور احوال سے متصف نہیں ہے چونکہ وہ (مبتدعین) کجروی اور گمراہی میں واقع ہوئے ہیں اس لیے تصوف اور اہل تصوف سے انکار کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدایت پر ہیں۔ جس طرح تمام گمراہ شدہ فرقوں کی پختہ عادت ہے"

علوم کی اقسام کے درمیان درجات کے فرق کو امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے رسالہ " مبداء ومعاد" صفحہ ۵۸ میں بیان فرمایا ہے:

ترجمہ "علم کی فوقیت اس کے شرف اور رتبہ سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ جس قدر فوق ہوگا بڑے رتبے کا ہوگا۔ پس صوفیاء اس لیے اشرف ہیں کہ علم باطنی سے ممتاز ہیں علم ظاہر کی نسبت جو ظاہری علماء کے حصے میں ہوتا ہے تو اس سے کپڑے بننے اور بال کاٹنے کے علم پر علم ظاہر کی برتری کا خیال کرنا چاہیے"

پس یہی علم باطن ہے کہ جس کو علم تصوف، طریقت، سلوک، تزکیہ و تصفیہ، احسان اور

علم لدنی وغیرہ مختلف ناموں سے مختلف زمانوں میں موسوم کیا گیا ہے۔ تمام بڑے آئمہ کرام نے علم تصوف حاصل کیا۔

اس سلسلے میں "شرح اربعین للبلخی" میں صفحہ ۱۰ تا ۱۲ پر تحریر ہے:

"علم تصوف بہت سے بزرگان دین نے حاصل کیا ہے جیسے امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اور فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ سے اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے ہبیرہ بصری رحمتہ اللہ علیہ سے اور امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ سے اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمتہ اللہ علیہ نے داؤد طائی سے امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ نے حاتم اصم رحمتہ اللہ علیہ سے علم تصوف حاصل کیا جیسا کہ جواہر الغیبی کے صفحہ نمبر ۲۳۲ پر مذکور ہے:

اور امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ، مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمتہ اللہ علیہ، علامہ شیخ عبدالغنی نابلسی، امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ، امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ، دمیاطی رحمتہ اللہ علیہ، سید سند جرجانی رحمتہ اللہ علیہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ، علامہ ملاّ علی قاری رحمتہ اللہ علیہ مکی اور دیگر عالی مرتبت لوگوں نے علم تصوف حاصل کیا۔ یہ معاملہ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مقدسہ سے لے کر آج تک مسلسل اور بغیر انقطاع کے جاری ہے"

ایک اور حدیث شریف سے علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمتہ اللہ علیہ علم باطن کے ثبوت اور تجلیاتِ ربانیہ کے اورود پر استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس لوگ آئے اور کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ ہم اپنے اندر ایسی چیزیں (اسرار) پاتے ہیں کہ ہم میں سے کسی ایک کو بھی اس پر تکلم کرنا مشکل ہوتا ہے تو نبی پاک ﷺ نے پوچھا کیا آپ نے یہ چیزیں پالیں؟

انہوں نے عرض کیا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ صریح ایمان ہے اور ان کا سوال معارف

الٰہیہ کے متعلق تھا کہ انکے بارے میں بات کرنے سے کفر میں واقع ہونے کا خوف ہوتا ہے جیسا کہ رسول پاک ﷺ نے اپنے قول سے اشارہ فرمایا (کہ یہی چیز صریح ایمان ہے) اور ان کا سوال مبادی سلوک کے متعلق نہیں تھا جیسا کہ اپنے فرائض اور سُنن کی اصلاح کرنا وغیرہ کیونکہ ان کے متعلق سوال کرنا مومن کے نفس کے لیے مشکل نہیں ہوتا"

اسی طرح امام الائمہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں؛

"لَوْ لَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانِ بحواله الحادى والحديقه و ردالمختار" (جلد اوّل ص ۴۵)

"اگر میرے دو سال تحصیل کمالاتِ باطنیہ میں صرف نہ ہوتے تو نعمان بن ثابت ہلاک ہوجاتا"

ان دو سالوں سے مراد وہ دو سال ہیں جن میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے پاس طریقہ صدیقیہ (نقشبندیہ) میں کمالاتِ باطنیہ حاصل کیے اور طریقہ علویہ (قادریہ) میں علوم باطنی حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ سے حاصل کیے۔ محرمات ظاہرہ و باطنیہ سے اجتناب اور فرائض ظاہرہ و باطنہ پر امتثال ان دونوں علوم پر مبنی ہے اور ان دو علوم کے بغیر محرمات کا ارتکاب اور فرائض کا ترک کرنا لازم آتا ہے جو کہ ہلاکت ہے۔

ان مذکورہ بالا تمام دلائل سے واضح ہوا کہ علم باطن کی طلب فرض عین ہے اور عدم طلب فسق ہے۔

شیخ کی ضرورت و اہمیت

حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے قول کے مطابق تصوف روحِ اسلام ہے اس لیے تصوف کی اسلام میں وہی حیثیت و اہمیت ہے جو جسم میں روح کو حاصل ہوتی ہے شیخ کی اہمیت و فرضیت قرآنِ مجید کی متعدد آیات سے ثابت ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:۔

"یٰاَیُّھَاالَّذِیۡنَ اٰمَنُوااتَّقُوۡ اللّٰہ وَ ابۡتَغُوۡ اِلَیۡہِ الۡوَ سِیۡلَۃَ وَ جَا ھِدُ و ا فِیۡ سَبِیۡلِہٖ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ٥" (سورۃ مائدہ ۳۵)

ترجمہ:"اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ"

یہ آیت پورے مضمون تصوف کو محیط ہے اس میں فلاح نفس کے لئے چار شرائط مذکور ہیں۔

١۔ایمان **٢۔تقویٰ**

٣۔ابتغاء وسیلہ **٤۔جہاد**

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے یہ الفاظ ضرورت شیخ کے لئے حتمی حیثیت کے حامل ہیں۔

"اِنَّ التوالدُو التَناسُلُ الصُّوَرِیۡ لَایَحۡصِلُ بِغَیۡرِ الۡوَالِدِ وَالۡوَالِدِہٖ کَذٰلِکَ التَوَالُدُالۡمَعۡنَوِیۡ حَصُوۡلِہٖ بِغَیۡر الۡمُرۡشِدِ مُتَعۡذِرٌ قَالَ فِیۡ رِسَالَۃَ الۡمَکِّیۡہِ مِنۡ لَا شَیۡخَ لَہٗ فَا لشَّیۡطَانُ شَیۡخِہٖ"

ترجمہ: "جس طرح جسمانی توالد و تناسل والدین کے بغیر ممکن نہیں اسی طرح باطنی توالد (ترقی) بھی بغیرِ شیخ کے مشکل ہے اسی لئے انہوں نے اپنے رسالہ المکیہ میں لکھا ہے کہ "جس کا کوئی شیخ نہیں اس کا شیخ شیطان ہے"

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ اسی سلسلے میں فرماتے ہیں۔

بزرگانِ دین نے فرمایا ہے۔

"جو اللہ کے ساتھ بیٹھنا چاہے اسے چاہیے وہ اہل تصوف کی مجلس وصحبت اختیار کرے" جس طرح وہاں نبی علیہ ﷺ کی صحبت ضروری ہے یہاں بھی اس کے لیے شیخ کا ہونا ضروری ہے اگر مرید شیخ کامل کی نظر میں ہو اور ہر عمل اس کے فرمان کے مطابق کرے اور اپنے تمام اختیار و ارادوں کو اپنے شیخ کے ہاتھ و اختیار میں دے دے تو قوی امید ہے کہ بہت جلد منزلِ مقصود کو پہنچ جائے۔ انشاءاللہ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ مذکورہ بالا آیت کے تحت لفظ وسیلہ کی تعریف میں یوں رقمطراز ہیں:

ولایت کبریٰ کی چھ شرطیں ہیں۔ ان میں سے چار قرآن مجید میں بیان کردہ ترتیب کے مطابق ہیں پہلی شرط ایمان ہے۔ **یعنی اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب۔** دوسری شرط تقویٰ ہے یعنی اللہ کے احکامات بجالانا اور ممنوعات سے پرہیز کرنا۔ تیسری شرط شیخِ طریقت کی تلاش ہے اور وسیلہ سے یہی مراد ہے وصال یعنی منزل مقصود کا راستہ اسی سے ملتا ہے اور وہی اسے آشکار کرتا ہے۔ چوتھی شرط جہاد ہے یعنی اپنے نفس اور انانیت کو فنا کرنا۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں حضور نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے کہ

"اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَا النَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ" (بحوالہ امداد السلوک: ۲۰)

ترجمہ: "شیخ (پیر کامل) اپنی قوم میں ایسے ہوتا ہے جیسے نبی اپنی اُمت میں"

سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ "باب آداب المرید مع الشیخ" میں تحریر فرماتے ہیں:

"مرید کو اس بات کا یقین رکھنا چاہیے کہ عادت الٰہی اسی طرح جاری ہے کہ اس زمین پر ایک پیر ہو ایک مرید، ایک مقتدر ہو دوسرا مصاحب، ایک پیشوا ہو دوسرا پیرو، یہ عادت الٰہی حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے

گی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد تمام اسماء اللہ نے ان کو سکھا دیئے اور ان ہی سے کائنات کی ابتدا کی۔ گویا ان کو اس طرح بتا دیا جیسا استاد شاگرد کو بتا دیتا ہے یا پیر مرید کو بتاتا ہے۔ پھر تعلیم وتہذیب سے آراستہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو معلم، استاد اور شیخِ حکم بنا دیا۔ طرح طرح کے لباس اور زیور پہنائے۔ زبان کو قوتِ گویائی عطا فرمائی جنت کے اندر کرسی نشین بنایا اور ملائکہ کو ان کے گردا گرد قطار در قطار کھڑا کیا اور فرشتوں سے سوال کیا، تمام فرشتوں نے لاجواب ہو کر کہا:

"سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝"

(سورۃ البقرہ ۳۲)

ترجمہ: "الٰہی تو پاک ہے، تو نے جو کچھ ہم کو سکھایا اُس کے سوا ہم کو علم نہیں، بے شک تو بہت جاننے والا بہت حکمت والا ہے"

"تب حضرت آدم علیہ السلام سے ارشاد ہوا کہ آپ ان تمام چیزوں کے نام بتا دیں۔ حضرت آدمؑ نے تمام اشیاء کے نام بتا دیے۔ اس سے فرشتوں پر آدم علیہ السّلام کی فضیلت نمایاں ہو گئی۔ آدم علیہ السّلام سب کے شیخ اور فرشتے ان کے شاگرد ہو گئے اور اس طرح وہ فرشتوں سے افضل اور اشرف قرار پائے۔ چنانچہ آدم علیہ السّلام پیشوا ہوئے اور فرشتے ان کے تابع اور پیرو۔!!!!" **(غنیتہ الطالبین: ۸٤۰)**

جیسے کسی عارف نے کہا ہے۔

چون تو ذات پیر را کردی قبول	"جب تو نے پیر کی ذات کو قبول کر لیا
ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول	تو خدا اور رسول ﷺ دونوں اس کی ذات میں ہیں
پیر کامل صورت ظلِّ الٰہ	مرشد کامل اللہ کا سایہ بلا کیف ہے
یعنی دیدِ پیر ... دیدِ کبریا	یعنی اس کا دیدار خداوند تعالیٰ کا دیدار ہے"

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ عوارف المعاف میں فرماتے ہیں

کہ حضرت ابوالقاسم قشیری رحمتہ اللہ علیہ اپنے شیخ ابو علی الدقاق رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس درخت میں جو خود بخود اُگ آتا ہے اور جس کو باغبان نہیں لگاتا اس میں پتے تو نکل آتے ہیں لیکن اس میں پھل نہیں آتا اور ممکن ہے اس میں پھل بھی آجائے جس طرح پہاڑی جنگلی درختوں میں پھل آجاتا ہے لیکن اس کا ذائقہ اس پھل کی طرح نہیں ہوتا جیسا کہ باغات کے پھلوں کا ہوتا ہے۔ اور جب باغباں اس کی پیوند لگاتا ہے اور پھر ایک جگہ سے نکال کر اس کو دوسری جگہ منتقل کرتا ہے تو اس کی حالت اچھی ہو جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پر تصرف کیا جاتا ہے اس کی دیکھ بھال کی جاتی ہے پھر وہ خوب پھلتا ہے۔

دوسری مثال اس طرح دیتے ہیں کہ شریعت نے سدھائے ہوئے کتے کے علم کا اعتبار کیا ہے۔ (اس کا شکار کیا ہوا حلال ہے)

اسی طرح مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ مثنوی میں فرماتے ہیں

ترجمہ : کوئی چیز بھی اپنے آپ کچھ نہیں بن سکتی فرماتے ہیں کہ لوہا اپنے آپ تلوار نہیں بن جاتا اور حلوائی بغیر سیکھنے کے (باوجود سارا سامان موجود ہو) مٹھائی نہیں بنا سکتا۔ اسی طرح اپنے بارے میں فرماتے ہیں۔

؎ مولوی ہر گز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

حکایت : ایک چیونٹی کی حکایت نقل کی ہے کہ چیونٹی کے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ میں خانہ کعبہ میں پہنچوں۔ مگر خانہ کعبہ وہاں سے بہت دور تھا۔ اس چیونٹی نے اپنے دل میں خیال کیا کہ نہ تو میرے پر ہیں اور نہ طاقت و سرمایہ ہے، ایسی عظمت والی جگہ میں جو اللہ تعالیٰ کی خاص تجلیات اور انعامات کے وارد ہونے کی جگہ ہے میں کس طرح پہنچ سکوں گی۔ اسی خیال میں تھی کہ اچانک ایک جگہ جہاں کوئی غلہ گاہا گیا تھا کبوتروں کا ایک غول دانے چگنے میں مشغول ہو گیا۔ جب چگنے سے فارغ ہوا تو ایک کبوتر نے کہا کہ اب جو کچھ چگنا ہے جلدی چگ لو کیونکہ خانہ کعبہ پہنچ کر اپنے بچوں کی خبر لینی ہے خانہ کعبہ بہت دور ہے اور وقت بہت

تھوڑا ہے اگر بہت ہی تیز اڑیں گے تو کہیں جا کر پہنچیں گے چیونٹی بھی وہیں تھی اس نے موقع کو غنیمت جانا کہ اگر ان کا ساتھ حاصل ہو جائے تو میرا مطلب حل ہو جائے گا۔ پر ان کے رہے اور پنجہ میرا چنانچہ وہ جلدی سے جا کر اس کبوتر کے پاؤں میں چمٹ گئی اور کبوتر اُسے اپنے ساتھ اُڑا کے لے گیا جب کبوتر خانہ کعبہ میں پہنچے اور ایک نے دوسرے کو آواز دی کہ خانہ کعبہ کی زیارت اور طواف کر لو۔ چیونٹی سمجھ گئی کہ میری مُراد اللہ تعالیٰ نے پوری کی۔ اس نے فوراً پنجہ چھوڑ دیا یکا یک وہ دیکھتی ہے کہ خانہ کعبہ سامنے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مشاہدہ کر رہی ہے۔ الحمدللہ علی انعامہ واحسانہ۔ پس جس طرح اس چیونٹی نے کبوتر کے پنجے مضبوط پکڑ لیے اور اپنا مقصود حاصل کر لیا اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کا طالب اس راستہ کی منزل طے کیے ہوئے شہباز (مرشد) کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لے تو جہاں وہ پہنچے گا اس کو بھی اپنے ساتھ لے جائے گا لیکن اگر کمزوری سے پکڑا یا دامن چھوڑ دیا تو نیچے گر کر دوزخ کے گڑھے میں جا پہنچے گا۔

بیعت :

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ؕ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝" (سورۃ فتح آیت:۱۰)

ترجمہ: "یعنی جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔ پھر جو کوئی قول توڑے سو توڑتا ہے اپنی جان پر اور جو کوئی پورا کرے جس پر اقرار کیا اللہ سے وہ دے گا اس کو اجر بڑا"

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ عَلٰی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا ۝" (سورۃ ممتحن آیت:۱۲)

ترجمہ: "اے عالیشان پیغمبر ﷺ! جب ایماندار عورتیں آپ ﷺ کے ہاتھ اس شرط پر بیعت کرنے حاضر ہوں کہ وہ خدا کے ساتھ کسی ایک کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں"

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے "مرآۃ العاشقین" میں فرمایا: مشائخ طریقت سے بیعت کرنا نیکیوں کے حصول اور نجات کا ذریعہ ہے جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے۔

"وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝"

ترجمہ: "اور جس نے خدا کے ساتھ وہ بات ایفا کی جو خدا نے اس کے ذمہ کی ہو تو عنقریب خدا اسے بہت بڑا اجر دے گا۔"

جب مسلمانوں نے ایک درخت کے نیچے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ مبارک پر بیعت کی اور عہد کیا کہ ہم مرتے دم تک قریش کے ساتھ جنگ کریں گے اور میدان میں پیٹھ نہیں دکھائیں گے۔

اس بیعت کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

"لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمؤءِ مِنِیْنَ اِذْ یُبَا یِعُوْ نَکَ تَحْتَ الشَّجَرَ ۃً"

ترجمہ : یقیناً خدا ایمان والوں سے راضی ہوا، جبکہ درخت کے سائے میں بیٹھ کر انہوں نے آپ ﷺ سے بیعت کی۔

بیعت کے متعلق حدیث شریف میں وارد ہے:

"عَنْ عَبْدُاللّٰہِ بِن عُمرَ مَنْ مَاتَ وَ لَیْسَ فِیْ عُنُقِہِ بَیْعَۃٌ مَاتَ مِیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً وَ مَنْ خَلَعَ یَداً مِن طَاعَۃٍ لَقِیَ اللّٰہَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَ لَا حُجَّۃَ لَہٗ "

ترجمہ : عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص مر گیا اور اس کی گردن میں بیعت نہیں ہے تو وہ مر گیا جاہلیت کی موت اور جس نے اپنے ہاتھ اللہ کی طاعت سے اٹھائے وہ بروز قیامت اللہ سے ملیگا اور کوئی حجت اس کے پاس نہ ہوگی" (رواہ مسلم، مشکوٰۃ شریف ص ۳۲، مجتبائی ۱۲)

پس جو شخص بیعت مرشد کا منکر ہے وہ سنت ونصِ قطعی کا منکر ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی راہ میں وسیلہ ازبس ضرور ہے یہ سفر پُر خطر بغیر راہبر کامل کے طے نہیں ہوتا۔ کہ **"اَلرَّ فِیْقُ ثُمَّ الطَّرِیْقُ"**۔

مسلم، ابوداؤد اور نسائی میں حدیث قدسی ہے۔

ترجمہ: "حضرت عوف بن مالک اشجعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے نو آدمی تھے یا آٹھ یا سات۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ تم رسول اللہ ﷺ سے بیعت نہیں کرتے ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ کس امر پر آپ ﷺ کی بیعت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ان امور پر کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس میں کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو اور احکام سنو اور مانو" (تذکرۂ نور ص ۷۶)

حدیث شریف میں مذکور ہے کہ

"ایک دن آنحضرت ﷺ مجلس میں تشریف فرماتھے اور چند بڑے بڑے صحابی آپ ﷺ کے گرداگرد حلقہ بنائے بیٹھے تھے رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا"

"بایعو نی علیٰ ان لا تشرکوا باللہ شیئاً"

ترجمہ :"اس شرط پر میرے ساتھ بیعت کرو کہ تم خدا کے ساتھ کسی ایک کو بھی شریک نہیں ٹھہراؤ گے" (مرآۃ العاشقین ۲۲۰)

"فتاویٰ مہریہ "میں پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بیعت طریقت مروّجہ فی زمانہ سنت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تقویٰ اور اقامتِ دین پر بیعت فرمائی چنانچہ انصار کی مستورات سے نوحہ نہ کرنے پر اور فقراء مہاجرین سے اس پر کہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کریں ۔ بیعت مروجہ کثرتِ ذکر الٰہی اور زہد و تقویٰ کیلئے بھی ہے۔ (فتاویٰ مہریہ ص ۵۰)

تذکرۂ نور کے مصنف محمد ارشد پناہوی نقل کرتے ہیں کہ اعمال ظاہری و باطنی پر استقامت کے لئے بھی بیعت کرنا اور معاہدہ لینا سُنت ہے چنانچہ صوفیائے کرام میں آج تک یہی معمول چلا آرہا ہے اس کے علاوہ اس میں حکمت یہ بھی ہے کہ شیخ کی اس پر توجہ ہو جاتی ہے اور مرید میں فرماں برداری کا جذبہ بڑھتا ہے جانبین میں خصوصیت بڑھنے سے محبت کا اثر پڑتا ہے۔ (تذکرۂ نور ص ۷۶)

شاہ رفیع الدین مترجم القرآن نے بیعت پر ایک مختصر سا رسالہ "مقالاتِ احسانی" بزبان فارسی لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے بیعت کو پانچ اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ بیعت معیشت: بعض لوگ دنیاوی مقاصد حاصل کرنے کے لئے بزرگوں سے ربط وضبط پیدا کرتے ہیں بلکہ مرید ہو جاتے ہیں ان کا مقصد دنیاوی منفعت حاصل کرنا ہوتا ہے ۔ مثلاً نوکری مل جائے ، قرضہ اتر جائے ، مال و دولت میں ترقی ، اولاد نرینہ ہو جائے ، بیماری سے شفا ہو وغیرہ۔ یہ نام کی بیعت "بیعت معیشت" کہلائے گی اس قسم کی بیعت فضول ہے اللہ تعالیٰ ایسے پیروں اور ایسی پیری مریدی سے بچائے۔

۲۔ بیعت وسیلت: بعض مشہور طریقوں کے صوفیوں اور بزرگوں کو خدا تعالیٰ کی

طرف سے جو بشارتیں ملتی ہیں اور وعدوں سے سرفراز کیے جاتے ہیں ان بشارتوں کو سُن کر اس سلسلہ کے مشائخ سے ان گزرے ہوئے بزرگوں کا نائب اور نمائندہ سمجھ کرلوگ ان سے سعادت حاصل کرنے کے لئے بیعت کر لیتے ہیں اس کا نام "بیعت وسیلت" ہے۔

جس طرح حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہُ نے فرمایا ہے۔

"لَا یَمُوْتُ مُرِیْدِیْ اِلَّا عَلَی الْاِیمَانُ"

ترجمہ: "یعنی میرا مرید کبھی بغیر ایمان کے نہیں مرتا"۔

اسی طرح حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

طالب بیا طالب بیا طالب بیا!! تارسانم روز اول با خدا !!

ہر کہ طالبِ حق بود من حاضرم!! زابتدا تا انتہا یک دم برم!!

شاہ صاحب اس پیری مریدی کو مکمل طور پر بے فائدہ قرار نہیں دیتے جیسے "بیعت معیشت" تھی بلکہ بیعت وسلیت سے دنیا و آخرت میں مرید کو فائدہ پہنچتا ہے ایسا فائدہ جس کی توقع بغیر بیعت کئے نہیں کی جاسکتی، مرید کو وقتاً فوقتاً ان بزرگوں سے امداد ملتی ہے۔

۳۔ بیعت شریعت : عام مسلمان جس کی عمر غفلت اور نافرمانیوں میں کٹی ہو کبھی اپنے حال پر نادم ہوتا ہے اس وقت اس کا جی چاہتا ہے کہ پرہیز گاری اور فرمانبرداری میں اپنی زندگی کا باقی حصہ گزار دے۔ندامت و توبہ کے بعد کسی خاص عالم کا انتخاب کر کے اسی کے ہاتھ پر بیعت کرلے۔ مقصد یہ ہو کہ ان کی تربیت و نگرانی میں شریعت کے مطابق زندگی گزارنا آسان ہو جائے اسی کا نام "بیعت شریعت" ہے اس قسم کی بیعت کرنے والوں کو "آخرت میں جہنم کے عذاب سے چھٹکارا نصیب ہوگا۔ جنت میں داخل ہونگے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میسر آئے گی"

۴۔ بیعت طریقت : فرماتے ہیں "بلند ارادے اور ہمت والے لوگ اولیاء اللہ کی تعریفیں اور ان کی بزرگی کے قصے سنتے ہیں اور اس طبقہ کے عجیب وغریب حالات انکے گوش گزار ہوتے ہیں مثلاً سنتے ہیں کہ لوگوں کی مرادیں پوری ہوتی ہیں دلوں پر تصرف کرتے ہیں

اور قلوب ان کے مسخر ہوتے ہیں مردوں کے حال سے ان کو آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ آئندہ پیش آنے والے واقعات کا علم ان کو ہوتا ہے اور پاک روحوں سے انکی ملاقات ہوتی ہے۔ اس قسم کی باتیں سُننے سُنانے سے سُننے والوں کے دلوں میں ان باتوں کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ان کمالات کو حاصل کیا جائے چنانچہ اس کے لئے تلاش شروع ہو جاتی ہے۔

"وہ کسی ایسے شخص کا انتخاب کرتا ہے جو مذکورہ بالا کمالات سے سرفراز ہو اور خود اس قسم کے آثار کا ظہور اس شخص کی ذات سے ہو رہا ہو ان کو اپنا پیر یا شیخ بنا لیتا ہے۔ اس کی پیروی کرتا ہے اور جن نفسانی و جسمانی مجاہدات کا حکم شیخ کی طرف سے دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کر کے مرید بھی اس راہ کا ماہر ہو جاتا ہے اور اپنے نصب العین کے حصول میں کامیاب ہو جاتا ہے" وہ جو اس راہ میں کامل و مکمل ہو جاتا ہے اس کی ذات اللہ کے بندوں کے لئے فیض کا سرچشمہ اور لوگوں کی مشکلات کے حل کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اس بیعت کا نام "بیعت طریقت" ہے۔

۵۔ بیعت حقیقت : حق تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو روز اوّل ہی سے انتخاب کر لیتے ہیں اور ان کی روحوں میں اپنی ذات کی محبت و عشق کا غم رکھ دیتے ہیں کسی نہ کسی وجہ سے فطرت کا راز ان کے اندر چھپا رہتا ہے ان کی خواہش ہوتی ہے کہ کائنات کا جو پردہ ان کے اور خدا کے درمیان ہے اس کو درمیان سے ہٹا دیں اور حق کا دواما حضور ان کو حاصل ہو۔ وہ خدا کے سچے عاشق ہوتے ہیں وہ تہہ دل سے چاہتے ہیں کہ خدا ہی کے وجود کے ساتھ ان کی بقا وابستہ ہو جائے لیکن انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ہر شخص میں اس کی صلاحیت نہیں ہوتی کہ بغیر کسی کی مدد کے خود بخود پہنچ جائے۔ لہٰذا حق تعالیٰ اس راہ کے ارباب کمال میں سے کسی صاحب کمال کو ان لوگوں کی تربیت کے لئے مقرر فرما دیتے ہیں اس کا نام "بیعت حقیقت" ہے۔ (مقالات احسانی، بحوالہ تذکرۂ نور، بیعت اور اسکی اقسام ص ۷۶)

بیعتِ ثانی

"مکتوبات امام ربانی" میں حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کہ پیر وہ ہے جو مرید کو حق سبحانہ' تعالیٰ کی طرف راہنمائی کرے۔ یہ بات تعلیم طریقت میں زیادہ واضح ہے کیونکہ پیر تعلیمِ شریعت کا استاد بھی ہے اور طریقت کا رہنما بھی اور پیر حق تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے اگر کوئی طالب اپنی بھلائی دوسرے شیخ کے پاس دیکھے اور اپنے دل کو اس کی صحبت میں حق سبحانہ' تعالیٰ سے جمع پائے تو جائز ہے کہ پیر کی زندگی میں پیر کی اجازت کے بغیر اس شیخ کے پاس چلا جائے اور اس سے بھلائی طلب کرے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ پہلے پیر سے انکار نہ کرے۔ اور اس کو نیکی سے یاد کرے۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہٗ نے اس بات کی تجویز کے لئے علمائے بخارا سے اس بات کا فتویٰ درست فرمایا تھا۔

آگے فرماتے ہیں کہ اگر ایک پیر سے خرقہ ارادت لیا ہو تو پھر دوسرے سے خرقہ ارادت نہ لے اور اگر لے تو تبرک کا خرقہ لے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا پیر ہرگز نہ پکڑے۔ بلکہ روا ہے کہ خرقہ ارادت ایک سے لے اور طریقت کی تعلیم دوسرے سے اور صحبت تیسرے کے ساتھ رکھے۔ اور اگر یہ تینوں دولتیں ایک ہی سے میسر ہو جائیں تو زہے قسمت ونعمت اور جائز ہے کہ مشائخ متعدد سے تعلیم وصحبت کا استفادہ کرے۔

فرماتے ہیں۔ کہ اس مرید پر افسوس ہے جو ایسے پیر پر جو اپنے آپ کی خبر نہیں رکھتا اور ایمان اور کفر میں کوئی تمیز نہیں کر سکتا۔ اعتماد کر کے بیٹھ جائے اور دوسرے پیر کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور خدا جل شانہ' کی راہ معلوم نہ کرے۔ جس جگہ بھی بھلائی اور جمعیت خاطر حاصل ہو بے تامل اسکی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اور شیطانی وساوس سے پناہ مانگنی چاہیے۔

"تذکرہَ نور" کے مصنف فقیر محمد ارشد پناہوی لکھتے ہیں کہ طالب (مرید) چند وجوہات کی بنا پر ایک شیخ کو چھوڑ کر کسی دوسرے شیخ سے بیعت کر سکتا ہے۔

(i) اگر غلطی سے کسی ایسے پیر سے بیعت کر لی جو شرع کا پابند نہیں یا یہ معلوم ہو گیا۔ کہ پیر

جاہل ہے اسے تو تصوف سے کوئی آ گاہی نہیں محض بناوٹ تھی۔ تو پھر ساری عمر اس سے نباہتا رہے غلطی ہے کیونکہ جو خود واصل نہیں وہ دوسرے کو کیسے واصل کرے گا۔ ایسے پیر سے بیعت توڑ لینا لازم ہے۔

(ii) اگر کوئی شخص کسی متشرع نیک شیخ کی خدمت میں خوش اعتقادی کے ساتھ ایک مدت تک رہے مگر اس کی صحبت میں تاثیر نہ پائے تو اسے چاہیے کہ دوسری جگہ اپنا مقصود تلاش کرے۔ کیونکہ مقصود خدا تعالیٰ کی ذات ہے نہ کہ شیخ لیکن شیخ اوّل سے بد اعتقاد نہ ہو۔ ممکن ہے کہ وہ کامل و مکمل ہو مگر اس کا حصہ وہاں نہ تھا۔

(iii) اگر شیخ کا انتقال قبل از حصول مقصد ہو جائے یا وہ اتنی دور چلا جائے کہ ملاقات کی امید نہ ہو تو مرید دوسری جگہ تلاش کرے۔ اور یہ خیال نہ کرے کہ قبر سے فیض لینا کافی ہے اور دوسرے شیخ کی ضرورت نہیں۔ قبر سے فیض تعلیم نہیں ہو سکتا۔ البتہ صاحبِ نسبت کو احوال کی ترقی ہو سکتی ہے۔ اس میں بھی یہ شرط ہے کہ اسے جہاں سے بھی فیض ملے اس کو اپنے پیر ہی کا فیض سمجھے اور اپنے سابقہ پیر سے بد اعتقاد نہ ہو۔ کوشش یہ کرے کہ اپنے پیر ہی کے سلسلہ میں کسی سے بیعت کرے۔ ورنہ غیرتِ شیخ سے بعض اوقات رجعت کا خطرہ ہوتا ہے۔

بلاضرورت محض ہوس سے کئی کئی بیعت کرنا بہت بُرا ہے اس سے بیعت کی برکت جاتی رہتی ہے اور شیخ کے دل میں ناراضگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے نسبت کے منقطع ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور مرید ہر جائی مشہور ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے اسے کوئی شیخ بھی فیض نہیں دیتا۔

اپنے شیخ کے ماسوا کسی دوسرے شیخ کی خدمت میں دو شرط سے جا سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس کا مزاج اپنے شیخ کے خلاف نہ ہو۔ دوسرا یہ کہ اس سے تعلیم و تربیت میں سوال نہ کرے۔ ہر انسان اپنے شیخ کو سب سے افضل سمجھ کر ہی اس سے بیعت کرتا ہے قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"وَ فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۝"

یعنی " ہر علم والے پر ایک زیادہ علم والا ہے"

اس لیے اسطرح سمجھے کہ میری تلاش سے زندہ لوگوں میں اس سے زیادہ نفع پہنچانے والا شخص مجھ کو نہیں مل سکتا۔ چند بزرگانِ دین کے اسمائے گرامی جنہوں نے خود دو بارہ اور سہ بار بیعت کی۔

درّ المعارف ملفوظات شاہ غلام علی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ المعروف بہ فیض نقشبند میں لکھتے ہیں کہ حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے چار پیر تھے۔ جن میں سے ایک ان کے والد ماجد حضرت شیخ ابوصالح رحمتہ اللہ علیہ ہیں دوسرے شیخ ابوسعید مخزومی قدس سرّہٗ ہیں تیسرے حضرت حماد باس رحمتہ اللہ علیہ ہیں اور چوتھے حضرت شیخ ابووفا قدس سرہٗ ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ پہلے اپنے والدِ گرامی کے دستِ بیعت تھے جو سلسلہء چشتیہ کے بزرگ تھے بعد میں انہوں نے حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ کی سلسلہء نقشبندیہ میں بیعت کی۔

"فتاویٰ مہریہ ص ۵۰" میں پیر مہر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ صاحب لکھتے ہیں کہ

ایک شخص کئی اشخاص سے بیعت تبرک وفیض حاصل کرسکتا ہے اور جائز ہے بشرطیکہ شیخ اوّل کی تحقیر وتوہین نہ کرے ورنہ رجعت ہوگی البتہ وہ شخص مستثنیٰ ہے جس کو عشقِ شیخ کا جذبہ عشقیہ اور رابطہء کمال دوسری طرف نہ جانے دے۔

پیر مہر علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی سلسلہ عالیہ قادریہ میں بڑے پیر صاحب سے بیعت تھی اور علم سے فراغت پاکر انہیں سے خلافت پائی یہ آپ کے جدِ امجد کے عمّ زاد بھائی اور آپکے والد ماجد کے ماموں تھے۔ انہوں نے آپ رحمتہ اللہ علیہ کی وسعتِ ظرف کے پیشِ نظر اجازت دے رکھی تھی کہ جہاں سے فیض ملے حاصل کرلینا۔ چنانچہ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے سیال شریف جاکر خواجہ شمس الدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ سے سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت کی علاوہ ازیں ۱۳۰۷ھ میں سفر عرب کے دوران حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ رحمتہ اللہ علیہ کو سلسلہ چشتیہ صابریہ میں شامل کیا تھا۔

(تذکرہ اولیائے چشت از سلطان احمد فاروقی سیالویؒ، ص ۲۶۶)

خواجہ اللہ بخش صاحب رحمتہ اللہ علیہ للہ شریف پہلے حضرت غلام علی شاہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت تھے بعد میں انہوں نے خواجہ سلیمان تونسوی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

(تذکرہ شاہ سلیمان تونسویؒ)

حضرت پیر سید محمد حسین شاہ رحمتہ اللہ علیہ علی پوری صاجزادہ پیر جماعت علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ پہلے خواجہ فقیر محمد چوراہی کے بیعت ہوئے وہاں سے خلافت حاصل کی بعد میں پیر جماعت علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ نے انہیں پھر بیعت فرمایا اور دستارِ خلافت عطا فرمائی۔ (تذکرہ شاہ جماعت)

"احکام شریعت میں حضرت مولانا امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اگر پیر و مرشد انتقال فرما جائیں تو دوسری بیعت کرنا جائز بلکہ واجب ہے۔ مولانا سردار احمد صاحب محدث اعظم رحمتہ اللہ علیہ پہلے چشتی تھے بعد میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے بیٹے سے بھی خلافت حاصل کی۔

حضرت کرمانوالہ شریف کے بزرگ محمد اسماعیل شاہ بخاری پہلے سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت تھے۔ بعد میں حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت کی۔ یہ چند نام بطورِ تمثیل پیش کیے گئے ہیں ایسے سینکڑوں مشائخ عظام ہیں جنہوں نے ایک سے زیادہ دفعہ بیعت کی اور فیض حاصل کیا۔

مرشد کامل کی پہچان

مرشد کامل میں جو چند خصوصیات بہت نمایاں ہونی چاہیں۔ وہ حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ مرشد کامل توحید کا علمبر دار اور متوکل ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ "وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ہ"

ترجمہ: "یعنی مومن لوگ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں"

حدیث قدسی ہے۔ "التوحید و التوکل تؤ امان"

ترجمہ: "یعنی توحید اور توکل جوڑے ہیں"

۲۔ مرشد کامل نہایت خلیق ، متواضع ، صادق ،عادل ، صاحب علم و حیا اور سخی ہو گا۔

عملیات سلطانی میں سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ فقیر کی ایک عظیم صفت خلق عظیم ہے۔

پیر کامل میں صدق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا، عدل فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا، حیا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی اور سخاوت حضرت علی شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہوگی۔

۳۔ مرشد کامل عالمِ دین ہو گا۔

اگر کسی کو کسی وجہ سے ظاہری علوم حاصل کرنے کا اتفاق نہ بھی ہوا ہو تو علم لدنی اور فتوحات علم باطنی سے اس پر تمام ظاہری علوم منکشف ہو گئے ہوں۔

حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "من و محمد عربی ﷺ ہر دو امّی بودہ ایم" یعنی میں اور حضور سرور کائنات ﷺ دونوں امّی ہوئے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

اگر نیست مارا علم ظاہر — زعلم باطنی جاں گشتہ طاہر

ترجمہ : اگر چہ اس فقیر کو علم ظاہری حاصل کرنے کا چنداں موقع نہیں ملا لیکن بذریعہ واردات غیبی اور فتوحات لاریبی ہم پر اس قدر علوم کھلے ہیں کہ ان کے اظہار کے لیے بے شمار دفتر چاہییں۔ (تذکرہ نور ص ۹۱)

مفتاح العاشقین میں حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اے درویش! راہ سلوک میں پیر اسے کہتے ہیں جسے مرید کے باطن پر تصرف حاصل ہو۔ اور ہر لحظہ اور ہر گھڑی مرید کی ظاہری اور باطنی مشکلات کو معلوم کر کے حل کر سکے۔ اور اس کے آئینہ باطن کو صاف کر سکے۔ اگر یہ کام کرنے کی قابلیت اس میں ہے تو پھر وہ پیر طریقت کہلانے کا مستحق ہے ورنہ ہیچ ہے"

(مفتاح العاشقین، پیر و مرید کے بیان میں ص ۳)

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ولی در قرآن شریف متقی را گویند و در حدیث شریف علامتِ اولیاء اللہ فرمودہ کہ از صحبت او خدا یاد آید یعنی محبت دنیا در صحبت او کم شود و محبت حق زیادہ گردد۔

ولی قرآن شریف میں متقی کو کہتے ہیں اور حدیث شریف میں اولیاء اللہ کی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ اس کی صحبت سے خدا یاد آئے اور اس کی صحبت سے دنیا کی محبت کم ہو اور اللہ کی محبت زیادہ ہو۔ (تعلیم غوثیہ ۱۱۷)

"فتاویٰ مہریہ" میں مہر علی شاہ گولڑوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بیعت کرنے کے قابل وہ شخص ہوتا ہے کہ ضروری علم دین کے علاوہ اوصاف ذیل بھی رکھتا ہو:

متقی، کبائر سے مجتنب، صغائر پر غیر مُصر، زاہد، عابد، اشغال واذکار پر مداومت کرنے والا، امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر کاربند، ذوفہم، مستقل رائے، شیخ کی صحبت سے فیض یافتہ۔

۴۔ مرشد کامل جاہل نہیں ہو سکتا:

چونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

"طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَةٍ"

مرشد کامل کو شریعت کا بقدر ضرورت علوم سے واقف ہونا ضروری ہے خواہ کہیں سے تعلیم حاصل کر کے یا صحبت علماء سے یا صحبت اولیاء سے فیض یاب ہوا ہو۔ تا کہ اپنے عقائد و اعمال کو بھی صحیح رکھ سکے اور اپنے طالبین کے عقائد کو بھی محفوظ رکھ سکے۔

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ "جاہل پیر مسخرِ شیطان ہوتا ہے"

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے قرآن و حدیث کے علم کو پیر و مرشد کے لیے لازمی قرار دیا ہے (قول الجمیل صہ ۱۴)

حضرت سلطان باہو قدس سرہٗ العزیز "تیغ برہنہ" کے صفحہ ۲۶ پر فرماتے ہیں۔

؎ مرشد جاہل بود شیطان مثال	اہل شیطان را نباشد حق وصال
مرشد جاہل بود اہلِ از خبیث!	بے خبر از نصِ قرآن و حدیث
مرشد جاہل بود شیطان مرید!	مرشد عالم مثالِ بایزید !

صادق مرید: مفتاح العاشقین میں خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صادق مرید اسے کہتے ہیں جسے جو کچھ پیر حکم کرے بجالائے اور جو کچھ اسے دکھائے وہی دیکھے۔ اور ہر وقت پیر کی روحانیت کو حاضر و ناظر سمجھے۔

جو کچھ اس کے دل میں نیک یا بد خیالات گزریں ان کا اظہار اپنے پیر سے کرے۔ تا کہ پیر اس کی تربیت کر سکے۔

اگر مرید کے دل میں ذرہ بھر بھی خیال پیر کے برخلاف ہو تو وہ صادق مرید نہیں کہلا سکتا۔

"مونس العاشقین" میں لکھا ہے کہ مرید دو طرح کے ہوتے ہیں ایک رسمی مرید دوسرے حقیقی مرید۔ رسمی مرید وہ ہے کہ پیر اسے تلقین کرے کہ دیکھی ہوئی چیزوں کو نا دیکھی

ہوئی اور سُنی ہوئی چیزوں کو نا سُنی ہوئی سمجھنا اور سنت و جماعت کا پابند رہنا۔ اور حقیقی مرید وہ ہے جسے پیر تلقین میں فرمائے کہ تو سفر و حضر میں میرے ہمراہ رہنا یا میں تیرے ہمراہ رہونگا۔

بعد ازاں فرمایا خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے کہ حقیقی مرید کی اور شرط یہ ہے کہ تین غسل ہر وقت کرتا رہے۔ تاکہ حقیقی مرید کہلانے کا مستحق ہو سکے۔ اوّل شریعت کا غسل، دوسرا طریقت کا غسل اور تیسرا حقیقت کا غسل شریعت کا غسل یہ کہ اپنے بدن کو جنابت وغیرہ سے پاک کرے، طریقت کا غسل یہ ہے کہ تجرد اختیار کرے اور حقیقت کا غسل یہ ہے کہ باطنی توبہ کرے۔ بعد ازاں فرمایا کہ حقیقی مرید وہ ہے کہ جو کچھ پیر فرمائے اس پر فوراً یقین کرے اور کسی قسم کا شک دل میں نہ لائے۔ کیونکہ پیر مرید کے لئے بمنزلہ مشاطہ ہے۔ جو کچھ وہ کہتا ہے۔ مرید کی کمالیت کے لئے کہتا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ تفسیر مظہری میں تحریر فرماتے ہیں کہ مرید دو طرح کے ہوتے ہیں

نمبر۱: **مرید محقق یا تحقیقی**

نمبر۲: **مرید تقلیدی**

مرید محقق یا تحقیقی خود تلاش اور تحقیق کے بعد پیر سے بیعت کرتا ہے اور اپنا سب کچھ پیر کو سمجھتا ہے ہر لحاظ سے اپنے پیر و مرشد سے مطمئن ہوتا ہے اور اپنے شیخ سے کامل عقیدت اور محبت رکھتا ہے۔ ایسا مرید زیادہ کسب فیض کرتا ہے اس کی مثال تفسیر مظہری میں یوں ہے کہ فرعون کی بیوی حضرت آسیہ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو صندوق میں دیکھا تو اس کو یقین ہو گیا۔ کہ یہ معمولی بچہ نہیں اور اس کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی محبت جاگزین ہو گئی۔ پھر ہمیشہ حضرت آسیہ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا بہت زیادہ خیال رکھا۔ بلکہ موسیٰ علیہ السّلام کی وجہ سے آسیہ کو سزائیں دی گئیں۔ اور تکلیفیں پہنچائی گئیں لیکن اس کے دل سے موسیٰ علیہ السّلام کی محبت کم نہ ہوئی۔ ایسے مرید کو تحقیقی مرید کہیں گے جو ہر مشکل میں

اور ہر حال میں اپنے پیر ومرشد کا مطیع اور ادب کرنے والا ہو۔ وہ کسب فیض کرتا ہے۔

تقلیدی مرید وہ ہوتا ہے جو دوسروں کے کہنے پر یا دیکھا دیکھی بیعت تو کرتا ہے لیکن اس کے دل میں شیخ کی محبت نہیں ہوتی۔ اور مشکل وقت میں یا آزمائش کے وقت چھوڑ جاتا ہے منہ موڑ لیتا ہے اسے فائدہ بہت کم ہوتا ہے۔ جیسے فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی بیوی کی وجہ سے گود میں تو بٹھاتا تھا۔ لیکن اسے موسیٰ علیہ السلام سے محبت نہ تھی۔

مرآۃ العاشقین میں خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

طالب صادق کو چاہیے کہ کسی دوسرے بزرگ کے پاس جائے تو اپنے شیخ کا تصور کر کے جائے اور جو کچھ اسے دوسرے بزرگ سے حاصل ہو سمجھے کہ میرے شیخ کی عظمت اور برکت کیوجہ سے ہے اور اگر حاصل کچھ نہ ہو تو اس بزرگ کے متعلق بدگماں بھی نہ ہونا چاہیے کیونکہ اکثر لوگ بزرگوں کے پاس آتے ہیں اور فیض یاب ہوتے ہیں۔ لیکن بعض محروم بھی رہتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ

مرید رشید اور طالب سعید راہ سلوک میں ہر لمحہ پیر کے خوارق و کرامات کو معلوم کرتا رہتا ہے۔ اور معاملہ غیبی میں ہر وقت اس سے مدد مانگتا اور پاتا ہے۔ اور پیر مرید کے مردہ قلب اور روح کو زندہ کرتا ہے اور اسے مکاشفہ اور مشاہدہ تک پہنچاتا ہے۔

آداب شیخ

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ مکتوبات شریف میں آداب شیخ کے بارے میں اس طرح رقمطراز ہیں:

کہ مرید اپنے آپ کو مکمل طور پر اپنے مرشد کے سپرد کر دے اور اپنی نیکی کو اس کی رضا مندی کے کاموں میں جانے اور اپنی بدبختی کو اس کی ناراضگی میں خیال کرے۔ مختصر یہ کہ اپنی ہر خواہش کو اس کی رضا کے تابع کر دے۔

حدیث نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات وتسلیمات اتمہا واکملہا میں وارد ہے۔

"لَنْ یُوءْ مِنَ اَحَدُ کُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعاً لِمَا جِئْتُ بِہٖ ٥"

ترجمہ: "تم میں سے اس وقت تک کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا، جب تک اپنی خواہشِ نفس کو اس چیز کے تابع نہ کر دے جسے میں لے کر آیا ہوں"۔

یہ بات مرید کے ذہن میں رہنی چاہیے کہ آداب صحبت اور شرائط کا لحاظ بھی اس راہ کی ضروریات سے ہے تاکہ فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے کا راستہ کھلے۔ اس کے بغیر صحبت کا کوئی نتیجہ نہیں اور نہ مجلس کا کوئی فائدہ ہے بعض آداب اور ضروری شرائط بیان کی جاتی ہیں گوشِ ہوش سے سنیے۔

اے عزیز! تو جان کہ طالب کو چاہیے کہ اپنے دل کے چہرے کو تمام اطراف سے موڑ کر اپنے پیر کی طرف متوجہ کرے۔ اور پیر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نوافل اور اذکار میں مشغول نہ ہو اور اس کے غیر کی طرف التفات نہ کرے۔ اور اپنے آپ کو کلیتہً اس کی طرف متوجہ کر کے بیٹھے یہاں تک کہ اس کے حکم کے بغیر ذکر میں بھی مشغول نہ ہو اور فرض وسنت نماز کے علاوہ کوئی نماز اس کی مجلس میں ادا نہ کرے۔

ایک بادشاہ کے متعلق منقول ہے کہ اس کا وزیر اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اتفاقاً اس دوران وزیر کی توجہ اپنے کپڑوں کی طرف ہو گئی اور اس نے اپنے کپڑے کے کسی بند کو اپنے

ہاتھ سے درست کیا۔ اس دوران بادشاہ کی نظر اس پر پڑی دیکھا کہ وزیر اس کی طرف متوجہ نہیں تو ڈانٹ کر کہا کہ میں اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا کہ تو میرا وزیر ہو کر میرے سامنے اپنے بند کی طرف توجہ کرے۔

غور کرنا چاہیے کہ جب کمینی دنیا کے وسائل کے لئے باریک آداب درکار ہیں تو جو چیزیں (مرشد) خدا تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں ان کے آداب کی رعایت تو بہت کامل طریقہ پر کرنی لازم ہوگی۔ اور جہاں تک ممکن ہو ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ پیر کے کپڑوں پر یا پیر کے سائے پر پڑتا ہو۔ اور پیر کی جانماز پر پاؤں نہ رکھے۔ اور اس کے وضو خانہ میں وضو نہ کرے۔ اور اس کے خاص برتنوں کو اپنے استعمال میں نہ لائے۔ اور اس کے سامنے پانی نہ پیئے۔ اور نہ کھانا کھائے اور نہ کسی سے بات کرے۔ بلکہ کسی کی طرف بھی متوجہ نہ ہو اور پیر کی عدم موجودگی میں اس طرف پاؤں نہ کرے۔ جس طرف پیر ہو اور نہ اس طرف تھوکے اور جو کچھ پیر سے صادر ہوا سے درست جانے اگرچہ بظاہر درست نظر نہ آئے۔ کیونکہ پیر جو کچھ کرتا ہے الہام اور اذن سے کرتا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔

اور اگر اس کی بعض الہامی صورتوں میں خطا بھی واقع ہو جائے تو خطا الہامی خطا اجتہادی کی طرح ہے کہ اس پر ملامت یا اعتراض جائز نہیں۔ نیز چونکہ اس مرید کو اپنے پیر کے ساتھ محبت پیدا ہو چکی ہے اس لیے محبوب سے جو کچھ صادر ہو محب کو اچھا ہی نظر آتا ہے۔ لہٰذا اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور تمام کلی و جزوی امور میں اپنے پیر کی اقتداء کرے کیا کھانے میں کیا پینے میں اور کیا سونے اور ہر نیک کام میں نماز کو اپنے پیر کی طرح ادا کرنا چاہیے۔ اور فقہ کو اس کے عمل سے اخذ کرنا چاہیے۔

؎ آں را کہ درسرائے نگاریست فارغ است

از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

اور پیر کی حرکات و سکنات میں اعتراض کو قطعاً گنجائش نہ دے چاہے رائی کے برابر

اعتراض ہو کیونکہ اعتراض کا نتیجہ محرومی کے سوا کچھ نہیں۔ اور تمام مخلوق میں سب سے زیادہ بے سعادت وہ شخص ہے جو اس گروہ اولیاء اللہ میں عیب نکالے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بلائے عظیم سے نجات دے۔

اور اپنے پیر سے خوارق و کرامات کا مطالبہ نہ کرے اگرچہ یہ طلب دل میں وسوسے اور خطرے کی شکل میں ہو۔ تم نے کبھی سنا ہے کہ کسی مومن نے اپنے نبی ﷺ سے معجزہ طلب کیا ہو۔ معجزے طلب کرنیوالے کفار اور منکر لوگ ہیں۔

معجزات از بہر قہر دشمن است — بوئے جنسیت پئے دل برون است

موجب ایمان نباشد معجزات — بوئے جنسیت کند جذب صفات

اگر دل میں کسی کا شبہ بھی آجائے تو بلا توقف پیر کی خدمت میں عرض کرے۔ اگر حل نہ ہو تو اپنی کوتاہی تصور کرے۔ پیر پر کوئی عیب نہ لگائے۔ اور جو بھی واقعہ ظاہر ہو پیر سے پوشیدہ نہ رکھے اور واقعات کی تعبیر اس سے دریافت کرے۔ اور جو تعبیر خود طالب پر منکشف ہو وہ بھی عرض کرے۔ اور درستی اور خطا کو اس سے تلاش کرے۔ اور اپنے کشفوں پر ہرگز اعتماد نہ کرے کیونکہ اس دنیا میں حق باطل کے ساتھ ملا ہوا ہے اور درستی خطا کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اور بے ضرورت اور بلا اجازت اس سے الگ نہ ہو کیونکہ اپنے لیے پیر کے غیر کو اختیار کرنا عقیدت کے منافی ہے اور اپنی آواز کو اُسکی آواز سے بلند نہ کرے۔ اور اونچی آواز سے اس کے ساتھ گفتگو بھی نہ کرے کہ بے ادبی ہے اور ظاہر و باطن میں فتوح اور کشائش حاصل ہو تو اپنے پیر کے توسط سے جانے اور واقعہ میں دیکھے کہ دوسرے مشائخ سے فیض پہنچا ہے اسے بھی پیر کی طرف سے جانے اور یہ اعتقاد رکھے کہ جب پیر کمالات و فیوض کا جامع ہے تو پیر کا خاص فیض مرید کی خاص استعداد کے مناسب شیوخ میں سے ایک شیخ کے مناسب کہ افاضہ کی صورت اس سے ظاہر ہوئی ہے۔ مرید تک پہنچا ہے اور پیر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ جو اس فیض سے مناسبت رکھتا ہے اس شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے مرید کی آزمائش

کے طور پر وہ لطیفہ دوسرا شیخ خیال کرلیا گیا ہے۔اور فیض کو اس کی طرف سے جانا ہے یہ عظیم مغالطہ ہے حق سبحانہ، لغزش قدم سے بچائے اور پیر کے ساتھ حسن اعتقاد اور اس کی محبت پر قائم رکھے بحرمتہ سیّد البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات۔

مختصر یہ کہ "طریقت سب ادب ہے" مثل مشہور ہے کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔اور اگر مرید بعض آداب کی رعایت میں اپنے آپ کو کوتاہ جانے اور ان کی مناسب ادائیگی تک نہ پہنچ سکے اور کوشش وسعی کے باوجود عہدہ برآنہ ہو سکے تو اس کے لئے معافی ہے لیکن اپنی اس کوتاہی کا اعتراف ضروری ہے اور اگر عیاذ باللہ سبحانہ، آداب کی رعایت نہ کرے اور اپنی کوتاہی کا اعتراف بھی نہ کرے تو ایسا مرید ان بزرگوں کی برکات سے محروم رہتا ہے۔

ہر کہ را روے بہ بہبود نہ بود　　دیدن روے نبی سود نہ بود

ہاں وہ مرید جو اپنے پیر کی توجہ کی برکت سے فنا و بقا کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے اور الہام اور فراست کا راستہ اس پر ظاہر ہو جاتا ہے اور پیر بھی اسے مسلّم رکھے اور اس کے کمال کی گواہی دے تو اس مرید کے لئے گنجائش ہے کہ بعض الہامی امور میں اپنے پیر سے خلاف کرے۔اور مقتضائے الہام پر عمل کرے اگرچہ اس کے پیر کے نزدیک اس کے خلاف ہی بات ثابت ہو چکی ہو۔کیونکہ ایسا مرید اس وقت حلقہ تقلید سے باہر نکل چکا ہے اب اس کے لئے تقلید کرنا خطا ہے۔تم نہیں دیکھتے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات نے امور اجتہادیہ اور احکام غیر منزلہ میں آنحضرت علیہ السلام سے اختلاف کیا ہے اور بعض اوقات میں صواب جانب اصحاب میں ظاہر ہوا ہے جیسا کہ ارباب علم پر مخفی نہیں۔

پس ثابت ہو گیا کہ مرتبہ کمال تک پہنچنے کے بعد مرید کا اپنے پیر سے اختلاف کرنا جائز ہے اور بے ادبی سے مبرا اور پاک ہے بلکہ یہاں اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنا ہی ادب ہے ورنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام علیہم الرضوان جو پورے آداب

سیکھ چکے تھے۔ حضور پاک ﷺ کی تقلید کے سوا کچھ نہ کرتے۔

(بحوالہ مکتوب نمبر ۲۹۲ صفحہ ۸۴۰ تا ۸۴۴ کتاب: اردو ترجمہ مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ۔ ناشر حفیظ بکڈ پو اردو بازار دہلی نمبر ۶)

اپنی مشہور زمانہ تصنیف " **غنیۃ الطالبین** " میں غوث الثقلین محبوب سبحانی قطب ربانی حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ شیخ طریقت کے ساتھ مرید کے آداب کے متعلق فرماتے ہیں کہ مرید پر واجب ہے کہ ظاہری عمل میں پیر (شیخ) کی مخالفت نہ کرے۔ اور نہ دل میں اس پر اعتراض کرے۔ ظاہر میں شیخ کی نافرمانی کرنے والا گستاخ و بے ادب ہے اور باطن میں اس پر معترض ہونے والا خود اپنی تباہی اور ہلاکت کا خواستگار ہے۔ مرید کو چاہیے کہ شیخ طریقت کی طرفداری میں اپنے نفس کو مصروف رکھے اور ظاہر و باطن میں شیخ کی مخالفت سے اپنے نفس کو باز رکھے۔ اور اس کی اس خواہش پر اس کو ملامت کرے اور اس آیت کی تلاوت کثرت سے کرے۔

"رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ؏"

ترجمہ: "اے اللہ ہم کو بخش دے، ہم سے پہلے جو مومن بھائی دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں ان کو بھی بخش دے، ہمارے دلوں کو مومنوں کی طرف سے نہ ہٹا اے پروردگار بیشک تو ہی مہربان اور رحمت کرنے والا ہے۔"

اگر پیر طریقت سے خلاف شرع کوئی عمل سرزد ہو تو اشارہ اور کنایہ میں اسکی وجہ دریافت کرے۔ صراحت کے ساتھ وجہ نہ پوچھے اس صورت میں شیخ کو اپنے مرید سے نفرت ہو جائے گی۔ اگر شیخ میں کوئی عیب نظر آئے تو اس کی پردہ پوشی کرے اور اس کی کوئی شرعی تاویل نکالے اور اس بارے میں اپنے نفس کو غلط فہم سمجھے یعنی یہ خیال کرے کہ میں نے شیخ کے بارے میں جو کچھ سمجھا ہے غلط سمجھا ہے اگر اس فعل کا کوئی شرعی عذر بن ہی نہ سکتا ہو تو شیخ کیلئے استغفار کرے اور اللہ سے دعا کرے کہ اللہ اس کو توفیق، علم، بیداری اور

تقویٰ عطا فرمائے۔ مرید کو چاہیے کہ پیر کے معصوم ہونے کا عقیدہ نہ رکھے۔ اس کے عیب کی کسی دوسرے کو خبر نہ کرے۔ جب مرید دوسری مرتبہ شیخ کی خدمت میں جائے تو یہ خیال لے کر جائے کہ شیخ کا پچھلا عیب زائل ہو چکا ہو گا۔ اور شیخ پچھلے درجہ سے ترقی کر کے دوسرے بلند مرتبہ تک پہنچ چکا ہو گا۔ اور شیخ سے جو گناہ سرزد ہو چکا ہے وہ کسی سہو کی بنا پر سرزد ہوا ہے اور وہ شیخ کے دونوں مرتبوں کے درمیان حدِ فاصل بن گیا تھا۔ جہاں ایک حالت کی انتہا اور دوسری حالت کی ابتداء ہوتی ہے۔ یعنی ولایت کے ایک درجہ سے دوسرے درجہ کی طرف انتقال ہوتا ہے۔ اور ایک ادنیٰ لباس کو اتار کر دوسرا اعلیٰ اور افضل لباس اور خلعت اس کو پہنایا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اولیاء اللہ کا قرب روزانہ بڑھتا ہے۔ شیخِ طریقت اگر ناراض ہو جائے یا چیں بہ جبیں ہو یا کسی قسم کی بے التفاتی اس سے ظاہر ہو تو مرید اس سے کنارہ کش نہ ہو بلکہ اپنی حالت کا جائزہ لے اور دیکھے کہ کہیں شیخ کے حق میں اس سے کوئی گستاخی اور بے ادبی تو سرزد نہیں ہو گئی ہے۔ یا حق کی ادائیگی میں اس سے کچھ کوتاہی تو نہیں ہوئی ہے۔ اگر حقوق اللہ میں کچھ قصور ہوا ہے تو پہلے اللہ تعالےٰ سے توبہ استغفار کرے اور دوبارہ اس کا اعادہ نہ کرنے کا عہد کرے پھر اپنے شیخ سے معذرت چاہے اس کے سامنے عجز وانکسار کا اظہار کرے۔ اور آئندہ شیخ کے حکم کے خلاف نہ کرنے کا عہد کرے اور شیخ کی نگاہ التفات کے حصول کی کوشش کرے۔ شیخ کے حکم کی ہمیشہ اطاعت کرے اور شیخ کو خدا تک پہنچنے کا وسیلہ اور ذریعہ، راستہ اور سبب سمجھے، اُس کو اِس مثال سے سمجھنا چاہیے۔ کہ

اگر کوئی بادشاہ کے حضور میں پہنچنا چاہے اور بادشاہ اس کو پہچانتا نہ ہو تو لامحالہ اس کو کسی درباری یا شاہی خدمت گار یا بادشاہ کے مقرب کا وسیلہ ڈھونڈنا ہو گا۔ تا کہ شاہی آداب اور حضوری کے طور طریقوں سے واقف ہو جائے۔ پیشی اور خطاب کے آداب معلوم ہو جائیں۔ اور اس کو آگاہی ہو جائے کہ کون کون سے تحفے اور میوے ایسے ہیں جو بادشاہ کے حضور میں پیش کرنیکے لائق ہیں اور وہ کون کونسی چیزیں ہیں جن کی افزائش بادشاہ کو پسند ہے

اس لیے سب سے پہلے اس کو اسی طریقہ کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس وسیلہ اور آگاہی کے بغیر داخل ہو جائے اور اس کو ذلّت وخواری کا منہ دیکھنا پڑے اور بادشاہ سے جو غرض ومطلب وابستہ تھا۔ وہ حاصل نہ ہو سکے۔ ہر نئے داخل ہونے والے پر ایک ہیبت اور دہشت طاری ہوتی ہے اس کو ایک ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جو آداب کی یاد دہانی کراتا رہے۔ اور ازراہ مہربانی اس کو اس کے مرتبہ کے لائق جگہ پر کھڑا کر دے یا بٹھادے یا اشارے سے اس کے مناسب حال مقام کو بتادے تا کہ وہ بدتہذیبی اور بے وقوفی کا نشانہ نہ بنے۔

(بحوالہ باب ۲۴ راہِ سلوک میں مبتدی کے واجبات صفحہ ۶۱۲ تا ۶۱۳ کتاب غنیتہ الطالبین کا اردو ترجمہ از حضرت شمس صدیقی بریلوی فاضل مشرقیات ناشر ارشد برادرس۔ سوئیوالان نئی دہلی نمبر ۲)

رسالہ قشیریہ میں شیخ کا ادب واحترام کے عنوان سے امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ اپنے شیخ ابو علی دقاق رحمتہ اللہ علیہ کا بیان نقل کرتے ہیں۔ کہ جب بھی وہ اپنے شیخ نصر آبادی کے پاس جاتے تو پہلے غسل کرتے پھر اُن کی مجلس میں جاتے مگر امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ اپنے شیخ سے بھی ایک قدم آگے بڑھے ہوئے تھے چنانچہ فرماتے ہیں کہ ابتدائی زمانہ میں جب بھی میں اپنے شیخ کی مجلس میں جاتا تو اس روز روزہ رکھتا پھر غسل کرتا تب ابو علی دقاق کی مجلس میں جاتا۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ مدرسہ کے دروازے تک پہنچ گیا مگر شرم وحیا کے مارے دروازے سے ہی لوٹ آتا اور اگر کبھی جرات کر کے اندر داخل ہو جاتا اور مدرسہ کے وسط تک پہنچ چکا ہوتا کہ تمام بدن میں سنسنی ہوتی۔ ایسی حالت میں اگر مجھے سوئی بھی چبھودی جاتی تو شاید میں اسے محسوس نہ کرتا۔

پھر جب مجلس میں بیٹھ جاتا تو مجھے خود کسی قسم کا سوال کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی ابھی بیٹھا ہی ہوتا کہ وہ از خود میرا واقعہ بیان کرنا شروع کر دیتے۔ یہ معاملہ میرے

ساتھ کئی بار ہوا۔ چنانچہ میں دل میں سوچا کرتا کہ اگر بالفرض اس وقت مخلوق کی طرف اللہ تعالیٰ کوئی رسول بھیج دے تو کیا میں اس سے بڑھ کر تعظیم کرسکوں گا؟ میرے تصور میں یہ بات نہ آتی کہ ایسا ممکن بھی ہوسکتا ہے اور باوجود اس کے کہ اتنا طویل عرصہ انکی خدمت میں جاتا رہا اور ان سے میرا تقرب بھی رہا مگر کیا مجال کہ کبھی ان پر کسی قسم کا اعتراض کرنے کا خیال دل میں آیا ہو۔ تا آنکہ ابو علی دنیا سے رخصت ہوگئے۔ ابو علی کی وفات کے بعد یہ (امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ) ابو عبدالرحمٰن سُلمی کی صحبت میں رہے تا آنکہ استاد خراسان شمار ہونے لگے۔

رسالہء قشیریہ میں مصنف نے مرید کے لئے حج کرنے سے پہلے معرفت الٰہی کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ کے عنوان سے نقل کیا ہے فرماتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ بیت اللہ کی زیارت سے پہلے اس گھر کے مالک کا جاننا ضروری ہے کیونکہ اگر گھر کے مالک کی معرفت نہ ہوتی تو اس گھر کی زیارت کرنا بھی فرض نہ ہوتا۔

ان لوگوں میں سے وہ نوجوان جو شیخ کے حکم کے بغیر حج کے لئے نکل جاتے ہیں وہ محض حظِ نفس کی وجہ سے ایسا کر بیٹھتے ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ رسمی طریقت پر چلتے ہیں اور ان کے اس سفر کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جس قدر ان کا سفر بڑھتا جائے گا۔ اسی قدر ان کے دل کی پریشانی بڑھتی جائے گی۔ اگر یہ لوگ اپنے حظوظِ نفسانیہ کو ترک کر کے ایک قدم بھی آگے بڑھاتے تو یہ ان کے لئے ایک ہزار سفر سے بھی زیادہ سودمند ہوتا۔

(بحوالہ رسالہ قشیریہ۔ ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، صفحہ نمبر ۲۰۰۶)

خواجہ شمس العارفین شمس الدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خواجہ سلیمان تونسوی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک مرید تونسہ شریف سے چھ کوس کے فاصلے پر رہتا تھا۔ اور ہمیشہ جمعہ کی نماز تونسہ شریف میں پڑھتا تھا۔ اور ہفتہ کی رات وہیں گزار کر جب اپنے گاؤں کو واپس جاتا تو الٹے پاؤں چلتا تھا۔ بندہ نے عرض کیا کہ شیخ کے حضور اور غیوب کے کیا آداب ہیں؟

فرمایا! "شیخ کے آداب حضور و غیوب میں اور حیاتی اور مماتی حالت میں یکساں ہیں"

(حوالہ مرآۃ العاشقین ملفوظات، خواجہ شیخ شمس الدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ صفحہ ۲۳۶)

کتابِ عوارف المعارف میں شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرید کو چاہیے کہ شیخ کی مجلس میں بالکل خاموش بیٹھے اور شیخ کے روبرو کوئی اچھی اور عمدہ بات بھی اس وقت تک نہ کہے جب تک شیخ سے اجازت طلب نہ کرے اور شیخ کی طرف سے اجازت نہ مل جائے۔

شیخ کے حضور میں مرید کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سمندر کے کنارے بیٹھا ہوا رزق کا منتظر ہو، وہ بھی شیخ کی آواز پر اسی طرح گوش بر آواز رہے اور کلام شیخ کے ذریعے اپنے روحانی رزق کا انتظار کرتا رہے اسطرح اسکی عقیدت اور طلب حق کا مقام مستحکم ہوتا ہے۔ اور مزید فضل الٰہی کا مستحق بنتا ہے۔ مگر جب وہ خود بات کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو یہ جذبہ اس کو مقام طلب سے پیچھے ہٹا دیتا ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں انانیت ہے اور یہ مرید کی ایک لغزش اور گناہ ہے۔

مرید اگر اپنی مبہم روحانی حالت کو واضح کرنے کیلئے شیخ سے کچھ دریافت کرنا چاہے تو کرسکتا ہے مگر طالب صادق کو اس سے احتراز کرنا چاہیے بلکہ اس کا اظہار بغیر زبان کے کسی اور صورت سے ہو جاتا ہے شیخ خود اس سے حقیقتِ حال کو معلوم کر لیتا ہے۔ شیخ اپنے مخلص مریدوں کے روبرو اپنے قلب کو خدا کی طرف متوجہ کرتا ہے اور ان کیلئے باران رحمت اور فضل وکرم کی دعا کرتا ہے۔ اس وقت شیخ کا دل اور اس کی زبان ان طالبان حق (مریدانِ مخلص) کے مکاشفات احوال میں مصروف ہوتی ہے۔ جو اس کے طالب فیض ہوتے ہیں۔

عمل اور ادب میں تناسب:

عوارف المعارف میں مرقوم ہے کہ حضرت شیخ سرّی سقطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"حُسنُ الُادَبِ تَرجَما نُ العَقل"

ترجمعہ: "حُسنِ ادب عقل کا ترجمان ہے"

حضرت ابوعبداللہ بن حنیف رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے شیخ رویم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا "اے فرزند اپنے عمل کو نمک اور ادب کو آٹا بناؤ (عمل اور ادب کا تناسب ایسا ہو جیسے آٹے میں نمک) بعض ارباب صدق کا کہنا ہے کہ "تصوف تمام تر ادب ہے اور ہر مقام کے لئے مخصوص ادب ہے اور ہر حال کے لئے ادب ہے۔ پس جو کوئی ادب کو اختیار کرتا ہے وہ مرد کامل کی منزل پر پہنچ جاتا ہے اور جو ادب سے محروم رہتا ہے وہ مقام قرب سے دور اور مقام قبولیت سے مردود ہو جاتا ہے۔

ایک شیخ طریقت کا مقولہ ہے اگر کوئی شخص واجب الادب ہستی کا احترام و ادب نہیں کرتا تو وہ ادب کی برکات سے محروم رہتا ہے کہتے ہیں کہ جو اپنے استاد سے کہتا ہے "نہیں "وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔

عوارف المعارف میں آدابِ شیخ سے متعلق منقول ہے جان لو کہ شیخ کے آداب کو مدنظر رکھنا مرید کیلئے بڑے آداب سے ایک ہے اس واسطے کہ آداب کی نگہبانی دلوں کی محبت کھینچنے والی ہے پس مرید شیخ کی صحبت میں مؤدب ہو کر رہے تو شیخ کے دل میں اس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر رحمت الٰہی کا منظورِ نظر ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی نظرِ رحمت اور نگہبانی اپنے دوستوں کے دلوں کی طرف دیکھتی ہے پس جب مرید شیخ کے دل میں جگہ پا گیا تو ہمیشہ برکتیں، رحمتیں اور بے بہا فیض اس پر نازل ہوتے رہتے ہیں اور مرید کو شیخ کا قبول کر لینا اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور تمام مشائخ کے قبول کرنے پر ظاہری دلیل ہو گئی۔ (بحوالہ عوارف المعارف باب ۵۱ صفحہ ۵۵۹)

شیخ کی تربیت کے حقوق کا بدلہ نیک آداب پر نگاہ رکھے بغیر نہیں ہو سکتا۔ پس علماء اور مشائخ کی عزت اور تعظیم کرنا بڑے حقوق میں سے ہے کیونکہ یہ روحانی والد کہلاتے ہیں ان کے آداب میں سستی کرنا محض تقصیر اور ان سے عاق ہونا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے۔

"لَیسَ مِنَّا مَنْ لَمْ یَبْجِلْ کَبِیرَ نَا وَ لَمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَ نَاوَ لَمْ یُعْرَفْ لِعَالِمِنَا حَقَّه "

ترجمہ: "وہ ہم میں سے نہیں جس نے بڑوں کو بزرگی نہ دی اور چھوٹوں پر رحم نہ کیا اور ہمارے علماء کا حق نہ پہچانا"

شیخ کے وہ حقوق جو قربِ الٰہی کا سبب ہیں اگر کوئی شخص ادا نہیں کرتا تو اس نے گویا اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا نہیں کیے۔

"من ضیع رب الادنیٰ لم یصل الیٰ الرب الاعلیٰ"

ترجمہ: "جو کوئی اپنے چھوٹے رب کو ضائع کرتا ہے وہ بڑے رب کی طرف نہیں پہنچتا"

(چھوٹے رب سے مراد پیر طریقت ہے جو ذریعۂ قرب ووصال حق سبحانہٗ تعالیٰ ہے)

انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں یہ سعادت ان کے صحابہ میں شامل ہو جانے میں تھی بعد والے زمانوں میں یہ سعادت مشائخ عظام کے زمرۂ مریدین میں شامل ہونے میں ہے۔ اس لیے کہ شیخ خلق کو خدا کی طرف بلاتا ہے گویا وہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا نائب ہے۔

"اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِهٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِهٖ "

ترجمہ: "پیر طریقت کا اپنے مریدوں میں ہونا ایسے ہی ہے جیسے نبی کا اپنی امت میں ہونا ہے"

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ تفسیر مظہری میں سورۃ الکھف سے حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور خضر علیہم السلام کے واقعہ کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہم السلام کے ساتھ سفر کے دوران ان کے افعال پر اعتراض کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ خضر علیہ السلام کا عمل شریعتِ موسویؑ کے خلاف تھا کیونکہ دونوں کا مسلک جدا جدا تھا۔

پس استفادہ کے لیے اتحادِ مسلک اور ترک اعتراض ضروری ہے موسیٰ علیہ السّلام کو

اسی لیے خضر علیہ السلام بھی سمجھ گئے کہ ان سے برداشت نہ ہو سکے گی یہ خاموش نہیں رہیں گے کیونکہ میری مصاحبت ان کو سود مند نہ ہوگی۔ اسی لیے صوفیاء کا قول ہے کہ اگر مرید کو یقین ہو کہ پیر عارف کامل ہے تو اس کے کسی فعل پر اعتراض نہ کرے خواہ اس کا فعل بظاہر شریعت کے خلاف ہو اور اگر اختلاف مسلک کی وجہ سے مرید اعتراض کیے بغیر نہیں رہ سکتا تو پیر کی صحبت ترک کر دے۔ (یعنی مرید پر اگر ظاہر شریعت کا غلبہ ہو اور خلاف شرع بات دیکھ کر وہ روکنے ٹوکنے سے باز نہ رہ سکتا ہو تو پیر کو کامل العرفان سمجھنے کے باوجود اس کو پیر کی صحبت سے ہٹ جانا چاہیے) اور مقام پر فرماتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ باوجود ولی کامل اور عارف ہونے کے کسی صغیرہ گناہ کا اس سے صدور ہو جائے اور وہ اس کے گناہ ہونے کا اقرار بھی کر رہا ہو عصمت تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے پھر بدگمانی اور نکتہ چینی کی کیا وجہ؟

مرید پر لازم ہے کہ اگر اُس کے شیخ سے کوئی اس قسم کی کوئی حرکت صادر ہو رہی ہے تو خود اس کا مرتکب نہ ہو لیکن شیخ کی تردید بھی نہ کرے اور اس کے عارف کامل ہونے میں شک نہ کرے۔ (بحوالہ تفسیر مظہری اردو ترجمہ مولانا سید عبدالدائم الجلالی جلد ۷ صفحہ ۲۴۲،۲۴۳)

کتاب اسرار الاولیاء میں حضرت بدرالدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ پیر کا حق مرید پر کس قدر ہے؟ فرمایا! مرید اگر ساری عمر پیر کے ہمراہ حج کی راہ میں پیر کو سر پر اٹھائے رکھے تو بھی پیر کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

(حوالہ اردو ترجمہ اسرار الاولیاء ملفوظات خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر فصل ۲۱ صفحہ ۱۳۶)

کتاب فوائد الفواد میں خواجہ امیر حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ آدابِ مجلس پیر کی خدمت میں حاضر ہونے اور آدابِ نشستن کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی تو خواجہ فرید الدین مسعود

گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا! کہ آداب اس بات کا نام ہے کہ جب مجلس میں آئیں تو جہاں جگہ خالی دیکھیں وہیں بیٹھ جائیں۔ یعنی جب پیر کی خدمت میں حاضر ہوں تو اوپر یا نیچے بیٹھنے کا خیال نہ کریں بلکہ جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائیں کیونکہ آنے والے کی جگہ وہی ہوتی ہے۔

بعد ازاں فرمایا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ایک مقام پر تشریف فرما تھے اور یار گرداگرد حلقہء باندھے بیٹھے تھے تین شخص آئے۔ ایک اس حلقے میں خالی جگہ دیکھ کر بیٹھ گیا دوسرے کو حلقہ میں جگہ نہ ملی وہ پیچھے بیٹھ گیا۔ تیسرا واپس چلا گیا۔ ایک گھڑی بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت جبرائیل علیہ السلام نے آکر مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص حلقہ میں بیٹھ گیا ہے اسے ہم نے اپنی پناہ میں لے لیا ہے اور جو پیچھے بیٹھ گیا ہے ہم اس سے شرمندہ ہیں قیامت کے دن ہم اسے رسوا نہیں کریں گے اور جو شخص چلا گیا ہے وہ ہماری رحمت سے دور ہو گیا ہے۔

بعد ازاں خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا! ادب اس کا نام ہے کہ جو شخص مجلس میں آئے جہاں پر خالی جگہ دیکھے وہیں بیٹھ جائے اگر مجلس میں خالی جگہ نہ پائے تو پیچھے ہٹ کر بیٹھ جائے لیکن درمیان میں نہ بیٹھنا چاہیے۔ کیونکہ جو درمیان بیٹھتا ہے وہ ملعون ہے۔

خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا! کہ میں نے شیخ الاسلام شیخ خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی زبانی سُنا ہے کہ ایک مرتبہ شیخ ابوالخیر ابو سعید رحمتہ اللہ علیہ سوار جا رہے تھے۔ ایک پیدل مرید آیا اور آکر شیخ صاحب کے گھٹنے پر بوسہ دیا۔ شیخ صاحب نے فرمایا! ذرا نیچے مرید نے پاؤں کو بوسہ دیا پھر فرمایا ذرا نیچے۔ مرید نے گھوڑے کے سموں کو بوسہ دیا پھر فرمایا! ذرا نیچے۔ مرید نے زمین پر بوسہ دیا پھر شیخ صاحب نے فرمایا کہ میں جو ہر بار تجھے کہتا تھا تو اس سے میری یہ مراد نہ تھی کہ تو مجھے چومے بلکہ تیرے درجے کی ترقی مراد تھی۔

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ ایک

رمضان شریف میں حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ بیمار تھے آپ روزہ نہیں رکھتے تھے کسی نے خربوزہ کاٹ کر حضرت شیخ کو پیش کیا۔ آپ تناول فرمانے لگے۔ اور ایک ٹکڑا میرے ہاتھ میں بھی دے دیا۔ میں دل میں کہنے لگا کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ مبارک سے ملا ہے کھا جاؤں دو ماہ کفارہ دے دونگا۔ آپ نے اپنے نورِ فراست سے میرے ارادے کو جان لیا۔ فرمایا! تم نہ کھاؤ مجھے تو شرعی رخصت ہے یہ تیرے اعتقاد کی آزمائش کیلئے کیا ہے۔ اور فرمایا! کہ ایک وقت گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے مولانا بدرالدین اسحاق کو بلایا۔ مولانا نماز میں تھے جواب دیا لبیک۔ اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ ایک وقت حضور رحمت دو عالم ﷺ کھانا تناول فرما رہے تھے آپ ﷺ نے اپنے ایک صحابی ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو آواز دی وہ نماز میں تھے اس وجہ سے نہ بولے۔

آپ ﷺ نے فرمایا! جب خدا اور رسول خدا ﷺ بلائے جلدی جواب دینا چاہیے۔ پھر اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکایت ہے کہ "آپ رضی اللہ عنہ نماز میں تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آواز دی وہ جلدی سے بولے اور جواب دیا" اس کے بعد سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا! کہ شیخ کا فرمان خدا اور رسول ﷺ کے فرمان کی شرح ہے۔

خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے شیخِ طریقت حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے ادب واحترام میں اپنی قبر سطحِ زمین سے تیس گز نیچے بنانے کی وصیت فرمائی کیونکہ خرقانِ شہر سطح کے لحاظ سے بسطام شہر سے تیس گز بلند تھا۔ اور ادب واحترام کے تقاضا سے وہ اپنی قبر اپنے شیخ کی قبر سے بلند نہیں بنوانا چاہتے تھے۔

حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب احکام شریعت میں لکھا ہے کہ مرید اپنے شیخ کی موجودگی میں نوافل نہ پڑھے اور ذکر واذکار سے پرہیز کرے اور شیخ کے چہرہِ انور کو دیکھتا رہے اسی سے انوارِ الٰہی کی بارش سے مرید کو فیض حاصل ہوگا۔

محبتِ شیخ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اپنے رسالہ مبدا و معاد میں فرماتے ہیں کہ پیر کے ساتھ اعتقاد رکھنا مرید کیلیئے واجب بلکہ فرض ہے مرید کو اپنے پیر کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ سب سے زیادہ افضل اور سب سے زیادہ با کمال ہے محبت کے ثمرات اور مناسبت کے نتائج میں سے ہے۔ جو کہ فیض لینے اور فیض دینے کا موجب ہے لیکن چاہیے کہ پیر کو اس جماعت پر فضیلت نہ دے کہ جنکی فضیلت شریعت میں مقررّ ہے ۔کیونکہ محبت میں زیادتی خرابی کا باعث اور مذموم ہے۔ جیسا کہ شیعوں کو محبت اہل بیت کی افراط سے ابدی ذلت نصیب ہوئی اور نصاریٰ کہ جنہوں نے افراط محبت کیوجہ سے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کا بیٹا کہا ابدی خسارہ میں رہے۔ لیکن ان لوگوں کے علاوہ جس کسی پر بھی محبت کی وجہ سے اپنے پیر طریقت کو فضیلت دے جائز ہے۔ بلکہ طریقت میں واجب ہے۔ اور یہ فضیلت دینا مرید کے اپنے اختیار سے بھی نہیں بلکہ سعادت مند مرید کے اندر بے اختیار یہ اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اُسکے وسیلہ سے پیر کے کمالات حاصل کرتا ہے اور اگر یہ فضیلت دینا اس کے اپنے اختیار سے ہو اور تکلف کے ساتھ پیدا کرے تو جائز نہیں اور نہ اس اعتقاد سے کوئی نتیجہ نکلے گا۔

طریق صوفیاء میں بہت بڑا حصّہ اس شخص کے لئے ہے جس کی فطرت یعنی طبیعت میں تقلید اور جبلت یعنی پیدائش میں اتباع کا مادہ زیادہ ہے۔ اس جگہ مدار کار تقلید ہی پر ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اتباع و تقلید درجاتِ علیا پر پہنچاتی اور اولیاء اللہ کی اتباع و تقلید مدارج عظمےٰ پر لے جاتی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہُ نے جو کہ فطری طور پر مادہَ تقلید زیادہ رکھتے تھے بلا توقف تصدیق نبوت کی سعادت حاصل کرنے میں جلدی فرمائی اور صدیقوں کے رئیس بن گئے۔ اور ابو جہل ملعون چونکہ اتباع و تقلید کی استعداد نہیں رکھتا تھا۔ اس سعادت سے مشرف نہ ہوا اور ملعونوں کا سردار

ہو گیا۔ مرید جس مقصد کو بھی حاصل کرتا ہے۔ اپنے پیر کی تقلید کے ذریعے سے حاصل کرتا ہے۔ پیر کی خطا مرید کے صواب سے بہتر ہے اسی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدالمرسلین ﷺ کے سہو کی آرزو کر کے فرماتے ہیں:

"یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ سَهْوَ مُحَمَّدٍ "

ترجمہ : کیا ہی اچھا ہوتا جو رسول اللہ ﷺ کی بھول مجھ کو عطا ہو جاتی اور حضرت رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ عزّ وجل کے نزدیک بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کا "اسھد" "اَشْهَدُ" ہی ہے۔

پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی خطا دوسروں کے صواب سے بہتر ہوگی۔ فرماتے ہیں کہ بعض دعائیں جو بزرگوں سے منقول ہیں اور اتفاق سے ان بزرگوں نے بعض دعاؤں میں خطا کی اور بگاڑ کر پڑھا اگر ان دعاؤں کو اسی بگاڑ کے ساتھ پڑھتے ہیں تب تو وہ دعائیں تاثیر بخشتی ہیں اور اگر درست کر کے پڑھتے ہیں تو تاثیر سے خالی پاتے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے محبت اور اللہ کے عارفوں کے مقامات کا فیض ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طالب مولا (مرید) کیلئے اس راستہ میں پیر کا سچا اعتقاد بہت ضروری ہے۔ مرید جس قدر اعتقاد پیر کی نسبت رکھے گا۔ اسی قدر پیر کی محبت زیادہ بڑھے گی۔ اور محبت جس قدر زیادہ ہوگی طالب اسی قدر جلدی اور آسانی کے ساتھ پیر کے کمالات ذاتیہ کو خود بخود جذب کرتے کرتے بہت جلدی مقامات طے کر کے نہایت النہایت تک پہنچ کر وصل و دیدار اور مشاہدۂ جمال الٰہی سے مشرف ہو جائیگا۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں ہم تین شخص تھے۔ جنکو تمام برادران طریقت میں سے حضرت خواجہ صاحب قدس سرہٗ کے دربار میں خاص امتیاز حاصل تھا۔ میرا تو عقیدہ یہ تھا۔ کہ حضرت خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس بعینہٖ

حضرت فخر دو عالم محمد رسول اللہ ﷺ کی مجلس ہے اور جو حضور و جمیعت اور جذب و شوق حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سید المرسلین علیہ ﷺ کی صحبت مبارک میں میّسر تھا بالکل وہی بات آج حضرت خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت اقدس میں حاصل ہے۔ اور ان دو برادرانِ طریقت کی نسبت خود حضرت خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ فلاں ہم کو صاحبِ کمال سمجھتا ہے صاحب تکمیل نہیں سمجھتا اور دوسرا ہماری نسبت خیال رکھتا ہے کہ ہم صاحبِ کمال و تکمیل تو ہیں صاحبِ ارشاد نہیں شاید ان کے نزدیک مرتبہ ارشاد کمال و تکمیل کے علاوہ کوئی اور ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ ہمارے عقیدوں کے موافق معاملہ فرمایا کہ مجھے تو میرے عقیدہ کے موافق ملا۔ اور میرے ان پیر بھائیوں کو ان کے عقیدے کے موافق۔ اور وہ دونوں بڑے ہی خسارہ میں رہے۔

چونکہ طریقہ نقشبندیہ میں تمام تر دار و مدار پیر کی ذات پر ہے۔ یعنی مرید کی تمام تربیت اوّل سے آخر تک پیر ہی کو کرنی پڑتی ہے۔ اس لیے اس طریقہ علیا میں طالب (مرید) کو پختہ عقیدت کے سوا ہرگز چارہ نہیں۔ طالب کے اندر اعتقاد و تقلید کی قوت جس قدر قوی ہوگی۔ اسی قدر اس کا کام جلدی اور آسانی سے طے ہوگا۔

"مقامات مظہری" میں شاہ غلام علی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ ملفوظات حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کے حوالہ سے فرماتے ہیں۔

حضرت خواجہ محمد معصوم اوّل رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پیر کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ آپ کی محبت خدا اور رسول خدا ﷺ کی محبت پر غالب ہے جو میرے لیے شرمندگی کا باعث ہے اس کے جواب میں ان کے پیر نے تحریر فرمایا! کہ پیر کی محبت میں ہی خدا اور رسول علیہ ﷺ کی محبت ہے اور کمالات الٰہیہ کا جذب جو پیر کے باطن میں ہوتا ہے اسی کا سبب ہوتا ہے۔

فوائد الفواد میں حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ خواجہ اجل شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک مرید تھا۔ ایک دفعہ اس مرید کو کوئی تہمت لگا کر

گرفتار کیا گیا۔ اور قتل کرنے لگے۔ قاتل نے اسے قبلہ رخ کھڑا کیا۔ جس کے سبب اس کی پیٹھ اپنے پیر کی قبر کی طرف ہوتی تھی۔ فوراً اس نے رخ پھیر لیا۔ اور اپنے پیر کی طرف رُخ کیا۔ قاتل نے کہا کہ اس موقعہ پر تو روبقبلہ ہونا چاہیے تُو کیوں رُخ پھیرتا ہے؟ اس نے کہا میں نے اپنے قبلہ کی طرف رخ کیا ہے تو اپنا کام کر! یہ ہے محبت شیخ اور حق شیخ مرید پر۔

اسرارالاولیاء میں مرشد کی محبت پر حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظات ملتے ہیں فرماتے ہیں کہ پیر سے مرید کی محبت اور عقیدت عشق کے درجہ تک پہنچ جانی چاہیے اور اس کے تمام احکام کو بجالانا ضروری ہے مرید صدق دل اور تعظیم سے اپنے مرشد کے ہاتھوں کو چومتا ہے تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے پیر سے ایسا دلی تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ کہ وہ آج تک زبان زد خلائق ہے ان کو اپنے مرشد سے غیر معمولی عقیدت، شیفتگی اور محبت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ جلوت و خلوت میں ہر وقت پیر کے ساتھ رہتے۔ امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ شاہی دربار کے امیر کبیر ہونے کے علاوہ بے مثال اور قادرالکلام شاعر اور صاحب طرز ادیب بھی تھے۔ لیکن اپنے پیر کے لئے وہ خادم اور خوش الحان قوال جیسے تھے۔ وہ اپنی غزلیں سناتے نہ تھکتے تھے وہ شاعری میں اپنے کمال اور شہرت کو اپنے مرشد کے لعاب دہن اور دعاؤں کی برکت سمجھتے تھے۔

امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کی پیر سے عقیدت اور محبت کا ایک واقعہ خزینۃ الاصفیا اور سفینۃ الاولیاء دونوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک درویش نے حضرت محبوب الٰہی سے کچھ سوال کیا، اتفاق سے اس روز توشہ خانہ میں کچھ نہ تھا آپ رحمتہ اللہ علیہ نے دوسرے روز بلایا دوسرے روز وہ آیا۔ تو اس روز بھی فتوحات نہیں آئے تھے بالآخر حضرت محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پاؤں کی جوتیاں اس کے حوالہ کیں کہ اس کو بیچ کر اپنی ضرورت پوری کرے۔ راستہ میں اتفاق سے امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ سے درویش کی ملاقات ہو گئی۔ حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ سلطان کے ساتھ باہر گئے ہوئے

تھے اور کئی روز بعد واپس ہوئے تھے۔اس لیے درویش سے مرشد کی خیریت پوچھنے لگے گفتگو کے دوران یکا یک بولے!

"مرا از تو بوئے پیر روشن ضمیر من می آید شاید کہ از شیخ نشانی نزد خود داری"

"یعنی مجھے تجھ سے اپنے پیر روشن ضمیر کی خوشبو آتی ہے۔شاید کہ تو اپنے پاس شیخ کی نشانی رکھتا ہے"

درویش نے وہ نشانی دکھائی۔حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ نے اسی وقت اس کو پانچ لاکھ نقدی سکوں کے بدلے خرید لیا اور ان نعلین کو سر پر رکھ کر پیر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خوش ہو کر عرض کیا کہ:

"درویش بر ہمیں اکتفا کرد ورنہ اگر تمام جان و مال من بہ عوض ایں کشف طلب می کرد حاضر کردم"

"یعنی درویش نے اسی پر اکتفا کیا ہے ورنہ اگر میرا سارا مال اور جان اس کشف کے عوض طلب کرتا تو میں حاضر کر دیتا" (حوالہ مجلس صوفیہ پروفیسر معین دردائی۔صفحہ ۳۴۹)

مقابیس المجالس ملفوظات حضرت خواجہ غلام فرید رحمتہ اللہ میں مولانا رکن الدین رحمتہ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ پیر کی محبت ہی حقیقی محبت ہے کیونکہ پیر اور مرید کے درمیان نہ کوئی قرابت داری ہوتی ہے۔نہ کوئی رشتہ داری۔محض یہی رشتہ ہے کہ پیر حق تعالیٰ کا راستہ دکھاتا ہے اور حق تعالیٰ تک پہنچا دیتا ہے۔اس لیے مرید کے لیے محبت پیر، محبت خدا ہے۔

(بحوالہ مقابیس المجالس ملفوظات خواجہ غلام فرید رحمتہ اللہ علیہ صفحہ ۷۲۴)

مریدوں کے حقوق بزمّہ شیخ

مرید کے ساتھ اولاد جیسا برتاؤ:

جب شیخ یہ مشاہدہ کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف مریدوں اور طالبانِ رُشد و ہدایت کو بھیج رہا ہے اور وہ حسن ظن اور صدق ارادہ کے ساتھ اس کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ اور وہ خلق میں مقبول و محبوب بن جائے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے آگاہ کر دے کہ اس کو مخلوق کی اصلاح اور تعلیم کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے تو شیخ کو چاہیے کہ وہ مریدوں کے ساتھ ایسا ناصحانہ اور محبت بھرا کلام کرے جیسا ایک شفیق باپ اپنے بیٹے کے ساتھ کرتا ہے جو اس کے دین و دنیا کی فلاح و بہبود کے لیے ہوتی ہے۔ اور جس مرید اور طالبِ رُشد و ہدایت کو اللہ تعالیٰ اس کیطرف بھیجے تو شیخ کو چاہیے کہ وہ اس کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کرے اور اس کی نگرانی اور تعلیم معرفت کے سلسلہ میں خداوند تعالیٰ ہی سے مدد کا طالب ہو اور مرید کے ساتھ اس وقت بات کرے جب کہ اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور مرید سے صحیح بات کہنے کے لئے باری تعالیٰ سے طالب ہدایت ہو۔

حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے رفقاء اور مریدوں کو وصیت فرمائی کہ تم اپنے بہترین اور پاک وقت میں فقراء سے باتیں کیا کرو۔

اس کی مثال یوں سمجھے کہ اگر بیج خراب اور فاسد ہے تو برباد اور ضائع ہو جاتا ہے اسی طرح خواہش نفس کے کلام میں شامل ہونے سے خرابی پیدا ہوتی ہے بلکہ نفسانی خواہش کا ایک قطرہ علم کے سمندر کو گدلا کر دیتا ہے۔

پس شیخ کو چاہیے کہ ارادتمندوں اور صدق و صفا کے طالب علموں سے کلام کرنے سے پہلے اس کا دل خداوند تعالیٰ کی مدد کا طلبگار رہو۔ جس طرح زبان دل سے امداد کی طالب ہوتی ہے۔ اور دل کی ترجمانی کرتی ہے اسی طرح دل حق کی ترجمانی کرتا ہے۔ اسی لیے بندۂ حق کی نگاہیں ہر دم اللہ تعالیٰ کی طرف لگی رہتی ہیں اور وہ سراپا گوش ہو کر خداوند تعالیٰ کے

پیغام کو پوری امانت کے ساتھ اس کے بندوں تک پہنچاتا ہے۔

شیخ پر لازم ہے کہ وہ اپنے نورِ عرفان اور علم و معرفت کی قوت سے مرید کے حال کا اچھی طرح جائزہ لے اور اسکی استعداد و صلاحیت معلوم کرے۔ اس لیے کہ اس راہ میں مریدوں کی استعداد مختلف ہوتی ہے۔ اور شیخ ان کے باطنی احوال کی نگرانی کرتا ہے۔ پس اس طرح وہ ہر مرید کی باطنی استعداد سے کما حقہ، واقف ہو جاتا ہے۔ اور اگر ایسا نہیں تو بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایک دیہاتی اپنی زمین اور اس کی قوتِ نشو و نما سے بخوبی واقف ہو۔ ایک چرخہ چلانے والی عورت اپنی روئی اور کاتے ہوئے دھاگے کی باریکی اور موٹائی سے بخوبی واقف ہو لیکن شیخ اپنے مرید کے احوال و استعداد سے بے خبر ہو حالانکہ اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاہد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ان کی استعداد اور فطری صلاحیتوں کے مطابق گفتگو فرماتے اور ہدایت فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اصحاب کو مال خرچ کرنے کا حکم دیتے اور بعض لوگوں کو اسراف سے منع فرماتے اسی طرح بعض لوگوں کو کسب کی ہدایت فرماتے اور بعض حضرات کو متوکلانہ زندگی بسر کرنے پر منع نہیں فرماتے تھے۔

تو شیخ کامل جو نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے اسے ہر لحاظ سے اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہوئے مریدوں کے حقوق پورے کرنے چاہیے۔

جیسا کہ وارد ہے:

"اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ ۝"

ترجمہ: "شیخ اپنی قوم میں اسی طرح ہوتا ہے جیسے نبی اپنی اُمت میں ہوتا ہے"۔

حُسنِ اخلاق: یہ شیخ طریقت کے وظائف میں داخل ہے کہ وہ اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آئے بلکہ اپنے اس حق سے بھی دستبردار ہو جائے جو تعظیم و تکریم کا اس کو ملا ہے اور اس مرتبہ سے نیچے آ کر تواضع اختیار کرے۔

شیخ رَقّی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مصر کی ایک مسجد میں درویشوں کے ساتھ

بیٹھا ہوا تھا۔ کہ اس اثنا میں شیخ دقاق رحمتہ اللہ علیہ وہاں تشریف لائے اور ایک ستون کے قریب کھڑے ہو کر انہوں نے نماز پڑھی۔ ہم لوگوں نے کہا کہ جب وہ نماز سے فارغ ہو جائیں گے تو ہم لوگ کھڑے ہو کر ان کو سلام کریں گے۔ لیکن نماز سے فارغ ہوتے ہی وہ ہمارے پاس تشریف لائے اور انہوں نے ہم کو سلام کیا۔ ہم نے عرض کی کہ جناب والا! آپ سے پہلے سلام تو ہمیں کرنا چاہیے تھا۔ یہ سُن کر شیخ دقاق رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو کبھی اس عذاب میں مبتلا نہیں کیا۔ کہ میں خود کو اس امر کا پابند بناؤں کہ میری تعظیم کی جائے اور لوگ میری طرف رجوع کریں۔

سبحان اللہ! کیا حُسنِ خلق ہے۔

مریدوں سے نرمی اور خوش طبعی :

شیخِ طریقت کو چاہیے کہ وہ اپنے مریدوں کے ساتھ نرمی اور خوش طبعی سے پیش آئے۔

ایک بزرگ کا قول ہے:

"جب تم کسی درویش کو دیکھو تو اس کے ساتھ دوستی اور خوش طبعی سے پیش آؤ اور علم کے ذریعے اس سے ملنے کی کوشش نہ کرو۔ اس لیے کہ نرمی اور مہربانی اس کو تم سے مانوس کر دے گی۔ اور علم کے اظہار سے اس کو وحشت ہو گی۔ پس اگر شیخ مرید کے ساتھ نرمی سے پیش آئے گا تو مرید رفتہ رفتہ شیخ کے علم کی برکات سے بھی فیض یاب ہو گا۔ اور اس وقت اس سے علمی گفتگو کی جا سکتی ہے"۔

مریدوں پر لطف و کرم : آدابِ شیخ میں داخل ہے کہ شیخ اپنے مریدوں کے ساتھ ہمدردی کرے اور صحت و مرض دونوں حالتوں میں ان کے حقوق ادا کرے اور اپنے مرید کی ارادت اور اخلاص پر تکیہ کرتے ہوئے ان حقوق سے دستبردار نہ ہو۔ ایک بزرگ کا قول ہے۔

"باہمی مودّت و محبت کی بنا پر اپنے دوست کے حقوق تلف نہ کرو"

شیخ جریری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"میں حج سے فارغ ہو کر سب سے پہلے شیخ جنید رحمتہ اللہ علیہ سے ملا اور ان کو سلام کیا تا کہ ان کو میرے پاس آنے کی زحمت نہ ہو اس کے بعد میں اپنی منزل پر آ گیا۔ جب میں نے صبح کی نماز پڑھی اور پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ میرے پیچھے موجود تھے میں نے کہا کہ اے جناب والا! میں تو اس لیے آپ رحمتہ اللہ علیہ کو سلام کرنے آیا تھا کہ آپ کو یہاں تشریف لانے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا!

اے ابو محمد جریریؔ، یہ آپ کا حق ہے کہ میں سلام کو حاضر ہوا اور وہ آپ کی فضیلت و بزرگی تھی کہ آپ میرے پاس تشریف لائے"

مرید کے صدق عزیمت میں کمی : شیخ کے آداب میں داخل ہے کہ جب وہ مرید کے صدقِ عزیمت میں کمی دیکھے اور ضبطِ نفس کم پائے تو اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔ اور اس کو سہولت کے ساتھ نیکی کرنے کی اجازت دے اس کے بعد جب وہ ثابت قدم ہو جائے اور درویشوں میں گھل مل جائے اس وقت شیخ اس کو بتدریج ہمت و عزیمت کے مقام کی طرف مہربانی اور نرمی کے ساتھ لے جائے اس طرح وہ منزل پر پہنچ جائیگا۔

شیخ ابو سعید بن العربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک نوجوان جس کا نام ابراہیم الصائغ تھا ایک دولتمند باپ کا بیٹا تھا۔ وہ صوفیاء کرام سے متاثر ہو کر شیخ ابو احمد القلانسی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں رہنے لگا۔ شیخ ابو احمد کے پاس جب کچھ رقم آ جاتی تو آپ اس کے لئے نرم نرم روٹیاں، بھنا ہوا گوشت اور حلوہ منگاتے اور اس کو کھلاتے لیکن خود نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے:

"اس نے ابھی ابھی دنیا چھوڑی ہے چونکہ اس نے ناز و نعم میں پرورش پائی ہے اس لیے اس کے ساتھ نرمی کرنا ضروری ہے اور لازم ہے کہ ہم اسے دوسروں پر ترجیح دیں"۔

شیخ مرید کے مال سے تعلق نہ رکھے : مشائخ کے آداب میں شامل ہے کہ مریدوں کے مال اور اُن کی خدمت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں

کرتے۔ چونکہ شیخ کی زندگی اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوتی ہے اس لیے وہ عوام کی ہدایت خالصتاً اللہ کے لئے کرتے ہیں پس جو کچھ شیخ مرید کی بھلائی کے لئے کرتا ہے اور جو کچھ اس کی خدمت انجام دیتا ہے وہ ایک بہترین صدقہ ہوتی ہے حدیث شریف میں آیا ہے۔

"صدقہ دینے والا جو صدقہ دیتا ہے اس میں سب سے بہتر صدقہ یہ ہے کہ علم کو لوگوں میں پھیلایا جائے"

باری تعالیٰ نے بھی ان کاموں میں جو خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے کیے جاتے ہیں خلوص کی تنبیہہ کی ہے اور ان کو نفس کی آلودگی سے پاک رکھنے کا حکم دیا ہے۔

ارشاد فرمایا ہے:۔

"اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ه"

(پ۲۹ سورہ الدھر)

ترجمہ: "ہم تمہیں محض اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں۔ ہم تم سے کسی بدلہ اور شکریہ کے خواستگار نہیں ہیں"

پس شیخ کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنے صدقہ کا بدلہ طلب کرے۔ البتہ اللہ کی طرف سے اس کو حکم ہے کہ وہ مرید کا نذرانہ قبول کرلے یا اس میں شیخ مرید کے لئے کوئی مصلحت دیکھے تو وہ اس کے مال اور خدمت سے فائدہ اٹھائے تاکہ مرید اس مال کی بدولت آئندہ مصائب ومشکلات سے محفوظ و مامون رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَ لَا يَسْئَلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ه اِنْ يَّسْئَلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ يُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ه" (پ۲۶ سورہ محمد ﷺ)

ترجمہ: "وہ تم کو تمہاری اجرت دے گا اور تم سے تمہارے اموال طلب نہیں کرے گا اگر تم سے تمہارے اموال طلب کرے اور اس پر اصرار کرے تو تم بخل کرو گے اور وہ

تمہارے دلوں کے کینے کو ظاہر کردے گا"

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ مال خرچ کرنے سے کدورتِ قلبی نکل جاتی ہے"

پس اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ادب سکھایا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو ادب سکھائے اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔

مشائخ کرام اور احیائے سُنت: شیخ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جب وہ اپنے کسی مرید کی کوئی بُری بات دیکھے یا اس کی حالت کو کج پائے یا وہ محسوس کرے کہ اس مرید میں خودنمائی یا خودستائی پیدا ہوگئی ہے تو اس کو کھل کر منع نہ کرے بلکہ اپنے رفقاء سے گفتگو کے وقت اس برائی کی طرف اشارہ کردے۔ اور اجمالاً اس کی برائی بھی بیان کردے اس طرح دوسروں کو بھی اس سے فائدہ پہنچے گا۔ بلکہ اس بات کا اثر بھی زیادہ ہوگا۔ اور یہ نرمی اور مہربانی سے زیادہ قریب ہے۔

مزید برآں بعض لوگوں کو اس سے تالیف قلب ہوگی۔

اگر شیخ مرید کے کسی ایسے کام میں جس کے کرنے کا حکم اس کو دیا گیا تھا، کوتاہی پائے تو اس کو برداشت کرے اور اس کوتاہی پر اس کا قصور معاف کردے۔ اس کے بعد نرمی اور تحمل کے ساتھ اس کو اس خدمت کی تکمیل کی طرف مائل کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی ایک موقع پر ایسا ہی حکم فرمایا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

"ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے خادم (غلام) کو کتنی بار معاف کروں"

حضور پُرنور ﷺ نے فرمایا!

"ستر بار"

سب سے اہم ادب شیخ کے ذمے یہ ہے کہ شیخ مریدوں کے اسرار اور مکاشفات کا جن سے وہ آگاہ ہو، حفاظت کرے۔ اس لیے کہ مرید کا راز داں یا تو اللہ تعالیٰ ہوتا ہے یا اُس کا شیخ! پس کسی اور کو اس کی اطلاع نہیں ہونی چاہیے اور مرید اپنی خلوت گاہ میں جن مکاشفات یا الہامات سے سرفراز ہو! کسی خلاف عادت چیز کا مشاہدہ کرے اور وہ شیخ سے ان کو بیان کرے تو شیخ کو چاہیے کہ وہ مرید کے سامنے ان کی اہمیت کو گھٹائے اور مرید کو بتائے کہ یہ امور اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول ہونے کی راہ میں حائل ہوتے ہیں ان پر اعتماد نہ کرنا چاہیے۔ ورنہ رجوع الی اللہ میں خلل واقع ہوگا۔ اور ان سے مزید فتوحات اور روحانی ترقی کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ لیکن اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس کو سمجھائے کہ اس نعمت کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں اور اس کو بتائے کہ مرید کا اصلی مقصد تو نعمت عطا فرمانے والے کو تلاش کرنا ہے نہ کہ اس کی نعمتوں پر قانع ہو جائے۔

مشائخ کرام کے اخلاق حضور پُر نور ﷺ سے حُسن اِتباع ہی کی بدولت سنورے اور آراستہ ہوئے ہیں اور یہی حضرات آپ ﷺ کے احکام اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے سلسلہ میں آپ ﷺ کی سُنت کو زندہ کرنے اور زندہ رکھنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔

خلوت نشینی کا وقت : شیخ کے آداب میں یہ بھی ہے کہ وہ اپنی خلوت نشینی کے لیے ایک ایسا وقت مقرر کرے جب اس کے پاس مخلوق خدا کی آمد و رفت بند ہو جائے تاکہ اُس کی اِس خلوت نشینی کا فیض اس کی بزم نشینی کے وقت جاری ہو سکے اور اس کے ذہن سے یہ بات خارج ہو جانا چاہیے کہ اس کی روحانی طاقت اتنی زیادہ ہے کہ مخلوق سے ہم نشینی اور ہمکلامی کے باوجود اسکی روحانیت کو نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس کو خلوت نشینی کی سرے سے ضرورت ہی نہیں۔

رسول اللہ ﷺ باوصف کمال احوال قیام اللیل فرماتے اور راتوں میں نمازیں پڑھا کرتے اور وقت نکال کر تنہائی میں کچھ وقت بسر فرماتے تھے۔

ان حالات میں شیخ کے لیے حق تعالیٰ سے مدد کا خواستگار اور طالب ہونا ضروری ہے اور دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں گریہ وزاری کرے اگر قلب سے نہ کر سکے تو اس وقت ہر حرکت اور ہر گفتگو میں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں سر تسلیم خم کرے خدا کی عظمت و کبریائی بیان کرے اور اس کا شکر ادا کرے۔

پیر کا حق مرید پر اور مرید کا حق پیر پر

حضرت مخدوم خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے ایک مرید نے پوچھا کہ پیر کا حق مرید پر اور مرید کا حق پیر پر کیا ہے؟ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا بعد میں بتاؤں گا۔ دوسرے روز اس نے پھر وہی سوال کیا شیخ شہاب االدین رحمتہ اللہ علیہ نے وہی جواب دیا کہ بعد میں بتاؤں گا۔ جب تیسری مرتبہ اس نے پوچھا۔ تو شیخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ نے ایک خط لکھ کر اور ایک جانماز اس کے حوالہ کیا کہ یہ چیزیں میرے خلیفہ کو پہنچا دو۔ مرید الٹے پاؤں جیسا کہ مریدوں کا اظہار ادب کے لیے طریقہ ہوتا ہے دروازہ کی طرف واپس ہوا اس نے چاہا کہ جوتا اٹھا کر رکھ لے آگے پہنوں گا۔ لیکن پھر دل میں سوچا کہ اس میں جو دیر لگے گی اس سے پیر کے حکم کی جلد تعمیل میں نقصان ہوگا۔ اس لیے ننگے پاؤں ہی روانہ ہو گیا۔ راستہ میں اس کا گھر آتا تھا اس کا جی چاہا کہ بیوی بچوں سے رخصت ہو لے۔ لیکن پھر اس کے دل میں خیال آیا کہ گھر جانے اور بال بچوں سے رخصت ہونے میں دیر لگے گی اور اس سے پیر کے کام کو نقصان پہنچے گا۔ اس لیے وہ ارادہ بھی ترک کیا اور سیدھا چل کر خلیفہ کی خدمت میں پہنچا اور شیخ کا فرمان اور سجادہ ان کے حوالہ کیا۔ خلیفہ نے اس آدمی کی بہت زیادہ عزت و تکریم اور خاطر و مدارت کرنی چاہی کیونکہ وہ پیر اور مرشد کے یہاں سے آیا تھا۔ لیکن اس نے یہ کہہ کر ٹھہرنے سے انکار کر دیا کہ مجھے حضرت شیخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ نے یہاں ٹھہرنے کا حکم نہیں دیا ہے صرف خط اور سجادہ پہنچانے کو فرمایا تھا اس لیے میں کس طرح ٹھہر سکتا ہوں۔ خلیفہ نے جب دیکھا کہ یہ نہیں ٹھہر رہا ہے تو اس نے کہا کہ کم از کم پیر کے لیے میری طرف سے ایک لونڈی تحفہ لیتے جاؤ۔ اور اس نے اندر سے ایک لونڈی کو بلا کر اس کے ساتھ کر دیا۔ راستہ میں جوان مرد اور عورت کے ایک جگہ جمع ہونے سے شیطان نے ورغلایا اور وہ شیطان کے ورغلانے میں آگیا۔ کہ دونوں برہنہ ہو گئے اور حرکت ناشائستہ کرنا ہی چاہتے تھے کہ یکا یک اس نے دیکھا کہ حضرت شیخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ اس کے سامنے منہ میں

انگلی ڈالے کھڑے ہیں اور افسوس کر رہے ہیں۔

حضرت شیخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھتے ہی اس کی شہوت ختم ہوگئی اور فوراً کپڑے پہن کر توبہ واستغفار پڑھنا شروع کر دیا اور اظہار ندامت اور شرمندگی کے لیے وضو کر کے سر بہ سجود ہوگیا اور پھر دو رکعت شکرانہ کی نماز ادا کی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ کی مہربانی سے اس گمراہی اور ذلت سے نجات بخشی اور اس لونڈی کو بہت احتیاط کے ساتھ شیخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ تک پہنچا دیا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اس سے کچھ نہیں کہا۔ دوسرے دن اس نے پھر آپ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا وہی سوال دہرایا کہ

حضرت! مرید کا حق پیر پر اور پیر کا حق مرید پر کیا ہے؟

آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

"کہ میں نے تجھ کو عملی طور پر دکھایا پھر بھی تجھے معلوم نہ ہوا"

اس نے کہا کہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

جب تم یہاں میرے کام پر روانہ ہوئے تو محض اس خیال سے کہ میرے کام میں تاخیر اور نقصان نہ ہو۔ تم نے نہ اپنا جوتا پہنا اور نہ اپنے بیوی بچوں سے ملے اور میرے خلیفہ نے جب تم کو مہمان رکھنا چاہا تو محض اس وجہ سے کہ میں نے تم کو وہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دی تھی نہیں ٹھہرے یہ میرا یعنی پیر کا حق تم پر تھا اور پھر راستہ میں جب شیطان تم پر غالب آیا اور اس کے ورغلانے میں آ کر تم بدکاری اور زنا پر آمادہ ہو گئے تھے میں نے تم کو اس سے باز رکھا اور تم میری وجہ سے اس گناہ عظیم اور آفت سے بچ گئے۔ یہ تمہارا یعنی مرید کا حق تھا جو میں نے ادا کیا۔

پھر حضرت مخدوم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

جس کو پیر مل گیا اس کو سب کچھ مل گیا اور جو پیر سے محروم رہا وہ بڑے گھاٹے اور خسارے میں رہا۔ چاہے کوئی شخص اپنی ریاضت اور مجاہدہ سے پانی پر چلے، ہوا میں اڑے اور سامنے اور پیچھے کی باتوں کو بھی جانے لیکن جب تک وہ کسی پیر کا ہاتھ نہیں پکڑے گا اس کو خدا کی بو بھی نہیں لگے گی (یعنی پتہ بھی نہیں چلے گا)۔

کیا مرید پیر کے مقامات حاصل کر سکتا ھے؟

مرید پیر کے مقامات کو حاصل کر سکتا ہے لیکن حصول اور وصول میں بڑا فرق ہے مرید کو پیر کے مقامات کا حصول تو ہو جاتا ہے مگر وصول یعنی اُن مقامات میں پہنچ کر انکا مالک نہ بنا۔ یہ اللہ تعالٰی کے قبضہ قدرت میں ہے چاہے وصول سے ہی مشرف فرمادے۔ اس کی آسان سی مثال یہ ہے کہ مقامات مجددیہ کا حصول آپ کے سلسلہ میں تمام خلفاء کو ہوتا چلا آیا ہے اور ہوتا چلا جائیگا۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ سب کے سب مجدد بھی بن جائیں۔ یعنی ضروری نہیں کہ ان کا مقام و منصب مجددیت میں بھی وصول ہو جائے۔ جیسا کہ بادشاہ کے دیوان خاص اور تخت و محلات شاہی کی سیر کرے لیکن وہ وہاں ٹھہر نہ سکے تو ظاہر ہے کہ اس میں وصول نہیں ہوا۔ یعنی انکا مالک نہیں بنا۔ اسی طرح پیر کے مقامات کو مرید حاصل کر سکتا ہے کہ دور سے سیر کر لے۔ باقی رہے وصول یعنی مالک بن جانا یہ سب کو میسر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالٰی جسے چاہے دے۔

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ مبداء و معاد میں تحریر فرماتے ہیں۔

ترجمہ: جاننا چاہیے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مریدوں کو یہ وہم اپنے حق میں پیدا ہو جاتا ہے اور پیروں کے مقامات کا حصول ان کو مساوات (یعنی برابری پیر) کے خیال میں ڈال دیتا ہے۔ حالانکہ حقیقت معاملہ یہی ہے جو مذکور ہوئی۔ کہ حصول مساوات کا دارومدار ان مقامات میں واصل ہونے پر ہے۔ نہ کہ ان مقامات کے حصول پر۔ کیونکہ حصول طفیلی ہے۔ اس جگہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ مرید اپنے پیر کے برابر نہیں ہو سکتا۔ ایسا نہیں بلکہ جائز ہے بلکہ واقع۔ لیکن فرق اس مقام کے حصول اور اس مقام کے وصول کے درمیان بہت باریک ہے ہر مرید اس دولت سے مشرف نہیں کشف صحیح اور الہام

صریح اس فرق کو معلوم کرنے کے واسطے ضروری ہے۔

اسی طرح امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب نمبر ۲۰۸ جو کہ آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت مخدوم زادہ محمد صادق رحمتہ اللہ علیہ کی طرف صادر فرمایا۔

اس سوال کے جواب میں کہ اس طریق کا سالک کبھی اپنے آپ کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقامات میں پاتا ہے بلکہ بعض اوقات دیکھتا ہے کہ اس سے بھی اوپر چلا گیا ہے اس میں کیا راز ہے؟

میرے فرزند نے پوچھا تھا کہ اس راہ کا سالک مقامات عروج میں کبھی اپنے آپ کو انبیائے کرام علیہ السلام کے مقامات میں پاتا ہے بلکہ بعض اوقات یوں محسوس کرتا ہے کہ ان کے مقامات سے بھی بلند ہو گیا ہے۔

اس معنی کا راز کیا ہے۔ حالانکہ سب کا اس بات پر اتفاق اور اجماع ہے۔ کہ فضیلت انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے ہے اولیاء جو کچھ حاصل کرتے ہیں ۔ یا ولایت کے مقامات تک پہنچتے ہیں انہی کی متابعت سے پہنچتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وہ مقامات ہیں جن مقامات کے عروج کی نہایت نہیں۔ بلکہ ان بزرگواروں کا عروج ان مقامات سے کئی مرتبہ بلند ہے۔

کیونکہ وہ مقامات اسمائے الٰہی جل شانہ' سے مراد ہیں جو تعینات کے مبادی اور حضرت حق تعالیٰ کی طرف سے فیوض کے وسیلے ہیں۔ کیونکہ حضرت ذات کو اسمائے وسیلہ کے بغیر عالم کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے اور غنا کے سوا کوئی نسبت حاصل نہیں ہے۔ آیت کریمہ

"اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ"

"اللہ جہان والوں سے غنی ہے"

اس معنی پر گواہ ہے اور جب یہ بزرگ وار مراتب عروج سے نزول فرماتے ہیں اور اوپر کے انوار کو اپنے ساتھ لے کر نیچے آتے ہیں۔ تو ان اسماء میں ان کے مرتبوں کے اختلاف کے بموجب جو ان کے طبعی مقامات کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں اقامت فرماتے ہیں اور وطن بنا لیتے ہیں۔

پس اگر کوئی ان کو قرار پذیر ہونے کے بعد ڈھونڈے تو ان کو اسمائے الٰہی میں پائے گا۔ پس وہ بلند استعداد والا جو حضرت ذات کی طرف متوجہ ہے ناچار عروج کے وقت ان اسماء میں پہنچے گا۔ اور اس جگہ کے اوپر کو گزر جائے گا۔ اِلّا ماشاءاللہ

لیکن جب وہ سالک اوپر سے نیچے آئے گا۔ اور اس اسم میں جو اس کے وجود کے یقین کا مبداء ہے نزول کرے گا۔ تو وہ اسم ذات ان اسموں سے جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقامات ہیں بہت نیچے ہوگا۔ اور اس جگہ مقامات کا فرق ظاہر ہو جائے گا کیونکہ افضلیت کا مدار اس بات پر ہے کہ جس کا مقام بلند ہے وہ افضل ہے اور جب تک سالک اپنے اسم میں واپس نہ آئے اور اپنے اسم کو اسموں سے نیچے معلوم نہ کرے ان بزرگوں کی فضلیت کو ذوق و حال کے طور پر معلوم نہیں کر سکتا بلکہ تقلید کے طور پر ان کو افضل کہتا ہے اور پہلے یقین پر ان کی اولیت کا حکم کرتا ہے لیکن اس کا وجدان و ذوق اس کے حکم کا مکذب ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں بارگاہ الٰہی میں التجا اور زاری اور عجز و نیاز کرنا ضروری ہے تا کہ اصل حقیقت ظاہر ہو جائے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سالکوں کے قدم پھسل جاتے ہیں۔

اس جواب کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔

معقولی یعنی اہل فلسفہ نے کہا ہے کہ دھواں خاکی اور آتشی اجزا سے مرکب ہے۔ جس وقت دھواں اوپر کو جاتا ہے تو خاکی اجزا آتشی اجزا کے ہمراہ اوپر چلے جاتے ہیں۔ اور قاسہ کا قسر حاصل ہونے سے عروج کر جاتے ہیں۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ اگر دھواں قوی ہو۔ تو

وہ کرۂ نار تک چڑھ جاتا ہے۔ اس وقت اجزائے خاکی اجزائے آبی اور اجزائے ہوائی کے مقامات میں جو بالطبع فوقیت رکھتے ہیں پہنچ جائیں گے۔ اور وہاں سے عروج کر کے اوپر چڑھ جائیں گے۔ اس صورت میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اجزائے خاکی کا مرتبہ اجزائے ہوائی کے رتبہ سے بلند تر ہے۔

کیونکہ وہ فوقیت باعتبار قاسر کے ہے نہ باعتبار ذات کے اور کرۂ نار تک پہنچنے کے بعد جب وہ اجزائے خاکی نیچے گریں گے اور اپنے اصلی مرکز پر پہنچیں گے۔ تو بے شک ان کا مقام آب وہوا کے مقام سے نیچے ہوگا۔ پس بحث مذکورہ میں سے سالک کا عروج بھی ان مقامات سے باعتبار قاسر کے ہے۔ اور وہ سرگرمی محبت کی زیادتی اور جذبہ عشق کی موت ہے۔ اور ذات کے اعتبار سے ان کا مقام ان مقامات سے بہت نیچے ہے۔ یہ جواب جو کہا گیا ہے۔ منتہی کے حال کے مناسب ہے۔ لیکن اگر ابتدا میں یہ وہم پیدا ہو جائے اور اپنے کو بزرگوں کے مقامات میں معلوم کرے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتداء اور توسط میں ہر مقام کا ظل اور مثال ہے اور مبتدی اور متوسط جب ان کے ظلال میں پہنچتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ ان مقامات کی حقیقت تک پہنچ گئے ہیں۔ اور ظلال اور حقائق کے درمیان فرق نہیں کر سکتے۔

اور ایسے ہی بزرگوں کے شبہ اور مثال کو جب اپنے مقامات کے ظلال میں پاتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ ان مقامات میں بزرگوں کے ساتھ مشترک ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہاں شے کے ظل کا نفس شے کے مانند ہونا لازم آتا ہے۔

اسی طرح کا ایک مکتوب نمبر ۲۲۰ شیخ حمید بنگالی کی طرف بھی صادر فرمایا ہے۔

بعض مخالفین نے حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے مکتوب نمبر ۱۱ دفتر اول پر اعتراض کیا تھا۔ کہ اس مکتوب میں مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے آپ رحمتہ اللہ علیہ کو

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اوپر بتایا ہے۔ حالانکہ اس میں بھی حصول و وصول کا فرق وہ نہ سمجھ سکے۔

مکتوب حسب ذیل ہے۔

"ثانیۂ یہ عرض ہے کہ اس مقام کو دوبارہ ملاحظہ کرتے ہوئے کچھ اور مقامات اُوپر نیچے ظاہر ہوئے۔ جو بعض سے بعض بلند ترین، پھر عاجزی اور شکستگی کے ساتھ توجہ کر نے سے جب سابق مقام سے آگے والے مقام پر رسائی ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ مقام حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اور دوسرے خلفائے راشدین بھی وہاں سے عبور فرما ہو چکے ہیں۔ یہ مقام بھی تکمیل وارشاد کا مقام ہے۔ اسی طرح آگے دو دوسرے مقام بھی۔ جن کا ذکر اب کیا جاتا ہے۔ اور اس مقام (سابقہ) کے اوپر ایک اور مقام نظر آیا۔ جب اس مقام میں رسائی ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مقام ہے۔ اور دوسرے خلفائے راشدین کو بھی وہاں عبور ہو چکا ہے۔ اس مقام سے آگے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام ظاہر ہوا۔ وہاں بھی رسائی ہوئی اور اپنے مشائخ میں سے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کو ہر مقام میں اپنے ساتھ پایا۔ اور اس مقام میں دوسرے خلفائے راشدین کو بھی عبور ہو چکا ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں تھا۔ سوائے عبور، قیام اور مرور اور ثبات کے اس مقام سے اونچا کوئی مقام سمجھ نہیں آیا سوائے حضورِ انور ﷺ کے مقام کے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے مقام کے برابر ایک نورانی مقام بہت عجیب کہ اس جیسا کبھی دکھائی نہیں دیا تھا ظاہر ہوا وہ کچھ اس مقام سے اونچا تھا جیسا کہ زمین سے اونچا چبوترہ بنایا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ مقام محبوبیت ہے۔ اور وہ مقام رنگین اور منقش بھی تھا۔ خود کو بھی اس مقام کے پرتو سے رنگین اور منقش پایا پھر اس کیفیت سے خود کو لطیف پایا۔ اور ہوا یا بادل کے ٹکڑے کی طرح آفاق میں منتشر دیکھا۔ اور بعض اطراف کو میں نے لے لیا اور خواجہ نقشبند قدس سرہٗ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقام میں نظر آئے اور میں خود کو

اس مقام کے برابر اس کیفیت کے ساتھ پاتا ہوں جس کا ذکر عرض کیا گیا۔ (یہاں آپ کے کلمات ختم ہوئے)

ان کلمات مبارکہ سے ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ مطلب لیا ہے کہ آپ خود کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بلند تر سمجھتے ہیں (وہ کلمات یہ ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقام کے برابر ایک نورانی مقام۔۔۔۔۔۔ظاہر ہوا)

اس کا جواب حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت شیخ بدرالدین سرہندی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب (حضرات القدس) میں اس طرح دیا ہے۔

جواب میں یہ کہتا ہوں کہ اعتراض محض اس لیے ہے کہ تدبر اور تفکر سے کام نہیں لیا گیا۔ اس لیے بھی کہ اصطلاح صوفیاء سے ناواقفیت ہے کیونکہ یافت یعنی حصول اور چیز ہے اور وصول اور چیز ہے بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک گدا خود کو مستی اور سکر میں بادشاہ سمجھنے لگتا ہے حالانکہ وہ بادشاہی کے درجے کو وصول نہیں کرتا اور حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ نے تو صرف اتنا فرمایا ہے کہ اس مقام کے عکس سے میں نے خود کو رنگین پایا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے مقام حاصل کر لیا (یا میں اس مقام میں پہنچ گیا)

یوں سمجھیے کہ سورج فلک چہارم میں ہے اور اس کا عکس زمین پر روشن ہے۔ تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ زمین سورج کے مقام پر پہنچ گئی اور آپ رحمتہ اللہ علیہ نے تو اس عرضداشت میں (اپنے پیر بزرگوار کو) اس عبارت سے پہلے لکھا ہے کہ

"اس مقام میں دوسرے خلفائے راشدین کو بھی عبور ہو چکا ہے اس میں کوئی فرق نہیں تھا سوائے عبور۔ مقام مرور اور ثبات کے"

یہ جواب کافی ہے ان لوگوں کیلئے جو امراضِ قلبیہ میں مبتلا ہیں۔

یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام وہ تھا اور دوسرے خلفاء کو مرور و عبور

زمانی حاصل ہوا۔ حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کو اس عبادت کے باعث جہانگیر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے آپ رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ

"ہم نے سُنا ہے کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے یوں لکھا ہے کہ میرا مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل ہے؟"

آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اس کو یہی جواب دیا اور ایک مثال بھی بتائی کہ مثلاً آپ ایک ادنی درجے کے آدمی کو اپنے پاس بلائیں اور اس پر عنایت فرما کر اس کے کان میں کچھ کہیں ظاہر ہے کہ وہ لامحالہ پنج ہزاری امیروں سے آگے جا کر آپ تک پہنچے گا۔ اس کے بعد وہ اپنے مقام پر واپس جا کر کھڑا ہو جائے گا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا مرتبہ پنج ہزاری امیروں سے زیادہ ہو گیا۔

جہانگیر کا غصہ یہ سُن کر سرد ہو گیا۔

پیر کا اپنے مرید کو عاق کرنا

حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے (پاس رہنے کی) بیعت کی۔ اس کے بعد اعرابی کو مدینہ طیبہ میں شدت کا بخار ہوا (اور وہاں سے نکلنا چاہا) تو نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ اے محمد ﷺ میری بیعت مجھے واپس کر دیجیے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے انکار فرمایا۔ وہ پھر حضور ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میری بیعت واپس کر دیجیے۔ حضورِ انور ﷺ نے انکار فرمایا۔ وہ پھر آیا اور کہا کہ میری بیعت واپس کر دیجیے۔ تو آپ ﷺ نے پھر انکار فرمایا۔ پس اعرابی (حضورِ اکرم ﷺ کی اجازت کے بغیر) چلا گیا۔ تو حضورِ انور ﷺ نے فرمایا۔ بے شک مدینہ بھٹی کی مانند ہے اپنے میل کو دور کرتا ہے اور اپنے اچھے کو خالص کر دیتا ہے۔ (متفق علیہ)

دوسری روایت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہے کہ غزوۂ تبوک کے سبب آپ ﷺ ان سے منقبض ہو گئے۔ مگر ان کا اعتقاد درست ہے۔ پس پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ اگر شیخ بیعت واپس نہ کرے لیکن مرید کا اعتقاد جاتا رہے تو بیعت ٹوٹ جاتی ہے اور دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ اگر شیخ ناراض ہو جائے لیکن مرید کا اعتقاد باقی و قائم رہے تو بیعت قائم رہتی ہے۔ ویسے بھی مدار بیعت کا ارادت پر ہے اور یہ صفت مرید کی ہے نہ کہ شیخ کی پس اس کے باقی رہنے اور جاتے رہنے کا دارومدار ارادت کے ہونے یا نہ ہونے پر ہے۔ **واللہ اعلم**

لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ شیخ کی مرضی یا نہ مرضی اس راستے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اگر مرید شریعت کے مطابق عمل کرے اور شیخ سے محبت اور اس کے طریقہ پر دل سے کاربند رہے تو شیخ کی ناراضگی مضر نہیں ورنہ حصول مقصد کے لئے شیخ کی مرضی کو بہت دخل ہے۔

(اور باپ کا بیٹے کو عاق کر دینے کا مسئلہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ فافہم)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ "پس اپنی سعادت کو پیر قبول کر لینے میں جاننا چاہیے اور بدبختی کو پیر رد کر دینے میں (**نعوذ باللہ من ذلک**) اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیر کی رضا کے پردے میں رکھا گیا ہے۔ جب تک مرید اپنے پیر کی مرضی میں گم نہ ہو جائے خدا کی

خوشنودی نہیں حاصل کر سکتا۔ مرید کی آفت پیر کے آزار میں ہے۔ ہر قصور کا جو محبت شیخ کے بعد ظاہر ہو تدارک ہو سکتا ہے۔ لیکن پیر کے آزار کو کوئی چیز پورا نہیں کر سکتی۔ پیر کا آزار مرید کے لیے بدنصیبی کی جڑ ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک

اسلامی اعتقادات میں خلل اور شرعی احکام میں کمی اس کا نتیجہ ہے۔ اگر پیر کے آزار کے بعد بھی احوال وکشف وخوارق اس سے سرزد ہوں تو یہ استدارج ہے۔ کہ اس کا نتیجہ خرابی اور سراسر نقصان ہے۔ حضرت شاہ بھک فرماتے ہیں۔

بھیکا! وہ نوکور ہیں جو گور کو جانیں اور ہر روٹھیں گور میل دیں گور روٹھیں نہیں ٹھور

ترجمہ: اے بھیک! وہ لوگ بہت ہی بدنصیب ہیں جو پیر کی قدر نہیں کرتے حالانکہ اگر اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے تو پیر کی دعا سے اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا ممکن ہے لیکن اگر پیر ہی روٹھ جائے تو کوئی خوش کرنے والا نہیں۔

اسی طرح ایک آدمی حضرت پیر مہر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ کا مرید ہوا۔ مرید ہونے کے بعد اس کو مالی طور پر بہت نقصان ہوا اس کے پاس بہت مال اور مویشی تھے۔ جو سب مر گئے۔ وہ بہت پریشان ہو گیا۔ اس کی بیوی اس سے بہت ناراض ہوئی اور اس سے بہت لڑائی جھگڑا کرنے لگی کہ کیسے پیر کے بیعت ہوئے ہو جس سے ہمیں بہت نقصان ہوا جاؤ اور اس سے بیعت واپس لے لو۔ تب وہ آدمی حضرت پیر مہر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں آیا اور عرض کی میں بیعت واپس لینا چاہتا ہوں مجھے بہت نقصان ہوا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے بہت سمجھایا لیکن وہ نہ سمجھا۔ آخر کار آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا! میرے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالو اور کھینچ لو تب اس نے ایسا کرنے کی کوشش کی۔ جب اس نے اپنے ہاتھ واپس کھینچے تو اسے ایسا لگا کہ اس کے ہاتھ حضورِ اکرم ﷺ سے جدا ہو گئے ہیں۔ اس طرح ان کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اور آخر کار حضرت خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھوں سے جدا ہو گئے ہیں۔ تب اس کو اس بات کی سمجھ آئی اور معافی مانگ لی اور دوبارہ بیعت کو کہا۔

قلب اور اس کی اقسام

" **قلب** " قلب کے لفظی معنی ہیں دل وضمیر، صوفیا رضی اللہ عنھا، کا خیال ہے کہ جسد آدم میں نفس حیوانی ہے اور نفس حیوانی میں قلب ہے اور قلب میں روح ہے اور روح میں نور اور نور میں سر اور سر میں انا۔

صوفیاء کی اصطلاح میں قلب کی تین اقسام بیان کی گئی ہیں

(i)قلب منیب **(ii) قلب سلیم** **(iii) قلب شہید**

(i)قلب منیب : اس سے خطرات رومی اور نیک کام ظاہر ہوتے ہیں جیسے تقویٰ ریاضت مجاہدہ عبادت ورع وغیرہ قرآن مجید میں قلب منیب کی طرف یوں اشارہ فرمایا گیا ہے:

"مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ وَ جَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْب "

(ii) قلب سلیم: اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت طلب علم اور علم عرفان حاصل ہوتا ہے قرآن مجید میں قلب سلیم کا ذکر یوں کیا گیا ہے۔

"یَوْ مَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْم "

(iii)قلب شہید: اس سے توحید حقیقی اور ذرہ ذرہ میں شہود ذات حاصل ہوتا ہے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

"لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْاَلْقَى السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِیْد"

یہی قلب حق سبحانہٗ تعالیٰ کا عرش ہے اس کی وسعت ایسی غیر محدود ہے کہ لامکان لا حد کی اس میں سمائی ہے۔

کشف اور اس کی اقسام

جاننا چاہیے کہ عادت کے خلاف باتوں کا کسی شخص سے واقع ہونا خوارق عادات کہلاتا ہے اس کی چند اقسام ہیں جن میں ایک کشف بھی ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

کشف کونی : وہ یہ کہ موجودات کے حالات جو اس کی نظر سے غائب ہیں خواہ زمانہ حال کے ہوں یا مستقبل کے اس پر ظاہر ہو جائیں جیسا کہ بیہقی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہُ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما نے جہاد کے لیے ایک لشکر بھیجا اور اس لشکر کا امیر حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ نام کے ایک شخص کو بنایا چنانچہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ پڑھ رہے تھے۔ کہ عین خطبہ ہی میں آپ نے آواز دی کہ اے ساریہ رضی اللہ عنہ! پہاڑ کی طرف سے ہوشیار ہو جاؤ۔ آپ نے یہ آواز اس وقت دی تھی جبکہ کفار پہاڑ کے پیچھے مسلمانوں کی گھات میں بیٹھے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اتنی منزلوں کی دوری کے باوجود سب نظر آ گیا اسی لیے حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو خبردار کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس آواز کو وہاں پہنچا دیا۔

کشفِ الٰہی : یعنی اپنے اور دیگر سالکوں کے احوال سے سلوک کے راستہ میں خبردار ہو جائے اور ہر ایک کے متعلق اللہ تعالیٰ کی نزدیکی کے مرتبہ کا پتہ لگ جائے اور وہ تمام علوم جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے تعلق رکھتے ہیں اس قسم سے ہیں بشرطیکہ عالم مثال میں کشف کی آنکھ سے دیکھے۔

الہام : خوارق کی ایک قسم الہام بھی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ صوفی کے دل میں کوئی علم القا کر دے اور ہاتف غیبی فرشتے کا کلام بھی اسی شمار میں ہے۔ اکثر اوقات نفس وشیطان کی طرف سے القا ہوتا ہے اس کو وسوسہ کہتے ہیں۔ الہام اور وسوسہ میں یہ فرق ہے کہ الہام سے صوفیاء کے دل کو اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے اور وسوسہ سے اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"اپنے دل سے بھی فتویٰ پوچھ لیا کر اگرچہ فتویٰ دینے والے تجھ کو فتویٰ دیں"

توجہ

توجہ سے مراد تسخیر قلب کی وہ خاصیت ہے جس میں صاحب توجہ اپنے خیال کی طاقت اور ارادے کی قوت کے ذریعے کسی کے دل پر اثر انداز ہو کر اس کے قلب میں تبدیلی کی کیفیت پیدا کرتا ہے اس کو اصطلاح تصوف میں تصرف بھی کہتے ہیں۔ "**توجہ**" اپنی قوت ارادی اور خیال کی طاقت سے کسی کے دل پر اثر ڈال کر اس کی حالت میں تبدیلی پیدا کرنا توجہ یا تصرف یا ہمت کہلاتا ہے اہل طریقت اس کے ذریعہ سے سالکوں کے دلوں پر ان کی اصلاح کا اثر ڈالتے ہیں۔

"**حکم**" جو مواقع شرع شریف میں جائز اور محمودہ ہیں ان میں توجہ وتصرف کا استعمال جائز ہے اور جو مواقع ممنوع یا مکروہ ہیں ان میں توجہ کا استعمال ممنوع یا مکروہ ہے مثلاً اصلاح امراض باطنیہ (حسد کینہ وغرور وغیرہ) میں اور سلب امراض وکشف نسبت وغیرہ میں جائز اور مستحسن ہے اور کسی کے دل پر زور ڈال کر اس کے دل کا حال معلوم کرنا یا اس سے کوئی رقم حاصل کرنا وغیرہ ممنوع ہے۔

توجہ (تصرف) قرآن پاک سے ثبوت:

(۱) "وَ اَیَّدْ نٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُس"

"ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کی تائید روح پاک سے کی" (وصف بشریت پر ملکیت کو غالب کردیا)

حدیث نبوی ﷺ میں اسی طرح ہے آپ ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کیلئے دعا کی:

"اللھم ایدہ بروح القدس" (مسلم شریف)

"اے اللہ (حضرت حسان) کی امداد روح پاک سے کر (جبرائیل علیہ السلام)"

اس آیت اور حدیث میں تاثیر باطنی کی دلیل ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں تائید باطنی یوں ظاہر ہوئی کہ اوصافِ ملکیہ سے متصف ہوئے اور ملائکہ کی دنیا میں آباد ہوئے۔ اور حضرت حسانؓ کی تائید سے یقیناً تائید باطنی مراد ہے حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ الٰہی حسان کے دل میں جبرائیل علیہ السلام کے القا اور الہام سے کفار کی توہین کرنے کی قوت پیدا کردے۔ تاکہ وہ ایسے اشعار پر قادر ہو جائیں۔

(۲) "اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" ط

(سورۃ انفال آیت ۱۲)

ترجمہ: "اس وقت کو یاد کرو جب آپ کا رب فرشتوں کو حکم دیتا تھا۔ کہ میں تمہارا ساتھی ہوں سو تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ"

فرشتوں کی جو ڈیوٹی لگائی گئی اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان والوں کے دلوں میں ایسی قوت القا کریں کہ ان کے دل قوی ہو جائیں۔ اور کفار کا مقابلہ پوری ہمت سے کریں۔

(۳) "اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا"

(سورۃ آل عمران آیت ۱۰۳)

"جب تم دشمن تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی سو تم خدا کی اس نعمت سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے"

"یعنی اسلام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مدینہ والے اوس اور خزرج کے قبیلوں کو متفق کر دیا اور نبی کریم ﷺ کے ذریعہ سے ان میں صلح کرادی" (تفسیر مظہری جلد دوم پارہ چہارم)

حدیث پاک نمبر (۱): حضور اکرم ﷺ جب غار حرا میں تھے۔ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور تین بار فرمایا "اِقْرَاْ" دو دفعہ حضور ﷺ نے جواب دیا (مَا اَنَا بِقَارِی)

اور تیسری دفعہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سینہ سے لگا کر چھوڑا تو حضور ﷺ نے پڑھنا شروع کر دیا۔ اس دبوچنے سے یہ مقصود تھا کہ نور ملکی آنحضرت ﷺ کے تمام جسم شریف میں سرایت کر جائے اور آپ ﷺ کا دل خوب متوجہ ہو۔ اسی وجہ سے بار بار یہ کیا۔ (شرح نووی مسلم)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ دبانے والے کا اتصال اس کے جسم سے ہوا جسے بھینچا گیا۔ یہ ایک طریقہ حصول فیض کا ہے۔

اس روایت کی روشنی میں صوفیاء سالکین کو شروع میں تین دفعہ توجہ کرتے ہیں۔

حدیث نمبر (۲): حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حدیثِ پاک یاد کرنے کا بہت شوق تھا۔ اور آپ کا حافظہ کمزور تھا جس کی شکایت آپ نے نبی کریم ﷺ سے کی تو حضور ﷺ نے فرمایا! چادر پھیلاؤ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے چادر پھیلائی تو سرکار دو جہاں ﷺ نے تین مرتبہ آپ کی چادر میں کچھ ڈالا اور فرمایا کہ اسے سینے سے لگاؤ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے چادر کو اپنے سینے سے لگایا اور آپ کو قوتِ حافظہ عطا ہو گئی، بعد میں آپ کو کبھی بھی حدیثِ پاک نہ بھولی۔ (بخاری شریف)

حدیث نمبر (۳): ایک غزوہ سے نبی کریم ﷺ واپس آئے اور آپ ﷺ ایک درخت کے نیچے آرام فرما ہوئے اور اپنی تلوار درخت کے ساتھ لٹکا دی ایک یہودی آیا اس نے آپ ﷺ کی تلوار میان سے نکالی اور آپ کو جگا کر کہا اے محمد ﷺ آپ کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اللہ جل جلالہٗ، یہ سُن کر وہ کانپنے لگا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اور آپ ﷺ نے اٹھائی اور فرمایا! کہ اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا۔ وہ گھبرا گیا اور اس نے کہا کہ کوئی نہیں۔

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا!

"کہ اگر تو بھی کہہ دیتا اللہ تو تجھے بھی اللہ تعالیٰ بچا لیتا۔ آپ ﷺ کی اس توجہ کی برکت سے وہ مسلمان ہو گیا"

حدیث نمبر (۴) : حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں مسجد میں تھا ایک شخص آ کر نماز پڑھنے لگا اور قرآن مجید اس طرح پڑھا کہ میں نے اس کو عجیب سمجھا پھر ایک اور شخص آیا اس نے اور ہی طرح قرآن مجید پڑھا جب ہم سب نماز ادا کر چکے تو ہم سب کے سب حضور نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے اور میں نے عرض کیا کہ اس شخص نے اس طرح پڑھا تھا کہ میں نے اس کو سمجھا اور یہ دوسرا جو آیا تو اس نے اور ہی طرح پڑھا۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کا پڑھنا ٹھیک بتایا۔ میرے دل میں تکذیب (کی حالت درجہ وسوسہ) واقع ہوئی۔ مگر حالت جاہلیت کی سی نہیں جب حضور انور ﷺ نے یہ حالت دیکھی جو مجھ پر چھائی جا رہی تھی تو آپ ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور خوف سے میری یہ حالت ہوئی کہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا! اے ابی پہلے مجھے حکم دیا گیا کہ میں قرآن ایک حرف (ایک قرات) میں پڑھوں، دوبارہ مجھے حکم ہوا کہ دو حرفوں میں پڑھوں پھر میں نے دوسری بار عرض کیا کہ میری امت پر آسانی فرما پھر دوبارہ مجھے حکم ہوا کہ سات حرفوں میں پڑھوں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جتنی بار تم نے امت پر آسانی کے لیے دعا کی ہر بار کے بدلے میں ایک دعا قبول ہے۔ ہم سے مانگ لو۔ میں نے عرض کیا یا اللہ میری امت کو بخش دے یا اللہ میری امت کو بخش دے اور تیسری دعا میں نے اس دن کے لیے اٹھا رکھی ہے جس روز تمام مخلوق میری طرف رغبت کرے گی، حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی۔

• اس حدیث میں ارادے سے ہاتھ مارنا جس سے یہ حالت ہو گئی توجہ یا تصرف ہے۔

(صحیح مسلم۔ کتاب فضائل القرآن)

حدیث نمبر (۵) : زہرہ بن معبد رضی اللہ عنہ راوی کہتے ہیں ہم آپ ﷺ کے ہمراہ تھے اور آپ ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی واللہ یا رسول اللہ ﷺ البتہ آپ ﷺ مجھے سوائے میری جان کے ہر چیز سے

عزیز تر ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تو مومن کامل نہیں ہوگا جب تک کہ میں تجھ کو اپنی جان سے بھی زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔ پس حضرت محمد ﷺ کی توجہ کی برکت سے اس وقت اُن کے دل میں حضرت محمد ﷺ کے فرمانے کی ایسی تاثیر ہوئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا قسم ہے اللہ پاک کی اب آپ ﷺ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔

پس حضور انور ﷺ نے فرمایا!

"اے عمر رضی اللہ عنہ اب تو پورا مومن ہوا"

اس حدیث میں حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر تصرف کیا اور ان کے دل سے اپنی جان کی محبت دور فرمائی جو ظاہر ہے۔ (مسند احمد ۵/۲۴۲ فانہم)

حدیث نمبر (۶) : نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا!

"مَا صبَّ اللّٰهُ شَيْئاً فِیْ صَدْرِیْ اِلَّا صَبَبْتُهٗ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بکرؓ"

جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں ڈالا تھا میں نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سینے میں ڈال دیا۔ (الحاوی للفتاویٰ)

حدیث نمبر (۷) : حضور پاک ﷺ نے فرمایا:

"اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَ اللّٰهُ یُعْطِیْ" (بخاری شریف)

میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے۔

آپ ﷺ قاسم مطلق ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عنایات آپ ﷺ کے سینے سے ساری کائنات میں تقسیم ہو رہی ہیں۔

بزرگانِ دین سے توجہ کرنے کا ثبوت اور اس کے طریقے

(فیض القا کرنا)

(۱) ملفوظات غلام علی شاہ دہلوی المعروف درالمعارف میں ہے کہ حضرت شاہ گل محمد غزنوی نے طریقہ توجہ کے بارے میں پوچھا آپ نے ارشاد فرمایا: کہ حضرات نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جو طریقہ ہم تک پہنچا ہے وہ اس طرح ہے کہ سب سے پہلے ارواح طیبہ کیلئے فاتحہ خوانی کرے یعنی حضور امام الانبیاء سید الاصفیاء احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے پیران کبار اور صاحبان اسرار خصوصاً خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے فاتحہ خوانی کرے اس کے بعد بارگاہِ خداوندی میں دست دعا دراز کر کے عاجزی پیش کرے اور اپنے مشائخ سے مدد طلب کرنے کے بعد قلبِ طالب کی طرف متوجہ ہو۔

حضرت غلام علی شاہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے قلب کو قلب طالب کے سامنے کر کے توجہ ڈالتا ہوں اور ذکر کا نور جو اپنے مشائخِ عظام کے ذریعے عاجز کے دل میں آیا ہے اسے طالب کے دل میں القا کرتا ہوں یہاں تک کہ طالب کا قلب ذاکر ہو جاتا ہے۔

اسی طریقے کے مطابق لطیفہ روح سری، خفی، اخفیٰ کے ذریعے ذکر القا کرتا ہوں۔

(درالمعارف، فیض نقشبند ملفوظات غلام علی شاہ دہلویؒ، مترجم مولانا عبدالحکیم خان اختر شاہجہان پوری صفحہ ۴۶)

(۲) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "القول الجمیل" میں لکھتے ہیں۔ اس کی شرح شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے فرماتے ہیں کہ

سب راہوں سے اقرب ترین راستہ رابطہ شیخ ہے کبھی مرید میں قابلیت نہیں ہوتی تو اسکی مزید محبت سے مرشد اس میں تصرف کرتا ہے۔ مشائخِ طریقت نے فرمایا ہے کہ اللہ کے ساتھ صحبت رکھو سو اگر تم سے نہ ہو سکے تو ان کے ساتھ صحبت رکھو جو اللہ کے ساتھ صحبت رکھتے ہیں نقشبندی اکابرین کے سوا باقی متوسلین کے نزدیک طالب میں تاثیر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مرشد طالب کے نفس ناطقہ کی طرف متوجہ ہو کر اپنی پوری قوت قوی ہمت سے ٹکرائے پھر ڈوب جائے اپنی نسبت میں جمیعت خاطر سے اور یہ تصرف اس کے بعد ہو گا کہ نفس مرشد کسی نسبت کا حامل ہو ان بزرگوں کی نسبتوں میں سے اور اسے نسبت کاملہ حاصل ہو۔ پھر مرشد کی نسبت طالب کی طرف منتقل ہو گی اس کی لیاقت اور استعداد کے موافق بعض نقشبندی اس توجہ کے ساتھ ذکر کو اور طالب کے دل پر ضرب لگانے کو بھی ملا دیتے ہیں اور جب طالب غائب ہو تو اس کی صورت کو خیال کرتے ہیں (القول الجمیل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ)

(۳) سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ محبوب عالم شاہ اپنی کتاب خیر الخیر میں توجہ کے طریقہ کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ

مرشد اپنے لطیفے کو جسکا فیض مرید کے لطیفے میں ڈالنا ہے اس میں ذکر کرے اور اپنے پیر کی صورت کا تصور کرے۔ تصور کرنے سے لطیفہ میں جوش پیدا ہوتا ہے پھر اپنے لطیفہ کو مرید کے لطیفہ کے مقابل کرے اور اس میں توجہ سے نور ڈالے اور اپنے خواجگان سے طلب امداد اور جناب الٰہی میں التجا کرے۔

اور توجہ لینے کا طریقہ یہ کہ مرید اس طرح نیت کرے مرشد کی توجہ میں بیٹھے کہ میں متوجہ ہوں طرف قلب اپنے کے اور قلب میرا متوجہ ہے ذاتِ احدیت کے فیض آتا ہے ذاتِ احدیت سے میرے مرشد کے قلب میں اور مرشد کے قلب کے نیچے اپنا قلب لگائے اور خیال کرے کہ مرشد کے قلب سے پرنالہ کی طرح میرے قلب میں نور آتا ہے اور میں وہ نور کھینچ کر اپنے دل میں ڈال رہا ہوں۔

(۴) تذکرہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمتہ اللہ علیہ میں لکھا ہے آپ رحمتہ اللہ علیہ نے ایک دن فرمایا کہ عوارف المعارف میں شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک سانپ ہوتا ہے اس کی نظر میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ جس چیز پر اس کی نظر پڑتی ہے وہ اس وقت جل جاتی ہے جب کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ایک حیوان کی نظر میں یہ تاثیر رکھی ہے تو ایک کامل کی نظر میں جو کہ اشرف موجودات ہے کیا کچھ تاثیر ہوگی جو کوئی اس کا انکار کرتا ہے وہ احمق ترین آدمی ہے بلکہ اللہ والوں کی نظر میں تو ایسی تاثیر ہوتی ہے۔ جس پر پڑ جائے اسے کمال حاصل ہو جائے۔

آناں کہ خاک دا بہ نظر کیمیا کنند　　سگ راولی کنند مگس راھما کنند
آناں کہ چشم را بہ دو صد حیلہ را کنند　　آیا بود کہ گوشہ چشمے بہ ما کنند

(تذکرہ خواجہ سلیمان تونسوی، مترجم صاحبزادہ محمد حسین للہ شریف)

(۵) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب "انفاس العارفین" میں فرماتے ہیں کہ حضرت والد صاحب شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمتہ اللہ علیہ سے اجمالاً اور ان کے بعض احباب سے تفصیلاً سننے میں آیا ہے کہ سرہند کا ایک شخص طبعی طور پر منکر ولایت تھا پہلے پہل ایک بزرگ سے بیعت کر کے اس سے فیضان حاصل کیا اتفاقاً عید کے دن شیخ بزرگوار حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادہ شیخ محمد معصوم رحمتہ اللہ علیہ سے مصافحہ کیا تو انہوں نے فرمایا: میاں دیر سے آئے ہو کہاں تھے اس قسم کے جملے ازراہ تلطف فرمائے تو اس کا دل ان کی طرف پھر گیا اور آنا جانا شروع کر دیا۔ پہلے بزرگ کے ہاں آنے جانے میں کمی کر دی۔ جب اسے یہ قصہ معلوم ہوا۔ (اس بزرگ کو) تو وہ توجہ کے ذریعے شیخ محمد معصوم کے ہلاک کرنے پر کمر بستہ ہو گیا۔ انہوں نے مدافعت کی یہاں تک اس کا بھیجا ہوا اثر اسی پر پلٹا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد وہ مرید اسی طرف حضرت خواجہ محمد معصوم رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں رہتا رہا۔

کافی مدت کے بعد ادھر سے بھی (خواجہ معصوم رحمتہ اللہ علیہ) سے بھی اس کے دل میں

شک واضطراب پیدا ہوا۔ الغرض اسی طرح وہ درویشوں کے ہاں آتا جاتا اور انکار کرتا رہا۔ اس سبب سے کوئی نفع نہ حاصل کر سکا۔ ایک دن میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ کوئی شخص بھی صاحب تصرف نہیں ہے یہ سن کر میں نے اس پر توجہ ڈالی تو وہ بے خود ہو گیا اور اسی بے خبری کے عالم میں دیکھا کہ گویا اسے سبز خلعت دی گئی ہے جب اسے افاقہ ہوا تو اس کا دیکھا واقعہ بھی میں نے اسے بیان کر دیا۔ اس نے واقع سن کر اعتراف کیا مگر فطرتاً منکر ولایت ہونے کے سبب کوئی نفع حاصل نہ کر سکا۔

کاتب (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ واقعہ طویل ہے مگر مجھے سبز خلعت تک والے جملے تک ہی یاد رہ سکا۔ حضرت والد صاحب سے اجمالاً اور ان کے بعض دوستوں سے تفصیلاً یہ بھی سنا گیا کہ آپ ایک مرتبہ ایک بکری پر حالت غلبہ میں توجہ کی تو اس پر ایک عجیب حالت طاری ہو گئی۔ کئی دن اسے گھاس اور پانی کا شعور تک نہ رہا اور بالآخر مر گئی۔

(انفاس العارفین از شاہ ولی اللہؒ، مترجم سید محمد فاروق قادری ایم۔اے صفحہ ۱۲۹)

(۶) حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ سے ایک مجذوب نے سوال کیا کہ اگر اولیاء کرام اپنے تصرف اور توجہ سے لوگوں کی زندگی بدلتے ہیں تو سب کی زندگیاں کیوں نہیں بدلتیں کتنے خالی لوٹتے ہیں اور اگر یہ لوگ تصرف نہیں کر سکتے تو لوگ ان کے پاس کیا لینے آتے ہیں۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اسے فرمایا کہ اولیاء کرام رحمتہ اللہ علیہ مشائخ عظام طبیب قلبی ہوتے ہیں۔ دوا تجویز کرتے ہیں۔ نسخہ بناتے ہیں لیکن آنے والا دوائی کے اجزا خود لاتا ہے مثلاً ایک آدمی کے پاس ہرڑ اور نمک ہے تو طبیب اس دونوں چیزوں کی ترتیب ٹھیک کر کے جو نسخہ بن سکے گا وہی بنائے گا اور جو مریض آٹھ یا دس مختلف جڑی بوٹیاں لاتا ہے اسے ان کے مطابق نسخہ تیار کر دے گا اور اگر ان کے پاس کوئی اجزا نہ لے کر آئے تو اپنی طرف سے اسے کوئی چیز نہیں دے گا۔

آپ نے یہ مثال دے کر واضح کیا کہ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق حاصل کرتا ہے اور کسی میں بالکل استعداد نہیں ہوتی وہ محروم رہتا ہے۔ (مکتوبات حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ)

(۷) شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اخبار الاخیار میں نقل کرتے ہیں کہ سیدنا غوث اعظم جیلانی محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ اپنی محفل میں پہلے وعظ فرماتے تھے پھر آپ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ قیل وقال کا وقت اب ختم ہو گیا ہے اور حال کی طرف آتے ہیں تو مجمع میں آہ و بکا شروع ہو جاتی کچھ لوگ تڑپتے کچھ کپڑے پھاڑ دیتے اور دوڑ کر جنگلوں میں چلے جاتے اور کچھ مر جاتے تھے۔ (اخبار الاخیار، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)

بعض سیرت نگاروں نے آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ شہادت کی انگلی کے اشارے سے "لا الٰہ الا اللہ" فرماتے اور مجمع میں مختلف کیفیات کا ورود ہوتا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب "لمعات" میں نقل فرماتے ہیں کہ سارے اولیائے امت اور اصحاب سلاسل میں جنکی روحانیت کا مقام سب سے بلند ہے اور جنکی قوت نسبت سب سے اتم واکمل ہے وہ حضرت سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ہیں جن کے بارے میں بزرگوں نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اپنی قبر مبارک میں زندوں کی طرح تصرف فرماتے ہیں۔

(۸) سلطان احمد فاروقی سیالوی اپنی کتاب "چشت اہل بہشت" میں نقل کرتے ہیں کہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمتہ اللہ علیہ سے جو آدمی ہاتھ ملاتا تھا اس پر رونے کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور اس کے باطن میں عجیب ذوق پیدا ہوتا تھا۔

(چشت اہل بہشت، سلطان احمد فاروقی سیالوی)

(۹) سیر العارفین میں درج ہے کہ جب خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی عمر پندرہ سال ہوئی تو آپ رحمتہ اللہ علیہ کے والد گرامی وفات پا گئے وہ بہت امیر اور ایک لمبے چوڑے باغ کے مالک تھے والد صاحب کی یہ تمام جائیداد آپ رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ میں آئی۔ ایک دن آپ رحمتہ اللہ علیہ اس موروثی باغ میں بیٹھے تھے کہ خواجہ ابراہیم مجذوب رحمتہ اللہ علیہ کا گزر وہاں سے ہوا جو کامل ترین ولی اللہ تھے آپ رحمتہ اللہ علیہ ان کی تعظیم کے

لیے اٹھے، بڑی تواضع کے ساتھ انہیں بٹھایا اور اپنے باغ سے انگور کے کچھ خوشے چن کر ایک پلیٹ میں رکھ کر ان کی خدمت میں پیش کیے۔ خواجہ مجذوب رحمتہ اللہ علیہ نے انگور خوشی سے تناول فرمائے۔ پھر انہوں نے اپنی بغل میں سے روٹی کا ایک ٹکڑا نکالا اور آپ رحمتہ اللہ علیہ کو دیا اس ٹکڑے پر انہوں نے لعابِ دہن بھی لگا دیا۔ مذکورہ ٹکڑا کھاتے ہی آپ رحمتہ اللہ علیہ کا باطن روشن ہو گیا اور دنیاوی جائیداد سے دل اچاٹ ہو گیا۔ چنانچہ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے وہ باغ غربا میں تقسیم کر دیا اور خود سفر پر روانہ ہو گئے۔ روٹی کے ٹکڑے سے دل کی دنیا بدلنا تصرف کی بہترین کیفیت ہے۔ (سیر العارفین)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی توجہ کا طریقہ تقریباً شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ جیسا ہی لکھا ہے۔ (کلیات امدادیہ)

(۱۰) توجہ تصرف اور فیض القا کرنے کی ایک قسم خرقہ پہنانا بھی ہے جیسے عوارف المعارف میں شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روحانی ترقی کا سرچشمہ شیخ کی خدمت اور صحبت ہے اور خرقہ اس کا مقدمہ اور نقطہ آغاز ہے آگے آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خرقہ پوشی نبی کریم ﷺ کی سنت ہے اور خرقہ پہنانے میں نیابت رسول اللہ ﷺ ہے۔

حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ خرقہ کی اصل کیا ہے؟ فرماتے ہیں کہ منقول ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آپ علیہ السلام کے بدن سے تمام کپڑے اتروائے گئے اور آپ علیہ السلام کو برہنہ آتشِ نمرود میں ڈالا گیا اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام ان کے لیے بہشت سے حریر کا ایک حلہ لے کر آئے اور پہنایا مدتوں وہی حلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس رہا پھر ان سے ان کے فرزند حضرت اسحاق علیہ السلام کو ورثے میں ملا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس ترکہ میں پہنچا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس قمیض کو ایک تعویذ میں رکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام کے

گلے میں ڈال دیا حضرت یوسف علیہ السلام اس تعویذ کو ہمیشہ پہنے رہتے تھے اور خود سے کبھی جدا نہیں کرتے تھے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے برہنہ کنویں میں ڈال دیا تو جبرائیل علیہ السلام ان کے پاس آئے اور آپ علیہ السلام کے تعویذ سے وہ قمیض ابراہیمی نکال کر حضرت یوسف علیہ السلام کو پہنادی۔

شیخ مجاہد باسناد شیوخ مروی ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام بہت زبردست عالم تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو علم سے نوازا تھا لیکن ان کو یہ علم نہیں تھا کہ ان کی قمیض سے یعقوب علیہ السلام کی بصارت واپس آجائیگی۔ کیونکہ یہ قمیض حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تھی اس سلسلے میں حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ تم اپنی قمیض بھیج دو اس لیے کہ اس میں بہشت کی خوشبو ہے یہ جس مصیبت زدہ یا بیمار کو سونگھائی جاتی ہے وہ تندرست ہو جاتا ہے چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ کا خرقہ بھی مرید صادق کے لیے جنت کی خوشبو سے بسا ہوا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور ذکر کے سلسلہ میں اس کے حصے میں آیا ہے اور خرقہ کا پہننا اسی قبیل سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عنائت اور اس کا فضل اس مرید کے شامل حال ہے۔

القصہ

(۱) توجہ کی غرض غفلت کو دور کرنا اور نور ایمان کو تیز کرنا۔

(۲) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ توجہ سے انکشاف ہو جاتا ہے۔

(۳) مجاہدات اور ریاضت کے ذریعے سالہا سال اتنا فائدہ نہیں ہوتا جو شیخ کی تھوڑی سی توجہ سے حاصل ہوتا ہے۔

(۴) شیخ کی توجہ کے بغیر محض مجاہدات سے منازل سلوک طے نہیں ہو سکتیں کیونکہ سلوک اور تصوف القائی اور انعکاسی عمل ہے۔

(۵) توجہ کے لیے قلب میں قبولیت کی استعداد کا ہونا ضروری ہے اس لیے اس اعتراض کی گنجائش نہیں کہ ابو جہل پر رسول اللہ ﷺ نے تصرف کیوں نہ کیا۔

سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

پتھر چت جہاندا باہو رحمتہ اللہ علیہ اوتھے ضائع وساں مینہاں ہو!

آگے فرماتے ہیں

تمے تربوز نہ ہوندے باہُوؒ بھانویں توڑ مکے لے جائیے ہو!

مرشد ایسا کامل ہووے، جیہڑا دھوبی وانگن چھٹے ہوُ!

نال نگاہ دے صاف کریندا وچ سجی صابون نہ گھتے ہوُ

میلیاں تھیں کردیندا اچٹا وچ ذرا میل نہ رکھے ہوُ!!

میں قربان تنہاں تھیں باہُوؒ جیہڑا لوں لوں دے وچ وسے ہوُ

(ابیات باہو رحمتہ اللہ علیہ)

اسی طرح میاں محمد بخش رحمتہ اللہ علیہ کھڑی شریف والے فرماتے ہیں:

کامل پیر محمد بخشا لعل بنان پتھر دا

اقسام توجہ :

تفسیر عزیزی میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے توجہ وتصرف کی اقسام اس طرح بیان فرمائی ہیں۔

انعکاسی : وہ ایسی ہے جیسے کوئی شخص خوب عطر لگا کر مجلس میں آئے اور اس عطر کی خوشبو سب اہل مجلس کے دماغوں کو معطر کر دے پس اس قسم کا اثر ضعیف ہے اور صحبت کے باقی رہنے تک باقی رہتا ہے اور پھر کچھ بھی نہیں۔

القائی : جیسے کوئی شخص بتی اور تیل ایک برتن میں ڈال کر لایا اور دوسرے کے پاس آگ تھی اس نے روشن کر دیا۔ پس چراغ تیار ہو گیا۔ یہ تاثیر البتہ کچھ طاقت رکھتی ہے کہ اس کے بعد بھی اثر باقی رہتا ہے لیکن جب اس کو صدمہ پہنچ جائے جیسے چراغ کے لیے آندھی یا کوئی اور آفت تو اس کا اثر جاتا رہتا ہے اس لیے کہ یہ تاثیر نفس اور لطائف کی درستی نہیں کر سکتی جیسے ناکارہ تیل اور بتی اور برتن کہ اس کو آگ درست نہیں کر سکتی۔

اصلاحی : وہ اس طرح کہ جیسے پانی کو دریا سے یا کنوئیں سے لا کر کسی حوض میں جمع کریں۔ حوض کے راستے کو بالکل صاف کر دیں۔ اس حوض میں فوارہ بھی ہو اس کا راستہ بھی خوب صاف کر دیں اور پانی کو چھوڑ دیں اور پانی خوب زور سے حوض میں پہنچے اور فوارہ خوب زور سے باہر ادھر ادھر چھوٹنے لگے۔ اس قسم کی تاثیر پہلی تاثیروں سے بہت طاقتور ہے کیونکہ اس میں نفس کی اصلاح اور لطیفوں کی صفائی بھی ہوتی ہے لیکن پانی کے خزانے کی مقدار اور راستہ کے موافق نہ ہوگا۔ کہ کنوئیں اور دریا کے برابر اور ان سب باتوں کے ساتھ ہی اگر خزانے میں کوئی فتور یا آفت ہو جائے تو البتہ نقصان آجاتا ہے۔

تاثیر اتحادی : وہ یہ ہے کہ شیخ اپنی کمال والی روح کو طالب کی روح سے پوری قوت کے ساتھ ملائے تا کہ شیخ کی روح کا کمال طالب کی روح میں اثر کر جائے اور یہ مرتبہ سب قسموں میں زیادہ طاقتور ہے کیونکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ دونوں روحوں کے ملنے اور ایک ہو جانے سے جو کمالات شیخ کی روح میں ہیں وہ طالب کی روح میں سما جاتے ہیں اور بار بار فائدہ لینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ (تفسیر عزیزی پ ۳۰ سورۃ علق)

جیسا کہ خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نانبائی کو توجہ کی پھر پتہ نہیں چلتا تھا کہ خواجہ صاحب کون ہیں اور نانبائی کون ہے یعنی خواجہ محمد باقی باللہ اور نانبائی کی شکل ایک جیسی ہوگئی۔

وجد: وجد ایک ایسا روحانی جذبہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے باطن انسانی پر وارد ہو جس کے نتیجہ میں خوشی یا غم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اس جذبہ کے وارد ہونے سے باطن کی ہیت بدل جاتی ہے اور اس کے اندر رجوع **اِلَی اللہ** کا شوق پیدا ہوتا ہے گویا وجد ایک قسم کی راحت ہے یہ اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس کی صفات نفس مغلوب ہوں اور اُس کی نظریں اللہ تعالیٰ کی طرف لگی ہوں۔

کشف المحجوب میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وجد کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ یہ وہ غم ہے جو محبت میں ملتا ہے اس لیے بیان سے باہر ہے نیز وجد طالب اور مطلوب کے درمیان ایک راز ہے جسے بیان کرنا مطلوب کی غیبت کے برابر ہے وجد عارفوں کی صفت ہے۔

تواجد: عوارف المعارف میں شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ذکر اور فکر سے وجد کو حاصل کرنا تواجد کہلاتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ تواجد وجد لانے میں ایک تکلف ہوتا ہے۔ اور یہ انعامات وشواہد حق کو دل کے حضور پیش کرنا ہے اور محبوب کے وصال کا خیال اور انسانی آرزوؤں کا جوش میں آنا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا!

"جو کسی قوم سے مشابہت پیدا کرتا ہے وہ اسی سے ہوتا ہے"

حضور ﷺ نے فرمایا!

"جب تم قرآن پڑھو تو رؤو، اگر رونا نہ آئے تو تکلف سے رؤو"

اور یہ حدیث تواجد کے مباح ہونے پر گواہ ہے۔ (کشف المحجوب)

وجد قرآن حکیم کی روشنی میں

(۱) "لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ" (سورۃ حشر پ۲۸ آیت ۲۱)

"اگر ہم نازل کرتے اس قرآن کو ایک پہاڑ پر تو ضرور تو دیکھتا اسے جھکا ہوا پاش پاش ہوتا اللہ تعالیٰ کے خوف سے"

تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ وجد کے متعلق لکھتے ہیں۔

اور جہاں تک وجد کا تعلق ہے جو اہل صلاۃ و اہل قرآن صالحین پر طاری ہوتا ہے تو اس کا سماع حلال اور جائز ہے اس میں ہمارے علماء میں سے کسی کا اختلاف نہیں جبکہ اس کا مقصد صرف رضا الٰہی اور حضور ہو اور خوف آخرت سے ذکر کرتے ہوں اس طرح یہ سب محمود اور غیر مذموم ہے اور اس معنی کے لحاظ سے تواجد اور رقص بھی غیر مذموم ہے۔ (تفسیر مظہری ص ۲۴۹)

(۲) "فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ"

"پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ بے ہوش گر پڑے"

تفسیر:

شمشاد الدینوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

میں نے خواب میں حضور ﷺ سے ملاقات کی میں نے پوچھا:

یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ سماع پر انکار کرتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس کی کوئی بھی چیز بری نہیں لگتی لیکن ان لوگوں سے کہہ دو کہ سماع کا افتتاح اور اختتام قرآن پاک کی تلاوت سے کریں۔

(۳) "وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ"

"موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کو ہمارے عہد کے لیے منتخب کیا جب زلزلہ نے آلیا" (سورۃ الاعراف جز۔۹ آیت ۱۵۵)

حضرت علامہ سید محمود الوسی رحمتہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے اشراف سے ستر ایسے افراد کا انتخاب کیا جو صاحبان استعداد اور سلوک تھے۔ جب ان پر تجلیات کا ظہور ہوا تو ان کے جلد اور بدن حرکت کرنے لگے۔ اور ان کو زلزلے نے آلیا۔ یعنی وہ کانپنے لگے اور کانپنا جو بدن پر تجلی صفاتیہ اور انوار و خوارق کے ظہور کے سبب سے لگتا ہے جو بدن پر بال کھڑے ہونے اور بدن کی حرکت سے عبارت ہے ایسی حالت اکثر سالکین پر ظاہر ہوتی ہے جو قرآن کریم کی تلاوت کرنے سننے یا اشعار سننے سے آتی ہے قریب ہے کہ اس سے ان کے اعضاء ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔ (وہ اشعار جن میں رسول اکرم ﷺ کی صفت کی گئی ہو یا اولیاء کرام کی مدح پر مشتمل ہوں) اور ہم نے یہ مشاہدہ کیا حضرت خالد رحمتہ اللہ علیہ کے مریدوں میں جو طریقہ نقشبندیہ میں تھے اور نماز کے دوران یہ حالت عارض ہونے کی وجہ سے اکثر وہ نماز میں چیختے تھے۔ اسی وجہ سے بعض سالکین نماز کا اعادہ کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے ان لوگوں پر بہت انکار کیا جاتا ہے اور میں نے بعض منکرین سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ حالت عقل و شعور کی موجودگی کے باوجود عارض ہو جائے تو یہ بے ادبی ہے اور اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور اگر یہ حالت عقل و شعور کی عدم موجودگی میں آجائے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ وضو نہیں کرتے۔ میں ان کو جواب دیتا ہوں جن کا خیال کہ وجد اور اس حالت سے نماز اور وضو دونوں ٹوٹ جاتے ہیں کہ یہ حالت غیر اختیاری ہے عقل و شعور کے ساتھ اس کی مثال کھانسی اور چھینک جیسی ہے اس لیے اس سے نہ تو نماز باطل ہوتی ہے اور نہ وضو ٹوٹتا ہے۔ (تفسیر روح المعانی ص۔۸۶۔ ج۔۹)

(۴) "فَلَمَّا رَاَيْنَهٗ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ"

ترجمہ: "جب عورتوں نے یوسف علیہ السّلام کو دیکھا اس کی بڑائی بولنے لگیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور بولیں اللہ تعالیٰ کے لیے پاکی ہے" (سورۃ یوسف جز ۱۲ آیت ۳۱)

حضرت افندی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ایک دفعہ علاؤ الدین الخلوتی بروسہ شہر میں وعظ کے لیے منبر پر بیٹھ گئے بہت سارے لوگ ان کی تقریر سننے کے لیے جمع تھے۔ حضرت خلوتی رحمتہ اللہ نے ایک بار کہا یا اللہ پوری جماعت پر ایک حالت طاری ہوئی اور رقص کرنے لگے قریب تھا کہ اس آہ و بکا سے نہ لوٹتے۔ (تفسیر روح البیان ص ۳۹۸،۲-۱)

(۵) "اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ج ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ط"

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ ہی نے سب سے اچھا کلام نازل فرمایا جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے بار بار دہرائی گئی ہے جس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں" (سورۃ زمر پارہ ۲۳۔ آیت نمبر ۲۳)

تفسیر:

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں یعنی اللہ کی رحمت اور عموم مغفرت کا جب وہ ذکر کرتے ہیں تو اس ذکر کی وجہ سے ان کے دلوں میں سکون اور اطمینان پیدا ہو جاتا ہے ذکر اللہ کے ساتھ رحمت کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اصل تو رحمت ہی ہے اللہ کی رحمت غضب پر غالب ہے اِلٰی ذکر اللہ میں اِلٰی بمعنی لام ہے یعنی اللہ کے ذکر کی وجہ سے لیکن ذکر کے اندر چونکہ سکون واطمینان کا مفہوم داخل ہے اس لیے بجائے لام کے اِلٰی کہا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ جب قرآن میں آیاتِ وعید کا ذکر آتا ہے۔ تو مومنوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جلد بدن سکڑ جاتی ہے اس میں انقباض پیدا ہو جاتا ہے اور جب

آیات وعدہ کا ذکر آتا ہے تو کھالوں کا انقباض جاتا رہتا ہے۔ کھالیں نرم ہو جاتی ہیں اور دلوں میں سکون پیدا ہو جاتا ہے۔

پہلے کتابا، کی صفت مثانی، بیان کی تھی یعنی اس میں فرماں برداروں کے لیے وعدہ ثواب اور نافرمانوں کیلئے وعید عذاب کا بار بار ذکر ہے اس آیت میں وہ اثر بیان کر دیا جو وعدہ وعید سے مومنوں پر پڑتا ہے۔ (تفسیر مظہری ص۔۱۶۲۔ج۔۱۰)

(۶) "اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِكۡرِ اللّٰهِ"

(سورۃ حدید آیت ۱۶)

ترجمہ: " کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کے لیے کہ گڑ گڑائیں۔ ان کے دل اللہ کی یاد سے"

تفسیر:

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں یعنی حقیقت میں مومن مومن نہیں ہوتا مگر خشوع قلب کے ساتھ اور رونا اور بے اختیار گرنا یعنی وجد و حال باعث زیادتی خشوع قلب کا ہے۔ (تفسیر کبیر ص۔۹۳۔جلد۔۸)

وجد حدیث شریف کی روشنی میں

حضرت عقبہ بن مسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شفیا الاصحی نے فرمایا ہے کہ میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا میں نے ایک آدمی دیکھا۔ جس کے ارد گرد بہت سے لوگ جمع ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے لوگوں نے جواب میں کہا یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ہیں شفیا الاصحی فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قریب بیٹھ گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ لوگوں کو حدیث بیان کر رہے تھے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ چلے گئے اور آپ رضی اللہ عنہ اکیلے ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ مجھے ایسی حدیث بیان کیجیے جو آپ رضی اللہ عنہ، نے نبی کریم ﷺ سے سنی ہو اور یاد کی ہو۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

میں تم کو ایک ایسی حدیث بیان کرونگا جو مجھے نبی کریم ﷺ نے بیان کی ہو جو میں نے سمجھی ہو اور یاد کی ہو۔ جب آپ رضی اللہ عنہ سردار کونین ﷺ کے اسم شریف کو پہنچ جاتے تو بے ہوش ہو جاتے۔ پھر جب بیدار ہوتے تو نبی کریم ﷺ کا نام لیتے ہی بے ہوش ہو جاتے۔ پھر بیدار ہوتے اور اپنے ہاتھوں سے اپنے چہرے کو مسح کرتے۔ (جامع الترمذی ص ۶۱۔ ج۔ ۶ ابواب الزھد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں:

جب رب الکریم نے اپنے نبی ﷺ پر یہ آیت کریمہ نازل کی جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ترجمہ: "اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ"

یہ آیت ایک دن نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب کے سامنے تلاوت کی ایک نوجوان لڑکا سنتے ہی بے ہوش ہو گیا۔

نبی کریم ﷺ نے اس کے دل پر اپنا ہاتھ مبارک رکھا اس کا دل دھڑک رہا تھا نبی

کریم ﷺ نے فرمایا!

کہو"**لَا اِلٰہ الا اللہ**"اوراس کے ساتھ ہی جنت کی خوشخبری سُنائی۔

(الترغیب والترھیب ص۲۳۳۔ج۔۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ

نبی کریم ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

ترجمہ:"اور جہنم کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں"

پھر فرمایا!

"یہ آگ ہزار سال تک جلتی رہی حتیٰ کہ سرخ ہوگئی پھر ہزار سال تک (جلتی رہی) جل کر سفید ہوگئی۔ پھر ہزار سال تک جل کر سیاہ ہوئی"

نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک کالا آدمی تھا اس نے چیخ مار کر رونا شروع کر دیا۔

جبریل علیہ السلام تشریف لے آئے اور فرمایا۔

یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کے سامنے رونے والا کون ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! کہ یہ حبش کا ایک آدمی ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی اچھی صفت و مدح بیان فرمائی

پھر فرمایا!

کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

کسی آنکھ سے میرے خوف کی وجہ سے آنسو نہیں بہتا مگر میں ضرور جنت میں اس کے لیے ہنسنا زیادہ کرونگا۔ (الترغیب والترھیب ص۳۴۔۲۳۳۔ج۔۴)

حدیث میں ہے کہ

رقص کیا حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے اس وقت جب آپ ﷺ نے خطاب کیا تو اس خطاب کی لذت کی وجہ سے کیا۔ آپ ﷺ نے اس کے رقص کرنے پر ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔ اور یہی صوفیاء حضرات کے

لیے وجد ورقص کی دلیل ہے اور ذکر کے جلسوں میں کھڑا ہونا اور وجد وتواجد اور رقص کرنا بالتحقیق صحیح ہے اور یہ قول بڑے بڑے ائمہ دین سے ثابت ہے۔

(الحادی للفتاوی ص۔۲۳۴۔ج۔۲۔مکتبہ مصریہ)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا!

جب اللہ تعالیٰ کے خوف سے بنی آدم کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں تو اس سے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح خشک درخت سے پتے جھڑتے ہیں۔

(الترغیب والترھیب ص۔۲۳۴۔ج۔۴)

حدیث شریف میں حضرت داؤد علیہ السلام کی اچھی صفت بیان کی گئی ہے کہ داؤد علیہ السلام اتنے خوش آواز تھے کہ آپ علیہ السلام کی مجلس سے چار صد یا اس کے قریب جنازے اٹھائے جاتے تھے۔ (احیاء العلوم ص۔۲۶۶۔ج۔۲)

(وقودھاالناس والحجارة) نبی کریم ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ جب یہ آیت ایک نوجوان نے سُنی تو اللہ کے خوف سے بے ہوش ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے نوجوان کا سر شفقت کی وجہ سے اپنی گود مبارک میں رکھا۔

(الترغیب الترھیب ص۔۴۷۔ج۔۴)

روایت کی گئی ہے کہ

زراۃ بن اوفی رحمتہ اللہ علیہ جو ایک مشہور تابعی تھے آپ رحمتہ اللہ علیہ لوگوں کو مقام رقہ میں امامت کروایا کرتے تھے۔ ایک دن آپ رحمتہ اللہ علیہ نے نماز میں یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی **فَإِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُور** تلاوت فرماتے ہی آپ رحمتہ اللہ علیہ نے چیخ ماری اور محراب میں وفات پا گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ رحمتہ اللہ علیہ پر رحم فرمائے۔ (الترغیب وترھیب ص ۲۶۲۔ج۔۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

بنی اسرائیل میں ایک لڑکا تھا جو پہاڑ پر رہتا تھا۔ ایک دن اس نے اپنی ماں سے کہا کہ آسمان کس نے پیدا کیا ہے اس کی ماں نے کہا اللہ عزوجل نے پیدا کیا ہے پھر اس نے اپنے آپکو پہاڑ سے گرادیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ (احیاء العلوم ص۔۲۷۹۔ج۔۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

"وَ اِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّمُلْكًا كَبِیْرًا" (سورۃ الدھر آیت ۲۰)

تو ایک حبشی نے کہا:

یا رسول اللہ ﷺ کیا میری آنکھیں جنت کی نعمتیں اس طرح دیکھیں گی جس طرح آپ ﷺ کی آنکھیں دیکھیں گی؟

نبی کریم ﷺ نے فرمایا!

ہاں اس حبشی نے رونا شروع کر دیا حتیٰ کہ اسکی روح اس کے جسم سے پرواز کر گئی۔ اور فوت ہوئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہا تھا کہ حبشی کو قبر میں رکھ رہے تھے۔ (الترغیب والترھیب ص۔۳۹۹۔ج۔۴)

حضرت ابوملیکہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

ہم حجرے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے تھے تو

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا!

کہ روئیے اور رونا نہیں آتا تو زبردستی روئیے یعنی اگر رونا نہیں آتا تو ایسی شکل اختیار کریں جس طرح کوئی زور سے روتا ہو اگر آپ کو معلوم ہوتا تو تم میں سے ہر ایک نماز میں اتنا قیام کرتا کہ اس کی کمر ٹوٹ جاتی اور اتنا روتا کہ اسکی آواز رونے کی وجہ سے ختم ہو جاتی۔ (الترغیب والترھیب ص۔۲۳۱۔ج۔۴)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

"اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ہ سے وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ " تک بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

ایک دن ایک مقام پر سے گزر رہے تھے اور صاحب مکان نماز میں مشغول تھا۔ نماز میں یہ آیت کریمہ

"اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ہ مَّالَهٗ مِنْ دَافِعٍ" (سورۃ طور پ آیت نمبر ۷ اور ۸)

تلاوت کی تو آپ رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے اترے اور ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر دیر تک کھڑے رہے اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ اپنے گھر تشریف لائے اور ایک مہینے تک بیمار رہے۔ لوگ آپ رضی اللہ عنہ کی تیمارداری کے لیے آتے تھے۔ لیکن کسی کو بھی آپ رضی اللہ عنہ کی بیماری معلوم نہ ہوئی کہ آپ رضی اللہ عنہ کس چیز سے بیمار ہیں۔ (احیاء العلوم۔ ص ۱۸۔ ج۔۴)

روایت کی گئی ہے کہ انصار کا ایک نوجوان جس کے دل میں دوزخ کا خوف داخل ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے روتا تھا۔ اور اسکے باعث گھر سے نکلتا نہ تھا۔ نبی کریم ﷺ نوجوان کے گھر تشریف لائے اور نوجوان کے ساتھ معانقہ کیا۔ وہ نوجوان مر کر گر گیا سردار کونین ﷺ نے فرمایا کہ اپنے دوست (یعنی نوجوان) کیلئے کفن کا انتظام کریں۔ (احیاء العلوم ص۔ ۱۸۱۔۴)

ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ

جو شخص اللہ کے خوف سے روئے وہ اس وقت تک آگ میں نہیں ڈالا جائے گا جب تک کہ دودھ تھن میں واپس داخل نہ ہو (یعنی جس طرح دودھ کا تھن میں واپس داخل ہونا محال اور ناممکن ہے اس طرح اس شخص کا جہنم میں داخل ہونا ناممکن ہے اسے تعلیق بالمحال کہتے ہیں)

اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت زیادہ رویا کرتے تھے۔ تلاوت کے دوران بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو جاری رہتے۔

(حجۃ اللہ البالغہ ص۔ ۹۹۔ ج۔۲)

وجد فقہا کی نظر میں

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ

کچھ لوگ دوران وجد بے قابو ہو جاتے ہیں اور وجد میں گھومتے ہیں اس کے بارے میں آپ رحمتہ اللہ علیہ کی کیا رائے ہے۔؟

انہوں نے فرمایا کہ!

ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں چھوڑ دو۔ کیونکہ طریقت نے ان کے دل کاٹ دیے ہیں اگر تم ان کی لذت سے آشنا ہو جاؤ تو چیخنے چلانے اور کپڑے پھاڑنے میں ان کو معذور سمجھو گے۔

ترجمہ اشعار:

وجد میں کوئی گناہ نہیں اگر حقیقی ہو یا ظاہری بشرطیکہ خالص اللہ کے لیے ہو۔ حقیقی وجد قوالی یا دوسری لوازمات کا محتاج نہیں ہوتا کیونکہ ایسے شخص کو دائمی لذت اور خوشی حاصل ہو جاتی ہے۔

ایسے لوگ بھاگتے رہیں ایک پاؤں پر چلیں یا سر کے بل چلیں اس میں کوئی گناہ نہیں۔ (رسائل ابن عابدین ص ۱۷۲،۷۳۔ج۔۱)

تحقیق اور دلائل کے لحاظ سے اس مسئلے کا قطعی جواب صاحبِ عوارف المعارف مصنف احیاء العلوم اور علامہ ابن کمال پاشا رحمتہ اللہ علیہم کا ہے وہ فرماتے ہیں۔

کہ وجد اور تواجد میں کوئی گناہ نہیں اگر یہ خالص رضاء الٰہی کے لیے ہو اور جو عارفین باللہ ہیں اور ہمیشہ نیک کام کرتے ہیں اور ایسے سالکین جو اپنے آپ کو اعمال قبیحہ سے بچاتے ہیں۔ ان لوگوں کی قوالی سماع اور وجد صرف اللہ کے لیے ہوتے ہیں۔ اور جب عشق الٰہی ان پر غالب آجاتا ہے تو یہ لوگ بے ہوش ہو کر گر جاتے ہیں اور محبت الٰہی میں مستغرق ہو جاتے ہیں۔ (فتاوی شامی ص۔۳۴۷۔ج۔۱)

خیر النساج رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ایک دن موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے سامنے ایک حکایت بیان فرما رہے تھے۔ کہ اس دوران ایک شخص پر وجد طاری ہوا اور چیخ ماری حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شخص کو ڈانٹا۔ اسی وقت وحی نازل ہوئی کہ

"اے موسیٰ (علیہ السلام) اس شخص نے میری محبت میں چیخ ماری آپ کو کیونکر انکار ہے" (علامہ عبدالوہاب شعرانی۔ انوار القدسیہ ص ۱۸۵۔ ج۔۱)

بعض صوفیاء عظام پر جب خوف الٰہی غالب آجاتا ہے تو وہ رونے لگتے ہیں۔ اور ان کی اعضاء حرکت کرتے ہیں جیسا کہ

حضور پاک ﷺ جب رات کو نماز پڑھتے تو آپ ﷺ کے سینے مبارک سے ہانڈی کے جوش مارنے کی آواز آتی۔ (از شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔ حجتہ اللہ البالغہ ص۔۹۹۔ ج۔۲)

جناب ابوالقاسم قشیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ

اشعار اور قوالی ہر وقت نفع بخش ہے خاص کر ضعیفوں کے لیے مفید ہے اس لیے کہ سماع سے ہر عضو پر خاص اثر ہوتا ہے آنکھیں اس کے اثر سے روتی ہیں زبان پر اثر ہو تو وہ چیخ مارتی ہے۔ ہاتھ متاثر ہو تو کپڑے پھاڑے جاتے ہیں اور چہرے پر تھپڑ مارا جاتا ہے اور جب پاؤں پر اثر ہو تو رقص کرنے لگتے ہیں۔ (انوار القدسیہ ص ۱۸۶۔ ج۔۱)

منقول ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ، جب وعظ کے لیے کرسی پر تشریف فرما ہوتے تقریر انواع علوم پر ہوتی تھی۔ حاضرین حضرت شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی عظمت اور ہیبت کی وجہ سے خاموش بیٹھے رہتے۔

اچانک آپ رضی اللہ عنہ فرماتے (مَضَی اِتعَالٌ وَ عَطفَنَا بِالحَالِ) اس جملے کے ساتھ ہی حاضرین پر وجد طاری ہو جاتا کچھ رونے لگتے۔ بعض کپڑے پھاڑنے شروع کر دیتے اور بعض بے ہوش ہو کر جان دے دیتے۔ (شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، اخبار الاخیار)

یعنی جو شخص سماع اور وجد کے اثرات سے انکار کرتا ہے۔ تو یہ اس کی اپنی کوتاہ علمی ہے۔ اس شخص کے پاس وہ علم نہیں جسکے ذریعے وہ صوفیاء کرام کے احوال جان سکے ایسے شخص کی مثال اس ہیجڑے (نامرد) کی طرح ہے جو اپنی نامردی اور قوت شہوت کی عدم موجودگی کے باعث لذت جماع سے انکار کرے۔ (از امام غزالیؒ۔ کیمیائے سعادت ص ۱۹۸۔ رکن دوم)

حضرت ابو سعید الحراز رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ

علی بن الموفق سماع کی ایک مجلس میں بیٹھے تھے اور لوگوں سے کہا کہ مجھے اٹھالو مجھے اٹھالو۔ جب اٹھالیے گئے تو انہوں نے تواجد شروع کر دیا۔

(از علامہ عبدالوہاب شعرانی۔ انوار القدسیہ ص ۱۸۵۔ ج۔۱)

صوفیاء کرام ایک مجلس میں ذکر الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں اس مجلس میں ایک شخص پر وجد طاری ہو جاتا ہے اور وہ اٹھتا ہے خواہ یہ جذب اختیاری ہو یا بے اختیار کیا یہ جذب جائز ہے یا نہیں اور کیا لوگوں کو منع کرنا چاہیے یا نہیں؟ امام جلال الدین السیوطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وجد سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

بعینہ یہ سوال شیخ الاسلام سراج الدین البلقینی سے پوچھا گیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس سے انکار نہیں ہے اور جو لوگ ان کو منع کرتے ہیں ان کو عذر شرعی چاہیے۔

علامہ انباسی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی آپ سے یہی سوال پوچھا تو انہوں نے یہی جواب دیا۔ مزید فرمایا کہ

صاحب الحال مغلوب ہوتا ہے اس سے منکر محروم ہے۔ یہ لوگ وجد کی لذت سے ناآشنا ہیں۔ یہی جواب حنفیہ اور مالکیہ کے علماء نے بھی دیا ہے اور مذکورہ جوابات کی تائید کی ہے مخالفت نہیں۔ (از حافظ جلال الدین سیوطیؒ۔ الحاوی للفتاوی ۲۳۴۔ ج۔۲)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جب برکات اور تجلیات کی بارش بکثرت ہوتی ہے اور صوفی کا حوصلہ تنگ اور استعداد کمزور ہوتی ہے تو (صوفی برداشت نہیں کر سکتا اس لیے) بیہوشی کی حالت طاری ہو جاتی ہے صحابہ رضی اللہ عنہ کے ظرف وسیع تھے

اور صحبت رسول ﷺ کی برکت سے استعداد قوی تھی۔

اس کے باوجود برکات کی کثیر بارش کے ان پر بے ہوشی طاری نہیں ہوتی تھی۔ صحابیوں کے علاوہ دوسروں کو یہ چیز میسر نہیں اس لیے دو وجوہ سے ان پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ یا نزول برکات ہی کم ہوتا ہے یا ان کا ظرف تنگ ہوتا ہے اور حوصلہ میں سمائی نہیں ہوتی۔ (تفسیر مظہری ص۔۱۶۳۔ج۔۱۰)

ایک دن امام شبلی رحمتہ اللہ علیہ مسجد میں امام کے پیچھے ماہ رمضان میں نماز عشاء پڑھ رہے تھے امام نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

"وَ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ"

(سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۸۶)

تو حضرت امام شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے وجد کی وجہ سے ایک چیخ ماری۔ لوگوں نے یہ خیال کیا کہ امام شبلی رحمتہ اللہ علیہ وفات پا گئے ہیں۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور باقی اعضاء حرکت میں آ گئے۔ (احیاء العلوم ص۔۲۹۴۔ج۔۲)

علامہ طحطاوی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ مسجدوں میں لوگوں کو ذکر بالجہر سے منع نہیں کرنا چاہیے۔ تا کہ اس آیت کریمہ کی مخالفت واقع نہ ہو جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں فرماتے ہیں (ان سے زیادہ ظالم کون ہے جو لوگوں کو مسجد میں ذکر الٰہی سے منع کرتا ہے) یعنی کوئی نہیں۔ (طحطاوی ص۔۱۷۴)

حجتہ الاسلام محمد بن غزالی رحمتہ اللہ علیہ وجد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ رقص مباح ہے کیونکہ حبشی لوگ مسجد النبی ﷺ میں رقص کرتے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اسے دیکھنے جاتی تھیں اور جب حضور ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوشی کے مارے رقص شروع کر دیا۔ جو لوگ وجد کو حرام جانتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ اس کی انتہا مستی ہے جبکہ مستی بھی حرام نہیں۔ (از حجتہ الاسلام امام محمد غزالیؒ۔ کیمیائے سعادت ص۔۲۰۵۔ رکن دوم)

نماز میں وجد کا ثبوت

اگر کوئی نماز میں آہ آہ کرے یا بلند آواز میں روئے شوق جنت یا خوف جہنم سے تو نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ یہ رونا اور آہ آہ کرنا زیادہ خشوع پر دلالت کرتا ہے۔

(فتاوی عالمگیری ص۔۱۱۱۔ج۔۱)

اگر نماز میں کوئی روئے یاد جنت یا خوف آخرت سے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔

(شرح وقایہ ص۔۱۹۳۔ج۔۱)

اگر کوئی نماز میں روئے یا آہ آہ کرے یا اونچی آواز سے روئے اگر یہ رونا کسی درد یا مصیبت کی وجہ سے ہو تو نماز فاسد ہوتی ہے اور اگر یہ رونا شوق جنت یا خوف جہنم کی وجہ سے ہو تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔

(کنز الدقائق ص ۵۵۔ج۔۱)

اگر سالک پر وجد آجائے اور اپنے اختیار میں نہ ہو تو یہ سالک اپنے وجد میں معذور ہے۔ ملامت نہیں۔ لیکن جب اپنے اختیار میں آجائے تو اپنے حال کی طرف رجوع کرے۔

(احیاء العلوم ص۔۲۹۹۔ج۔۲)

علامہ آلوسی مفسر جلیل صاحب تفسیر روح المعانی متعلق وجد فرماتے ہیں۔

میں منکرین وجد کو جواب دیتا ہوں کہ نماز میں وجد یا آہ آہ اف اف کرنا یہ حالات غیر اختیاریہ ہیں عقل وشعور کے ساتھ اس کی مثال کھانسی اور چھینک کی سی ہے جو ایک غیر اختیاری فعل ہے۔ اس وجہ سے اس سے نہ تو نماز فاسد ہوتی ہے اور نہ وضو ٹوٹتا ہے۔

(تفسیر روح المعانی ص ۸۶۔ج۔۹)

ھدایہ جلد اوّل میں ہے۔

اگر نمازی نے نماز میں آہ کیا اور اوہ کیا اور اتنا رویا کہ اس کا رونا حروف پر مشتمل ہو جائے۔ پس اگر یہ حالت جنت یا دوزخ کی وجہ سے طاری ہو جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور اگر دنیاوی درد و مصیبت کی وجہ سے ہو تو اس سے نماز

فاسد ہو جاتی ہے۔ (ھدایہ جلد اوّل)

اسی طرح شیخ احمد طحطاوی حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح پر فرماتے ہیں۔

وجد کئی اقسام پر ہے اور بعض وجد ایسا ہوتا ہے۔ جو اختیار کو سلب کر لیتا ہے پس مطلقاً انکار کیلئے کوئی گنجائش نہیں۔

اسی طرح فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے کہ مغلوب الحال سالک جس کی حرکات مرتعش کی حرکات کی طرح غیر اختیاری ہوتی ہیں۔ اس کیلئے یہ حالت جائز ہے۔

صوفیائے کرام میں وجد

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کیمیائے سعادت میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ شخص جو صوفیاء کے سماع، وجد اور حال کا انکار کرتا ہے اپنی تنگ دلی اور کم ظرفی کیوجہ سے کرتا ہے اور جو شخص کچھ بھی فہم وادراک رکھتا ہے وہ اسے تسلیم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگرچہ مجھے یہ حال نصیب نہیں لیکن صوفیاء کے بارے میں ایمان رکھتا ہوں کہ اس حال کا ہونا روا ہے لیکن جو شخص ایسا ہو کہ اس کو خود جو بات حاصل نہیں، اس کو اوروں کے لیے بھی محال جانتا ہے۔ وہ بڑا احمق ہے۔ (کیمیائے سعادت رکن دوم فصل ۸)

حضور غوث اعظم محبوب سبحانی سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔

ترجمہ: انسان کو مانند مرغ کے آواز نکالنا، اور تالی بجانا اور نماز میں انگلیاں چٹخانا اور کپڑے پھاڑنا، اس شخص کا جو بناوٹ سے وجد میں آتا ہے مکروہ ہے۔ اور جس شخص کو واقعی حال آتا ہے۔

حضرت پیران پیر رحمتہ اللہ علیہ تالی بجانا، انگلیاں چٹخانا، کپڑے پھاڑنا اور آواز نکالنا واجد کے لیے نماز میں بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ (غنیۃ الطالبین ص۔۳۲)

امام عبدالوہاب شعرانی رحمتہ اللہ علیہ کتاب الیواقیت والجواہر میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں بھی وجد ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وجد ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں بائیں تمائل کرنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیالات ماسویٰ سے پاک تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمائل وجدانیہ تمائل چراغ کی مانند تھا جب اس پر لطیف ہوا چلے اور اس کو بجھائے بھی نہیں۔ پس ہر واجد کو وجد اس کے درجہ کے مطابق ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کا وجدان کے اپنے اپنے کمال کے مطابق تھا۔

احیاء العلوم میں ہے کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے ایک قاری کو آیت

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ہ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ہ

(سورۃ المرسلت آیت نمبر ۳۶-۳۷)

پڑھتے سنا پس بے ہوش ہو گئے۔ اسی طرح علی بن فضیل رحمتہ اللہ علیہ نے آیت **یوم یقوم النّاس** سُنی اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

ایک رات حضرت شبلی علیہ الرحمہ اپنی مسجد میں رمضان شریف میں امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے جب امام نے آیت "**وَ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ**" آخر تک پڑھی تو شبلی علیہ الرحمہ نے چیخ ماری لوگوں کو گمان ہوا کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ کی روح مبارک پرواز کر گئی اور آپ رحمتہ اللہ علیہ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ رحمتہ اللہ علیہ کے شانے تھرانے لگے اور حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے۔

کہ عشاق کو اسی طرح خطاب کرتے ہیں۔

حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سرّی سقطی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آیا اور دیکھا کہ ایک شخص آپ رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے بیہوش پڑا ہے۔ تو حضرت سرّی سقطی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

اس شخص نے قرآن مقدس کی ایک آیت کریمہ سنی ہے اور بے ہوش ہے میں نے عرض کی کہ دوبارہ وہی آیت پڑھ کر اسے دم کریں۔ جب دوبارہ وہی آیت تلاوت کی گئی تو وہ ہوش میں آ گیا۔

حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

آپ رحمتہ اللہ علیہ کو یہ کیسے معلوم ہوا تو حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے یہ یعقوب علیہ السلام کی نابینائی اور دوبارہ بینائی کے حصول سے اخذ کیا۔

شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ عوارف المعارف میں نقل فرماتے ہیں کہ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ

ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور عرض کیا

"اِنَّ فُقَرَآءَ اُمَّتِكَ يَدْ خُلُونَ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْاَ غْنِيَاء "

" بے شک آپ علیہ ﷺ کی امت کے فقراء غنیوں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے"

اس پر حضور پُر نور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے خوشی میں آکر فرمایا کہ

ہے کوئی جو شعر پڑھے اس پر ایک اعرابی نے شعر سنائے

قَدْلَسَعَتْ حَيَّةُ الْهَوىٰ كَبْدِىْ فَلَا طَبِيْبٌ لَهَا وَلَا رَاقِى

اِلَّا اَلْحَبِيْبَ الَّذِىْ شَغَفْتُ بِهٖ فَعِنْدَهٗ رُقِيَتِىْ وَ تَرْيَاقِى

ترجمہ: تحقیق عشق کا سانپ میرے جگر کو ڈس گیا پس اس کے لیے نہ کوئی طبیب ہے

اور نہ دم کرنے والا ہے۔

مگر محبوب جس کا مجھے عشق ہے پس اسی کے پاس میرا منتر اور میرا تریاق ہے۔

"فَتَوَا جَدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ تَوَاجَدَ الْاَ صْحَا بَ مَعَهٗ حَتّٰى سَقَطَ

رِدَ آءَهٗ "

پس وجد کیا رسول اللہ ﷺ نے اور وجد کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

نے ساتھ آپ ﷺ کے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی چادر مبارک آپ ﷺ کے کاندھے

مبارک سے گر پڑی۔ پھر آپ ﷺ نے اس چادر مبارک کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے

حاضرین میں تقسیم فرمایا۔

صاحب سیر المشائخ فرماتے ہیں کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ اور

حضرت قاضی حمید الدین رحمتہ اللہ علیہ مجلس سماع میں حاضر تھے۔اور قوالوں نے شعر

کشتگان خنجر تسلیم را

ہر زماں از غیب جان دیگر است

پڑھا اس شعر پر حضرت خواجہ قطب الدین علیہ الرحمتہ کو وجد ہوا۔آپ رحمتہ اللہ علیہ

چاہتے تھے کہ نعرہ ماریں مگر قاضی حمید الدین رحمتہ اللہ علیہ نے آپ رحمتہ اللہ علیہ کے منہ کے آگے ہاتھ دے دیا اور کہا کہ جہان جل جائے گا۔

یہی شعر سُن سُن کر حضرت خواجہ قطب الدین رحمتہ اللہ علیہ حلقہ سماع میں وجد کی حالت میں ہی جان بحق ہو گئے۔ اسی طرح حضرت خواجہ بندگی شیخ داؤد چشتی رحمتہ اللہ علیہ کا انتقال بھی وجد کی حالت میں ہوا۔ علامہ عبدالغنی نابلسی رحمتہ اللہ علیہ ایضاح الدلالات میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ انسان سماع سن کر کیوں مضطرب ہوتا ہے فرمایا کہ

اللہ تعالٰی نے ارواح کو الست بربکم کہہ کر مخاطب فرمایا تو سب حرکت میں آئے اسی طرح حضرت خواجہ نظامی گنجوی رحمتہ اللہ علیہ مخزن الاسرار میں فرماتے ہیں:

پردہ اول چوں بر انداختند

جلوہ اول بہ سخن ساختند

تا سخن آوازہ دل در نداد

جان تن آزاد بگل در نداد

حضرت مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ "نفحات الانس" میں نقل کرتے ہیں کہ:

حضرت خواجہ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قیامت میں کوئی کسی چیز پر فخر کرے گا۔ اور کوئی کسی پر۔ میں صاحبِ وجد و حال امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کے سوز سینہ پر فخر کرونگا۔

کتاب بہجۃ الاسرار میں حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کا ارشادِ پاک ہے

"اَلْخَوْفُ لِلْمُذْنِبِیْنَ وَالرَّهْبَةُ لِلْعَابِدِیْنَ وَالْخَشْیَةُ لِلْعَالِمِیْنَ وَالْوَجْدُ لِلْمُحِبِّیْنَ"

یعنی خوف کئی قسم پر ہے۔ پس خوف گنہگاروں کے لیے ہے اور رہبت عابدوں کے لیے اور خشیت عالموں کے لیے اور وجد عاشقوں کے لیے ہے۔

سبحان اللہ بقول حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ وجد زاہدوں کا حصہ نہیں بلکہ یہ نعمت عاشقوں کے لیے ہی ہے شیخ المشائخ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ کی غزل میں ہے کہ وجد میں مختلف قسم کی حرکات کیوں ہوتی ہیں۔

غزل قارئین کے ذوق کی خاطر پیش خدمت ہے:

نمی دانم کہ آخر چوں دم دیدار می رقصم ۔۔۔ مگر نازم باں ذوقے کہ پیش یار می رقصم

بیا جاناں تماشا کن کہ در انبوہِ جانبازاں ۔۔۔ بصد سامان رسوائی سر بازار می رقصم

تو ہر دم می سرائی نغمہ و ہر بار می رقصم ۔۔۔ بہر طرزی می رقصانی من اے یار می رقصم

تو آں قاتل کہ از بہر تماشا خون من ریزی ۔۔۔ من آں بسمل کہ زیر خنجر خونخوار می رقصم

اگرچہ عالم قطرۂ شبنم نپاید بر سر خارے ۔۔۔ منم آں قطرۂ شبنم بہ نوک خار می رقصم

کجا رندی کہ پامالش کنم صد پارسائی را ۔۔۔ زہے تقویٰ کہ من با جبہ و دستار می رقصم

منم عثمانؒ ہارونی ؒ و یارِ شیخ منصورم ۔۔۔ ملامت می کند خلقے و من بر دار می رقصم

حضرت میاں شیر محمد صاحب نقشبندی شرقپوری قدس سرہٗ العزیز پابند شریعت باکمال ولی اللہ گزرے ہیں آپ کی سوانح حیات "خزینہ معرفت" میں ہے کہ آپ کو دن میں کئی کئی بار جذب طاری ہو جاتا کپڑے پھٹ جاتے مسجد کی صفیں لپٹی جاتیں آپ قبرستان کی طرف دوڑ جاتے کوئی ٹوٹی پھوٹی قبر مل جاتی تو اس میں گھس کر پڑے رہتے ایک روز دیکھا کہ بازار میں حلوائی کے چولہے میں پڑے ہوئے ہیں۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ کو ایک دفعہ سخت وجد ہوا یکے سے گر کر دیر تک لوٹ پوٹ ہوتے رہے۔ ایک دفعہ پوہ کے مہینے میں آپ رحمتہ اللہ علیہ نماز عشاء ادا کر رہے تھے جب پہلے سجدے میں گئے تو آپ رحمتہ اللہ علیہ کو وجد ہو گیا اور اسی حالت میں آپ رحمتہ اللہ علیہ تین

صفیں پھاند کر باہر آ گئے۔ (خزینہ معرفت ص۔۱۹۸تا۱۹۹)

کتاب تذکرہ اولیاء نقشبند میں ہے کہ حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ بیخودی میں تڑپتے لوٹتے گریباں چاک کرتے بے قراری کے عالم میں مسجدوں کے دروازوں پر جا کھڑے ہوتے اور اللہ کا نام لے کر آوازیں دیتے۔ کبھی حالت جذب میں اچھل اچھل پڑتے کبھی جھاڑیوں میں اور کانٹوں پر جا پڑتے اور بدن لہولہان کر لیتے۔

(تذکرۃ اولیاء نقشبند ص۔۲۱۵)

ساقی وحدت کی ایک ہی نگاہ پاک رندان بلانوش کے تمام منازل ایک لحظہ میں طے کر دیتی ہے امام فخر الدین رازی جیسے عالم ظاہر نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے۔

چنانچہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

"جَذْبَةٌ مِّنْ جَذْبَاتِ الرَّحْمٰنِ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَبْعِيْنَ سَنَةٍ"

یعنی "جذبات رحمانی میں سے ایک جذبہ ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جائیکہ زاہداں بہزار اربعین رسند   مستِ شراب عشق بیک آہ می رسد

امام ربانی مکتوبات ج۔امیں تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضرت ذات اقدس تک عروج متصور نہیں مگر اس وقت جبکہ صفات اور اعتبارات میں اجمالی سیر واقع ہو جائے اور جس سالک کی سیر اسما وصفات میں تفصیلی طور پر واقع ہو جائے تو صفات اور اعتبارات میں محبوس ہوتا ہے تو ہمیشہ شوق اور طلب میں رہے گا اور اس سے وجد اور تواجد کبھی جدا نہیں ہوگا۔

پس شوق اور وجد کے سالکین صفات کی تجلیات سے مشرف ہیں اور ابھی تک تجلیات ذاتیہ سے انکے لیے حصہ میسر نہیں جب تک صفات کی تجلیات ذاتیہ سے بے نصیب ہوتے ہیں (اس کا مطلب یہ نہیں کہ واصلین اور تجلیات ذاتیہ کے حاملین پر بالکل وجد نہیں آتا کیونکہ

موسیٰ واصل تھے اور ان پر وجد طاری ہوا ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر تین دفعہ غشی طاری ہو چکی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر بہت سارے واصلین پر وجد طاری ہو چکا ہے لیکن اسکا مطلب یہ ہے کہ وجد تواجد تجلیات صفاتیہ کا اثر ہے تجلیات ذاتیہ کا اثر اسرار اور دقائق اور کمالات کا ورود ہے اس طرح جسم کا حرکت کرنا اور رونگٹوں کا کھڑا ہونا۔ مبتدی، متوسط اور منتہی تمام سالکین کیلئے ہو سکتا ہے۔

اسی طرح قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ تفسیر مظہری سورۃ زمر میں فرماتے ہیں۔ کہ جو صوفی افق اعلیٰ پر پہنچ گئے ہوں اور مقام " **ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی** " تک ان کی رسائی ہوگئی ہوان کی حالت میں کم تغیر ہوتا ہے لیکن صحابہ کرام کی طرح ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ذکر رب سے دلوں میں سکون اور اطمینان پیدا ہوتا ہے۔

وجد کی اقسام

وجد کی کئی اقسام ہیں:

(۱) کل بدن کی حرکت اور اضطراب

(۲) بعض بدن کی حرکت مثلاً لطائف کی حرکت اور اقشرار

(۳) رقص کرنا

(۴) منہ سے کچھ الفاظ جاری ہونا مثلاً آہ، اوہ، اُف، لَف، ہاہا، اللہ اللہ وغیرہ

(۵) بکا اور رونا بلا صوت آنسو بہنا

(۶) کپڑے پھاڑنا دوڑنا اور چیخنا وغیرہ

(۷) اعضاء کا ٹوٹ جانا موت کا خطرہ بلکہ موت واقع ہو جانا جیسا کہ داود علیہ السّلام کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سینکڑوں کی تعداد وجد کی وجہ سے مر جاتے تھے۔

(۸) بلا اِختیار ہنسنا

(۹) نماز میں وجد بے اختیاری، بے ہوش ہونا وغیرہ بعض اوقات خارج نماز وجد طاری ہونا۔

وجد کیوں ہوتا ہے؟

حضرت غوث علی شاہ قلندر پانی پتی تذکرہ غوثیہ میں لکھتے ہیں کہ

قلب کی اصل عرش پر ہے اگر سالک کو اس کے قلب پر توجہ کی جائے تو یہ قلب اپنے اصل کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور روح جب اصل قلب کی طرف رغبت کرتی ہے تو جسم مضمحل ہو جاتا ہے۔ (تذکرہ غوثیہ)

سماع کی وجہ سے وجد کا ہونا:

شیخ شہاب الدین سہروردی عوارف المعارف میں فرماتے ہیں کہ

جب روح نغمات سے محظوظ اور لذت اندوز ہوتی ہے تو اس نفس پر جو بیمارِ محبت ہے وجد طاری ہو جاتا ہے اور اس سے متعلق ہر چیز وجد میں آجاتی ہے اسی طرح قلب جو ارادہ کا معمول ہے وہ بھی اندرونی کشائش کے باعث وجد میں آجاتا ہے۔

مبتدی کو زیادہ وجد ہونا اور منتھی میں کم ہونا :

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

پہلے پہل ہم قرآنِ مجید سُن کر روتے تھے لیکن اب تلاوت قرآن کے موقع پر کسی کو روتا دیکھ کر ہمارے دل بھی سخت ہو گئے ہیں اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اب قرآن کریم کی تلاوت کی ہیبت تاثیر سے دل مانوس ہو گئے ہیں۔ اور اس کی تاثیر اور تجلیات سے اس قدر مانوس ہو گئے ہیں کہ اب وہ کوئی نئی اور عجب چیز معلوم نہیں ہوتی جس کے باعث طبیعت میں تغیر اور انتشار پیدا ہو۔

قبض و بسط

صوفیاء کی دو اصطلاحات ہیں جن کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔

قبض

اصطلاح میں قبض سے مراد وہ کیفیت ہے جس سے سالک کے دل پر اُن غیبی واردات کا نزول بند ہو جاتا ہے جس سے اسے ذوق وشوق اور فرحت وسرور حاصل تھا۔ گویا کہ وہ حالت تواجد کو کھو بیٹھتا ہے اُس پر ایسی وحشت طاری ہوتی ہے کہ اُس کا کسی عبادت میں دل نہیں لگتا۔ اس کی مزید دو اقسام ہیں۔

(۱) قبض محمودہ : قبض محمودہ اُس کیفیت کا نام ہے جس میں سالک کو اُس کے ذوق وشوق اور لذت وسرور میں حد سے گزرنے سے روکا جاتا ہے اور اُس کو خبردار کیا جاتا ہے کہ وہ اسرار الٰہی کو عوام الناس پر کھول نہ دے اور ضبط سے کام لے قبض محمودہ سے سالک کے مقامات میں ترقی ہوتی ہے اور اُس کا ظرف وسیع ہوتا ہے۔

(۲) قبض مذمومہ : جب سالک نشہ محبت الٰہی میں سرشار ہو کر کسی گستاخی یا بے ادبی کا مرتکب ہوتا ہے اگرچہ یہ حالت سکر میں ہوتا ہے اور وہ نادانستہ طور پر ایسا کرتا ہے۔ لیکن اُس سے کیفیت ضبط کر لی جاتی ہے اس کا نام قبض مذموم ہے یہ سالک کی تنبیہہ اور تادیب کیلئے ہوتا ہے۔ قبض محمودہ قبض مذموم کے بعد وارد ہوتی ہے۔

بسط

یہ قبض کی ضد ہے۔ بعض اوقات سیر اِلی اللہ کی صورت میں سالک پر ایسے واردات کا نزول ہوتا ہے۔

جن سے عشق اور محبت کا غلبہ بڑھتا ہے اور دل لذت وسرور سے کشادہ ہو جاتا ہے اسے عبادت میں سکون ملتا ہے اس کے باطنی مقامات بلند ہوتے ہیں اسی کا نام بسط ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں نفس بسط کی حالت میں ہو تو قلب قبض کی حالت میں ہوگا اور جب قلب بسط کی حالت میں ہوگا تو نفس قبض کی حالت میں ہوگا۔

مرید اور مراد میں فرق : یوں تو ہر مرید مراد ہوتا ہے اور ہر مراد مرید بھی ہوتا ہے چونکہ یہ اللہ کا فضل ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے اُسے اپنے راستے پر لگاتا ہے لیکن صوفیاء کے نزدیک مرید مبتدی اور مراد منتھی ہوتا ہے اس کا مفہوم یہ کہ مرید زمین پر ہے تو مراد دل میں ہے اور مرید تکلیف میں ہے تو مراد آرام میں اور جب مرید سلوک کی مشقتیں برداشت کرتا ہے تو مراد معشوق کے دست راست میں دست در دست ہوتا ہے۔ گویا وہ ہمہ وقت معشوق کیساتھ ہوتا ہے۔

رسالہ قشیریہ میں امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ اپنے مرشد ابو علی وقاق رحمتہ اللہ علیہ کا بیان نقل فرماتے ہیں کہ مرید وہ ہے جو طریق ریاضت میں مشقتیں جھیلے اور "مراد" وہ ہے جس سے یہ مشقتیں اٹھا دی گئی ہیں نیز فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام مرید تھے کہ انہوں نے "رَبِّ اشْرَحْ لِی صَدْرِی" کی دعا کی۔ جب کہ ہمارے نبی مکرم ﷺ مراد تھے جن کے لیے باری تعالیٰ نے خود فرمایا!

"اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ہ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ہ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ہ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ"

ترجمہ: "کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا؟ اور ہم نے آپ سے وہ بوجھ نہیں اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی اور ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا"

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت یوں فرمائی کہ مرید کو اُس کا علم چلاتا ہے اس لیے کہ وہ پیدل چلتا ہے اور مراد کی نگہبانی اللہ تعالیٰ کرتا ہے کہ وہ اڑ کر منازل طے کرتا ہے تو جیسے پیدل چلنے والا اڑنے والے تک نہیں پہنچ سکتا اسی طرح مرید بھی مراد کے مقام کو نہیں چھو سکتا۔ (رسالہ قشیریہ)

فنا و بقاء : فنا سے مراد لذات کو اسطرح ترک کرنا کہ ان میں کوئی حظ باقی نہ رہے ماسویٰ اللہ کو چھوڑ کر خدا کی یاد میں ہر وقت مشغول و مصروف رہے صوفیاء کی اصطلاح میں مذموم اوصاف کا ساقط ہونا فنا ہے۔

بقاء: بقاء کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنی ہر چیز کو فنا کر دے اور خود کو صرف اللہ کے لیے باقی رکھے۔ خصائل رذیلہ و مذمومہ چھوڑ کر اوصاف حمیدہ پر استقامت نصیب ہو جائے۔ نفس امارہ، مقام مطمئنہ پر پہنچ جائے تو بقا کا مقام نصیب ہو جاتا ہے۔ (رسالہ قشیریہ)

بقا وہ مقام ہے جہاں خالق اور مخلوق میں حجاب باقی نہیں رہتا جیسے جہل فنا ہو تو علم باقی رہتا ہے اور خواہشات فنا ہوں تو رجوع الی اللہ باقی رہتا ہے اور جب اپنی ہستی فنا ہو تو ذات باقی رہتی ہے۔

(سلسلہ نقشبندیہ میں لطائف عالم امر قلب روح سر خفی اخفی کا مکمل طور پر ذاکر ہو جانا فنا کہلاتا ہے اور نفسی و قالبی کا ہمہ وقت یاد الٰہی میں مشغول رہنا بقا ہے اور یہی ولائیت صغریٰ ہے)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں فنا خصائل کے گم ہونے کو کہتے ہیں اور بقا سے مراد رذائل کی جگہ حسنات پیدا ہونا ہے۔

حضرت محبوب سبحانی محی الدین سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے نزدیک فنا کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) فنائے خلق یعنی مخلوق سے کوئی امید و بیم نہ رہے۔

(۲) فنائے ہوا یعنی غیر حق تعالیٰ سے دل میں قطعاً کوئی آرزو نہ ہو۔

(۳) فنائے ارادہ یعنی دل میں کوئی ارادہ باقی نہ رہے۔

تلوین اور تمکین : یہ طریقت کی اصطلاحات ہیں تلوین ارباب احوال کی صفت ہے جبکہ تمکین اہل حقائق کا مقام ہے صاحب تلوین اُس صوفی کو کہتے ہیں جو راہ حق میں ہوتا ہے اس لیے وہ ایک حالت سے دوسری حالت میں بلند ہوتا ہے اور ایک صفت سے

دوسری صفت میں منتقل ہوتا ہے۔ اور اپنے ابتدائی مقام سے مقام مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔ تو اس کو تسکین حاصل ہو جاتی ہے یہی مقام تمکین ہے صاحب تمکین کا اپنے مقام تک پہنچنے کے بعد اتصال یعنی وصل الی اللہ ہوتا ہے۔

رسالہ قشیریہ میں شیخ ابو علی وقاق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب تلوین تھے اس لیے انہوں نے کلام سننے سے رجوع کیا اور انہیں اپنے چہرہ کو چھپانے کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ ان پر اس حالت کا اثر ہوا اور ہمارے نبی ﷺ صاحب تمکین تھے۔ جیسے تشریف لے گئے۔ ویسے ہی واپس آ گئے۔ اس لیے کہ جو مشاہدات آنحضرت ﷺ نے اس رات کئے ان کا آپ ﷺ پر کچھ اثر نہ ہوا۔

ابو علی دقاق رحمتہ اللہ علیہ یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو بطور شہادت پیش کرتے تھے جن عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کا مشاہدہ اچانک کیا تھا اور عزیز مصر کی بیوی زلیخا کی آزمائش ان عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ سخت تھی اس کے باوجود اس دن زلیخا میں بال بھر تغیر نہ پیدا ہوا اس لیے کہ یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں وہ صاحب تمکین تھی۔ (رسالہ قشیریہ)

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ جب نبی کریم ﷺ کے بیٹے کا وصال ہوا تو آپ ﷺ بہت روئے جبکہ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے بیٹے کا وصال ہوا! تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کو جا کر دفن کر دو اور آپ کی طبیعت میں ذرہ بھر تغیر پیدا نہ ہوا اس کی وجہ کیا تھی حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ صاحب تمکین تھے اس لیے وہ روئے جبکہ حضرت فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ صاحب تلوین تھے اس لیے خاموش رہے۔ (مکتوبات شریف)

چشتی اور نقشبندی کا فرق : دونوں سلاسل میں کاملین اولیاء اللہ گزرے ہیں فرق صرف طریق کار کا ہے۔ حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا میں سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوں یا سلسلہ چشتیہ میں فرمایا اس کی مثال یوں ہے کہ ایک زمین میں جھاڑیاں ہیں اس میں کاشت کرنے کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ ہے کہ اس میں سال چھ مہینے صفائی کرو۔ پھر کاشت کرو۔ دوسرا یہ کہ جتنا صاف ہوا تنا کاشت کرتے جاؤ اس نے کہا کہ مجھے دوسرا طریقہ پسند ہے موت کا کیا پتہ کب آجائے فرمایا پھر تمہیں سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہونا چاہیے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ مکتوب نمبر 58 دفتر اوّل حصہ دوم میں فرماتے ہیں کہ جس راستے کو ہم طے کرنے کے در پے ہیں وہ سارا سات قدم ہے جس طرح انسان کے سات لطیفے ہیں دو قدم تو عالم خلق میں ہیں جو قالب (بدن) اور نفس سے تعلق رکھتے ہیں اور پانچ قدم عالم امر میں ہیں جو قلب روح، سر، خفی، اخفیٰ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان سات قدموں میں سے ہر قدم میں دس ہزار حجابات اُٹھاتے ہیں یہ حجابات نورانی ہوں یا ظلماتی (سیاہ)۔

"اِنَّ لِلّٰہِ سَبۡعِیۡنَ اَلۡفَ حِجَابٍ مِنۡ نُوۡرٍ وَ ظُلۡمَۃٍ"

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیاں ستر ہزار پردے ہیں نور اور ظلمت کے"

اوّل قدم میں جو عالم امر میں رکھتے ہیں تجلی افعال ظاہر ہوتی ہے دوسرے قدم میں تجلی صفات تیسرے قدم میں تجلیات ذاتیہ کا آغاز ہو جاتا ہے۔ پھر تجلیات کے فرق کے مطابق آگے ترقی کرتا چلا جاتا ہے جیسا کہ اہل معرفت سے پوشیدہ نہیں اور ان سات قدموں میں سے ہر قدم میں بندہ اپنے سے اور حق سبحانہٗ کے نزدیک ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ ان قدموں کے مکمل ہونے کے ساتھ قرب الٰہی بھی مکمل ہو جاتا ہے اس وقت وہ فنا و بقاء سے مشرف کر دیے جاتے ہیں اور ولایت خاصہ کے

درجے تک پہنچا دیے جاتے ہیں۔

طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ نے اس سیر کی ابتداعالم امر سے اختیار کی ہے اور عالم خلق کو بھی اس سیر کے ضمن میں طے کر لیتے ہیں۔ بخلاف دوسرے سلسلوں کے مشائخ قدس سرھم کے لہٰذا طریقہ نقشبندیہ وصول کے لیے دوسرے سب طریقوں سے زیادہ قریب ہے تو ضروری طور پر دوسروں کی انتہا ان کی ابتداء میں درج ہے۔

آدابِ خانقاهی

وہ گھر جن میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَیُذۡکَرَ فِیۡہَا اسۡمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیۡہَا بِالۡغُدُوِّ وَ الۡاٰصَالِ ۃ رِجَالٌ لَّا تُلۡہِیۡہِمۡ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیۡتَآءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِیۡہِ الۡقُلُوۡبُ وَ الۡاَبۡصَارُ ہ" (سورۃ نور پارہ ۱۸ آیت نمبر ۳۷،۳۶)

ترجمہ: "یہ وہ گھر ہیں جن کے لیے اللہ نے حکم دیا ہے کہ وہاں خدا کا ذکر بلند کیا جائے وہاں وہ لوگ صبح و شام خداوند تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کا نام لیتے ہیں جنہیں خدا کے ذکر، نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ تجارت غافل کرتی ہے اور نہ خرید و فروخت یہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی"

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں "فی بُیُوتٍ" "یہ وہ گھر ہیں" سے مراد مساجد ہیں۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس سے مراد مدینۃ الرسول کے مکانات ہیں۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے مراد رسول اکرم ﷺ کے مکانات ہیں اور کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور رسول خدا ﷺ سے عرض کیا کہ:

یا رسول اللہ ﷺ کیا ان گھروں میں علی کرم اللہ وجہہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کا گھر بھی شامل ہے۔

حضور پُر نور ﷺ نے فرمایا!

"ہاں! وہ ان سے بڑھ کر ہے!"

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

زمین کے تمام گھر رسول اللہ ﷺ کے لیے سجدہ گاہ بنا دیے گئے ہیں اس اعتبار سے ذکر کرنے والے لوگوں کی تخصیص کی گئی ہے نہ کہ جگہوں کی یا چار دیواری کی۔ یعنی مندرجہ بالا آیت میں اہمیت ذاکرین کی ہے نہ کہ کسی مخصوص چار دیواری یا گھر کی۔ پس جس جگہ اور جس مقام پر بھی ذاکرین جمع ہونگے وہی مقامات ایسے گھر مراد لیے جائیں گے جن میں خدا کے حکم سے اس کا ذکر صبح و شام بلند کیا جاتا ہے۔

پس ساکنانِ خانقاہ وہ لوگ ہیں جن کے نفوس اطاعتِ الٰہی میں مشغول ہیں اور ذاتِ الٰہی سے ان کا ربط و تعلق ہے اور وہ دنیا کو چھوڑ کر اللہ کی طرف ہمہ تن مشغول ہیں اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ان کا خادم بنا دیا ہے۔

حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جو اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روزی اور رزق ایسی جگہ سے دے دیتا ہے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ اور جو کوئی دنیا کا ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ہمہ تن دنیا کے سپرد کر دیتا ہے"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

جو بندہ کسی خطۂ زمین پر اللہ کا ذکر کرتا ہے یا نماز ادا کرتا ہے تو وہ خطہ زمین خداوند تعالیٰ کے حضور میں اس بات کی شہادت دیتا ہے اور اس عبادت گزار بندے کے مرنے پر روتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں موجود ہے:۔

"فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ"

اوران (کافروں کے مرنے) پر آسمان اور زمین نہیں روتے۔

اس ارشادِ ربانی سے یہ نکتہ ظاہر ہوتا ہے کہ اہل اطاعت کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ آسمان اور زمین ان کی موت پر گریہ کناں ہوتے ہیں اور اُن پر نہیں روتے جو دنیا کی طرف مائل اور خواہشاتِ نفسانی کے پابند ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نیک اور صالح مسلمان کے ذریعے اس کے سو گھر والوں اور پڑوسیوں سے بلاؤں کو ٹال دیتا ہے"

آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

"اگر اللہ کے عبادت گزار بندے، شیر خوار بچے اور چرنے والے مویشی نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسا عذاب نازل فرماتا کہ تم سب (کافر) اس عذاب میں پس کر رہ جاتے"۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ ایک نیک آدمی کی بدولت اس کی اولاد، اولاد کی اولاد، اس کے گھر والوں اور پڑوسیوں کے کاموں کو سنوار دیتا ہے اور جب تک وہ نیک بندہ ان کے ساتھ رہتا ہے وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی حفظ وامان میں رہتے ہیں"

خانقاہ نشینوں کے فرائض : خانقاہ نشینوں کے فرائض میں داخل ہے کہ

(۱) سنت پر عمل پیرا ہوں اور شریعت کی پاسداری کریں۔

(۲) حق کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑیں اور مخلوق سے رضائے حق کے لیے تعلق رکھیں۔

(۳) مسبب الاسباب کی کفالت پر اکتفا کریں اور تقویٰ اختیار کریں۔ (بعض عظیم

المرتبت مشائخ نے مختلف کاروبار کیے ہیں اور اس کے ذریعے دین کی خدمت کی ہے۔اس لیے ممکن ہوتو ایسا کرے لیکن اگر اس سے دین کی خدمت میں رکاوٹ ہو اور وقت ضائع ہو تو ترک کسب کرے)

(۴) میل جول اور ارتباط سے اپنے نفس کو روکیں۔

(۵) برے کاموں سے اجتناب کریں یعنی ترک المنکرات پر پابند ہوں۔

(۶) فعل الخیرات اور حب المساکین کا اہتمام کریں۔

(۷) اپنی تمام ناقص عادات کو ترک کر کے رات دن عبادت میں مشغول رہیں۔

(۸) اپنے اوقات کی نگہداری کریں اور اوراد و وظائف میں مصروف رہیں۔

(۹) نمازوں کا انتظار کریں اور غفلتوں سے خود کو محفوظ رکھیں۔

اگر ان باتوں پر اہل خانقاہ اور زاویہ نشین عمل پیرا ہو جائیں تو وہ زبردست مجاہد اور جلیل القدر اولیاء اللہ ہیں۔

خُدّامِ صوفیاء:

اللہ ربّ العزّت نے حضرت داؤد علیہ السّلام پر وحی نازل فرمائی کہ

"اے داؤد! جب تم میرے کسی طالب کو دیکھو تو اس کے خادم بن جاؤ"۔

اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی خدمت کے لیے خادم مقرّر فرماتا ہے۔ایسا خادم اپنے شیخ کی خدمت انہیں آرام پہنچانے اور ذریعہ معاش سے فارغ و بے نیاز کرنے کے لیے کرتا ہے۔وہ اس سلسلہ میں جو کام کرتا ہے وہ نیک نیتی کے ساتھ محض اللہ تعالیٰ کے لیے کرتا ہے۔پس جس طرح شیخ اللہ تعالیٰ کی مراد اور منشاء سے واقف ہے اسی طرح خادم بھی اپنی نیت سے واقف ہے جس طرح شیخ جو کچھ کرتا ہے محض اللہ کے لیے کرتا ہے۔اسی طرح خادم جو کچھ کرتا ہے محض اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہے لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ شیخ مقرّبینِ بارگاہ کی منزل پر فائز ہے اور خادم نیکی کی راہ پر گامزن ہے

پس خادم خدمتِ خلق کو اپنا شعار بنا لیتا ہے اور اپنا سارا وقت بندگانِ الٰہی کی خدمت میں صرف کر دیتا ہے۔ اُس کا یہ کام نوافل اور اعمال حسنہ سے بہتر ہے کہ مشہور قول ہے:

"خدمت سے خدا ملتا ہے عبادت سے جنت"

خادم کی خدمت اور ایثار دیکھ کر بہت سے لوگ جو خادم اور شیخ کے حقیقی فرق سے آشنا نہیں ہیں۔ خادم کو شیخ کا ہم مرتبہ سمجھنے لگتے ہیں۔ اسی طرح بعض خادم بھی اپنے مرتبہ سے ناواقف رہ کر خود کو شیخ سمجھ بیٹھتے ہیں جس کی وجہ اس زمانے میں علم تصوف کی کمی ہے۔ بعض مشائخ فقراء نے لقمہ کھلانا ہی کافی سمجھ لیا ہے اور ان کے خیال میں جو زیادہ کھانا کھلاتا ہے وہ شیخ بننے کا زیادہ مستحق ہے لیکن انہیں سمجھنا چاہیے کہ ایسا شخص خادم ہے شیخ نہیں ہے۔ البتہ خادم کی خدمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک احسن مقام حاصل ہے۔

نوافل پر خدمت کو فضیلت حاصل ہے اس قول کی دلیل میں روایت ہے جو ابوزرعہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مشائخ کی اسناد کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

ایک سفر میں ہم رسولِ خدا ﷺ کے ہمراہ تھے۔ ہم میں سے بعض کے روزے تھے اور بعض بغیر روزے کے تھے سخت گرمی کا دن تھا۔ اس سفر میں ہم نے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ ہم میں سے بعض نے اپنے ہاتھوں کو سورج کی اوٹ بنایا اور جن کے پاس چادریں تھیں انہوں نے چادروں کو اوٹ بنا لیا۔ اور اس کے سائے میں بیٹھ گئے روزہ دار لوگ سائے میں سو گئے لیکن جو لوگ روزے کے بغیر تھے۔ وہ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے خیمے گاڑے اور اونٹوں وغیرہ کو پانی پلایا۔ ان کی خدمت دیکھ کر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

"آج بے روزہ والے ثواب لے اُڑے"۔

یہ حدیث دلیل ہے کہ نوافل پر خدمت کو فضیلت حاصل ہے اور خادم کے لیے مقام نادر ہے جس کی اس کو رغبت ہوتی ہے۔ جو شخص اپنے نفس کے اثر سے خدمت کے لیے نیت خالص نہیں رکھتا بلکہ خادم کی مشابہت پیدا کرتا ہے تو ایسے شخص کی خدمت نیکی اور بدی کا مجموعہ ہوتی ہے نتیجہ یہ کہ کبھی تو وہ اپنے ایمان اور حُسنِ عقیدت کی بنا پر صحیح خدمت کرتا ہے اور کبھی نفس کے غلبہ سے اس خدمت میں ناکام رہتا ہے کبھی یہی خادم اپنی نفسانی خواہشات کی بنا پر ان لوگوں کی خدمت کرتا ہے جو اس خدمت کے مستحق نہ تھے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں۔ کبھی کسی شخص کی کوئی بات اسے ناگوار گزرے تو وہ اس کی خدمت سے رک جاتا ہے وہ خوشی اور رنجش دونوں حالتوں میں خدمت خلق میں کوتاہی کرتا ہے۔ کیونکہ ذاتی عداوت اور رنجش کے سبب سے اسکی طبیعت اور مزاج بدل جاتا ہے۔ پس ایسا شخص متخادم ہے خادم نہیں ہے۔ اس کے برعکس سچا خادم وہ ہے جو خوشی اور غضب دونوں صورتوں میں خدمتِ خلق بجالاتا ہے اور نفس کی پیروی نہیں کرتا۔ نہ خدا کی راہ میں اس کو ملامت کرنے والے کی پرواہ ہوتی ہے بلکہ وہ ہر مقام اور ہر حالت میں رضائے الٰہی کے لیے خدمت کرتا ہے۔

متخادم درحقیقت اپنے نفس کا غلام ہے اور دنیا کا طالب ہے وہ رات دن دنیاوی چیزوں کے حصول میں سرگرداں رہتا ہے۔ وہ اپنے نفس اور زن و فرزند کو خوش رکھتا ہے۔ اس کی دنیاوی حرص بڑھتی چلی جاتی ہے وہ ایسا لباس پہنتا ہے جو خادموں اور فقراء کا نہیں ہوتا۔ پھر وہ فقراء پر زبان درازی اور زیادتی شروع کر دیتا ہے۔ اور فقراء کو مجبور کرتا ہے کہ اس کی خوشامد کریں۔ اور اس کی رضا حاصل کر کے اس کی دست درازیوں سے محفوظ رہیں ایسا شخص نہ خادم ہے نہ متخادم بلکہ وہ مستخدم ہے۔ لیکن ایسی خوشامد اور رضا جوئی سے فقیری پر حرف آتا ہے۔ حصولِ رزق کے لیے غیر کی خوشامد توکل کے خلاف ہے۔ اور شان عبدیت کے منافی ہے اس لیے مشائخ کبھی ایسے شخص کی پروا نہیں کرتے۔

گوشہ نشینی: اگر کوئی کہے کہ عابدوں اور زاہدوں نے الگ تھلگ رہنا کیوں اختیار کیا؟ اور اجتماعی زندگی سے ان کے گریز کا کیا سبب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اس تنہائی کو آفات سے محفوظ رہنے کے لئے اختیار کیا ہے کہ اجتماع میں آفتوں کا سامنا ہے اُنکے نفوس خواہشوں میں گرفتار ہو کر ان چیزوں پر غور کرنے لگتے ہیں جو ان کا مقصود اصلی نہیں ہیں۔ اس صورت میں ان کو تنہائی اور عزلت نشینی ہی میں سلامتی نظر آئی۔

صوفیاء کرام نے اپنی قوتِ عمل اور روحانی طاقت سے جب یہ برائیاں اپنے نفوس سے دور کر دیں جو اجتماعی زندگی سے پیدا ہوتی ہیں تو انہوں نے اپنے زاویوں اور خانقاہوں میں اپنے مصلوں (سجادوں) پر جمع ہونا ہی مناسب سمجھا ان کی یہ سجادہ نشینی سُنّتِ رسول ﷺ بھی ہے جس کا ثبوت یہ حدیث ہے جس کو حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیان کیا ہے آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ

"میں نے رسول اللہ ﷺ کے لئے کھجور کی چھال کی چٹائی بنائی تھی جس پر آپ ﷺ رات کی نماز (تہجد) ادا فرمایا کرتے تھے"

اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ ﷺ مسجد میں اپنے لئے کھجور (کی چٹائی) کا ایک چھوٹا مصلیٰ نماز ادا کرنے کے لئے بچھایا کرتے تھے۔

خانقاہ میں نوجوان، بوڑھے، خادم اور تنہائی پسند ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں لیکن ان سب میں مشائخ ضعیف گوشہ نشینی کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اس کے برعکس نوَجوانوں کی طبیعت زاویہ نشینی اور جماعت خانے میں بیٹھے رہنے سے گریز کرتی ہے اور غیروں کی نظریں ان پر پڑتی رہتی ہیں ایسی صورت میں خانقاہ میں ایسے لوگوں کی

ضرورت ہے جو جوانوں کے حفظ اوقات ضبطِ انفاس اور حواس کی نگہداشت و تربیت کا انتظام و اہتمام کرسکیں۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کرتے تھے ارشادِ ربانی ہے۔

"لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيهِ"

ترجمہ : " آج کے دن ان میں سے ہر ایک کی نرالی شان ہے جوان کیلئے کافی ہے"

اصحابِ رسول اللہ ﷺ کو آخرت کی فکر اس طرح دامن گیر تھی کہ ان کو ایک دوسرے کے مال کی خبر نہیں ہوتی تھی پس ارباب صدق اور صوفیاء کرام کے لئے لازم ہے کہ ان کا اجتماع ان کے تضیع اوقات کا موجب نہ ہو۔ اور اگر جوانوں کے اوقات میں لہو ولعب اور لذائذ زندگی کے خلل انداز ہونے کا امکان ہو تو پھر ان کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ تنہائی طلب کریں اور گوشہ نشینی کو اپنے لیے لازم کرلیں۔ ایسی صورت میں شیخ خانقاہ کو چاہیے کہ وہ جوان کو ایک گوشہء خلوت عطا کردے تا کہ اس سے وابستہ ہو کر اپنے نفس کو خواہشات اور فضول باتوں سے باز رکھے اور اس طرف اس کا خیال نہ جائے۔

شیخ کو جماعت خانہ میں رہنا چاہیے کہ اس کی حالت میں پختگی ہوتی ہے اور وہ لوگوں کی مدارات کو گوارا کرسکتا ہے اور صحبت و اختلاط کے ناپسندیدہ انجام سے مطمئن و محفوظ رہنے کی اس میں صلاحیت موجود ہے۔ جماعت میں اس کو وقار حاصل ہے اور دوسرے لوگ اس سے انضباط و ضبطِ نفس کا سبق حاصل کر کے خرابی اور تکدّر سے بچ سکتے ہیں۔

خدمتِ خلق : خدمتِ خلق عبادت کا درجہ رکھتی ہے جو شخص خانقاہ میں تازہ وارد ہو اور اس نے علم معرفت کا ذائقہ نہ چکھا ہو اور روحانیت کے اعلیٰ درجہ پر فائز نہ ہوا ہو تو ایسے شخص کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ خانقاہ والوں کی خدمت کرے یہ خدمت اس کی عبادت

شمار ہوگی۔ وہ اپنی حُسنِ خدمت سے اہل اللہ کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرلے گا۔اور انکی برکات اس کے شاملِ حال ہو جائیں گی اور اس طرح وہ اپنے عبادت گزار بھائیوں کا اپنی خدمت کے ذریعے سے معین ومددگار ثابت ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ

"مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں ہر ایک دوسرے سے بعض ضروریات کا طالب ہے پس ان میں جولوگ اپنے دوسرے بھائی کی ضرورت پوری کریں گے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی ضرورتیں پوری کرے گا"

مزید برآں خادم خدمت کے باعث بطالت اور کاہلی سے محفوظ رہتا ہے کہ یہی دل کی موت ہے۔

مختصر یہ کہ صوفیاء کرام کے نزدیک خدمت بھی نیک کاموں میں شامل ہے اس سے انسان میں اوصاف حسنہ پیدا ہوتے ہیں اور اوصاف جمیلہ حاصل کیے جاتے ہیں لیکن جب خادم اپنی جنس سے نہ ہو یعنی ارباب تصوف سے نہ ہو اور جو مخدوم سے ہدایت کا طالب نہ ہو ایسے شخص سے خدمت لینا مناسب نہیں ہے۔ مشائخ عظام اور صوفیاء کرام غیروں یا نااہلوں سے صرف خدمت لینا ہی پسند نہیں کرتے بلکہ ان سے تعلق اور میل جول بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

کیونکہ جو شخص ان کے طریقے کو پسند نہیں کرتا تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ ان کے طور طریقے دیکھ کر بجائے فائدے کے نقصان اٹھاتا ہے۔صوفیاء کرام سے بتقاضائے بشریّت ایسے افعال سرزد ہو جاتے ہیں کہ اغیار اپنی کوتاہ علمی کے باعث ان سے کراہت کرتے ہیں اس لیے اغیار سے خدمت لینے سے ان حضرات کا گریز کسی کبر ونخوت پر مبنی نہیں ہے نہ یہ بات ہے کہ وہ کسی مسلمان پر اپنی برتری جتا رہے ہیں بلکہ انکے گریز کی اصل وجہ خلقِ خدا پر شفقت کے باعث ہے۔

خادم کا ثواب میں حصّہ : خادم، مخدوم کی عبادت کے ثواب میں شریک ہے خادم جب اللہ تعالیٰ کی طاعت و بندگی میں مصروف حضرات کی خدمت کرتا ہے تو وہ بھی ان کے ثواب میں حصّہ دار بن جاتا ہے البتہ اگر خادم یہ محسوس کرے کہ وہ کسی شیخ کی خدمت اس کے احوال بلند کے باعث شایان شان طریقے سے نہیں کر رہا ہے۔ تو اس کی خدمت میں مصروف نہ ہو بلکہ ایسے شخص کی خدمت کرے جو اس کی خدمت کا اہل ہے کہ اہل قرب کی خدمت اللہ تعالیٰ کی محبت کی نشانی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے باسناد مروی ہے کہ

''جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس ہوئے اور مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو حضور پُرنور ﷺ نے فرمایا: کہ

مدینہ منورہ میں کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے تمہارے ساتھ سفر کیا اور فراخ راستوں اور وادیوں سے تمہارے ساتھ گزرے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ کہ حضور ﷺ! وہ تو مدینہ میں رہ گئے تھے پھر ہمارا انکا ساتھ کس طرح ہوا؟

حضور رسالتماب ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں! اُن کو عذر نے روک لیا تھا مگر ثواب میں وہ تمہارے ساتھ شریک ہیں۔''

پس وہ شخص جو صوفیاء کی خدمت کرتا ہے لیکن اپنی کسی خامی کے باعث ان کے مراتب عالیہ تک نہیں پہنچ سکا لیکن اس پر بھی وہ خدمت میں مصروف رہ کر خانقاہ کے گرد چکر لگاتا رہا اور ان کی خدمت میں اپنی بھرپور خدمت کے باعث سرگرم رہا اور یہ خیال کرتا رہا کہ اگر وہ ان کی نگاہ لطف سے محروم رہا تو کیا ہے۔ شاید خدمت سے اس کی کچھ تلافی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی خدمت پر بھی اس کو ضرور بلند پایہ جزا دیگا۔ وہ اپنی خدمت سے خداوند بزرگ و برتر کے بلند پایہ فضل کا مستحق بن جاتا ہے۔

اکٹھے کھانے میں شرکت : چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم کھاتے ہیں لیکن سیر نہیں ہوتے۔ یہ سن کر سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا!

" کہ شاید تم لوگ الگ الگ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہو تم اکٹھے بیٹھ کر خدا کا نام لیکر کھانا کھاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اس میں برکت پیدا فرمائے گا"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

"رسول اللہ ﷺ نے نہ کبھی خوان میں کھانا کھایا اور نہ کبھی بڑے پیالے میں اور نہ کبھی آپ ﷺ کے لیے چپاتی پکائی گئی اور نہ ہی کبھی چپاتیاں تناول فرمائیں "

لوگوں نے دریافت کیا کہ پھر آپ ﷺ کس چیز پر کھانا تناول فرماتے تھے؟

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آپ دستر خوان پر کھانا تناول فرماتے تھے۔

"یہی خانقاہی نظام کا طریقہ ہے اور اسی میں فیضانِ سُنت ہے"

اہل خانقاہ کے خصائص : خانقاہوں کی بنیاد اس ہادی ومہدی قوم کی زینت ہے اہل خانقاہ کی خصوصیات ایسی ممتاز ہیں جن کے باعث وہ دوسری جماعتوں سے منفرد اور ممتاز ہو گئے ہیں۔ یہ اوصاف وخصوصیات دوسری جماعتوں میں ناپید ہیں۔ یہ لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ" (سورۃ الانعام آیت نمبر ۹۰)

ترجمہ: یہی وہ لوگ ہیں جو منجانب اللہ ہدایت یافتہ ہیں اس لیے تم اِن ہی کی ہدایت کی پیروی کرو۔

اہل خانقاہ کے بعض لوگوں میں جو کوتاہیاں نظر آتی ہیں اور وہ اسلاف کے

طریقے سے روگردانی کرنے لگے ہیں۔تو یہ ان کی ذاتی کمزوریاں ہیں نہ کہ طریق خانقاہی اور طریقت کے مسلک کی خرابی ہے اب بھی خانقاہوں میں اطاعت خداوندی اور آداب ظاہری کی جو اجتماعی صورت نظر آتی ہے یہ سب کچھ فیض ہے مشائخ سلف کا جو اسلاف کے باطنوں سے پرتو فگن تھا اور اسلاف کے مسلک کے اتباع اور عطائے حق کے آثار ہیں۔الحمد للہ آج بھی کچھ ہستیاں ایسی ہیں جو صحیح طریقہ پر اپنے اسلاف کے مسلک اور ان کے طریقہ کے مطابق رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دے رہی ہیں۔

اہل خانقاہ یک جان ہیں : اہل خانقاہ کو یک جان و دو قالب کہا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:

"کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْ صُوْ صٌ" (سورۃ الصف آیت نمبر ۰۴)

ترجمہ: وہ مومنین ایسے متحد و متفق ہیں اور اس قدر مضبوط ہیں جیسے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار۔

خانقاہ میں جس قدر لوگ ہوتے ہیں وہ اپنے اتحاد اور متحدہ ارادوں کے باعث ایک جسم کی طرح ہوتے ہیں دوسری جماعتوں میں یہ بات نہیں ہے اس کے برعکس اعدائے مسلمین کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:

"تَحْسَبُھُمْ جَمِیْعًا وَّ قُلُوْبُھُمْ شَتّٰی ٥" (سورۃ الحشر آیت نمبر ۱۴)

ترجمہ: تم ان کو متحد و متفق خیال کرتے ہو حالانکہ انکے دل پراگندہ ہیں۔

حضرت نعمان بن بشیر رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے سنا ہے۔

"بیشک مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں اگر کوئی عضو مبتلائے درد ہوتا ہے تو تمام جسم میں تکلیف ہونے لگتی ہے۔اسی طرح اگر کسی مومن کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو تمام مومنین اس کی تکلیف محسوس کرتے ہیں"

صوفیاء کے لئے جمعیت خاطر ضروری ھے : تمام صوفیاء ایک روحانی رشتہ میں منسلک ہیں اور تالیف الٰہی کے رابطہ سے باہم مربوط ہیں اور مشاہدہ قلوب کے ساتھ وابستہ ہیں بلکہ خانقاہوں میں ان کی موجودگی ہی اس لئے ہے کہ تزکیۂ قلب اور آراستگی نفس حاصل ہو اس لیے لازم ہے کہ وہ جمعیت خاطر رکھیں دلوں میں پراگندگی پیدا نہ ہونے دیں دلی اور روحانی اتحاد سے اس پراگندگی کا ازالہ کر دیں۔ اس صورت میں ان کے لئے باہمی خیر سگالی اور محبت و رافت اور بھی زیادہ ضروری ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مومن آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ الفت و محبت سے پیش آتے ہیں اور اس شخص میں کچھ بھی بھلائی نہیں ہے جو نہ خود دوسروں سے محبت کرتا ہے۔ اور نہ دوسرے اس سے محبت کرتے ہیں"

دوسرے مقام پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ارواح ایک لشکر کی مانند ہیں جو ایک جگہ جمع ہو گئی ہیں، تو جان پہچان والی ارواح آپس میں مانوس ہو جاتی ہیں اور جو ایک دوسرے سے متعارف نہیں وہ الگ تھلگ رہتی ہیں"۔

اہل خانقاہ کا بھی یہی حال ہے کہ جب یہ لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ تو ان کے دلوں اور باطنوں میں بھی جمعیت خاطر پیدا ہو جاتی ہے اور ان کے نفوس ایک دوسرے کے مقید ہو جاتے ہیں اور پھر وہ ایک دوسرے کے مال کے نگران ہوتے ہیں۔

جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ

"مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے"

پس جب وہ کسی میں پریشانی خاطر اور پراگندگی قلب دیکھتے ہیں تو اس سے بچتے ہیں کہ یہ نفسانی خواہش کا نتیجہ ہوتا ہے اور غلبہء نفس سے وقت ضائع ہوتا ہے چنانچہ جب کبھی کسی درویش میں یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے اور وہ نفس کا شکار ہو جاتا ہے تو یہ لوگ اس کو پہچان لیتے ہیں کہ یہ شخص اب جمعیت کے دائرے سے خارج ہو گیا ہے ضبطِ نفس میں سُستی برتی اور وقت کا ضیاع کیا اس وقت اس کے ساتھ نفرت کا برتاؤ کر کے اس کو پھر دائرہ جمعیت میں کھینچ کر لایا جاتا ہے۔

تنافر اور محاسبہ موجب خیر ہے : شیخ محمد بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ شیخ ردیم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ "صوفیوں میں خیر اُسی وقت تک ہے جب تک وہ آپس میں تنافر رکھیں اور اگر وہ آپس میں مصالحت کریں گے اور باہم مل بیٹھیں گے تو تباہ و برباد ہو جائیں گے"

تنافر اور محاسبہ سے مراد یہ ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے پر نظر رکھیں اور ایک دوسرے کا محاسبہ کرتے رہیں۔ اور دیکھیں کہ کہیں کسی کا نفس اس پر غالب تو نہیں آ گیا ہے اور جب وہ اس قسم کے محاسبہ اور نگہداشت کو ترک کر دیں گے تو ایسی صورت میں اندیشہ ہے کہ آپس میں چشم پوشی اور درگزر سے کام لینے لگیں اور طریقت کے دقیق اور پوشیدہ آداب سے غافل رہ جائیں تو اس صورت میں ان کا نفس اُن پر غالب آ جائیگا اس لیے ضروری ہے کہ آپس میں تنافر رکھیں اور ایک دوسرے کا محاسبہ کرتے رہیں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ

"اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے مجھے میرے عیوب سے باخبر کیا!"

شیخ ابوزرعہ رحمتہ اللہ علیہ اپنے مشائخ کی اسناد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مجلس میں مہاجرین و انصار کی موجودگی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "اے حاضرین! اگر میں تم کو بعض امور میں اجازت دے دوں تو تمہارا طرزِ

عمل میرے ساتھ کیا ہوگا؟"

یہ سن کر لوگ خاموش رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہی ارشاد دہرایا۔ تیسری مرتبہ جب آپ نے فرمایا کہ

"بعض امور میں تم کو رخصت واجازت دے دوں تو تم کیا کروگے؟"

اس وقت جناب بشر بن سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ

"اگر آپ رضی اللہ عنہ ایسا کریں تو ہم آپ رضی اللہ عنہ کو طعنوں کے تیروں کا نشانہ بنا ڈالیں گے۔ اور اعتراض کریں گے کہ آپ کو اس کا حق نہیں ہے "

یہ سُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہُ نے فرمایا کہ تم اپنی اعلیٰ اور مخصوص صفاتِ ایمانی کے ساتھ قائم ہو۔

مخاصمت کے دوران صوفی کا رویہ : جب کوئی صوفی نفس سے مغلوب ہوکر اپنے کسی بھائی سے جھگڑ بیٹھے یا غصے میں آکر جھگڑنے کے لیے تیار ہو تو دوسرے بھائی کیلئے یہ بات ضروری ہے کہ وہ اس کے نفس کا مقابلہ اپنے قلب سے کرے۔ اس طرح برائی اور شر کا مادہ زائل ہو جاتا ہے اور اگر اس نے بھائی کے نفس کا مقابلہ اپنے نفس سے کیا تو پھر ایک فتنہ کھڑا ہو جاتا ہے اور عصمت رخصت ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ٥ وَ مَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ٥ " (سورۃ حٰم السجدہ آیت ۳۴ اور ۳۵)

ترجمہ : "تم اچھے طریقے سے (دشمن کی دشمنی کی) مدافعت کرو تاکہ وہ شخص جس کے ساتھ تمہاری دشمنی ہے۔ تمہارے گہرے دوست کی طرح ہو جائے اور یہ طریقہ صرف وہی لوگ اختیار کر سکتے ہیں جو صابر ہیں"

پس اگر شیخ یا خادم کے پاس کوئی درویش اپنے بھائی کی شکایت لیکر پہنچے تو اس کو اختیار ہے کہ ان دونوں میں سے جس کو شکایت ہے اور جس سے شکایت ہے جس پر چاہے خفگی کا اظہار کرے۔ اگر زیادتی کرنے والے سے خفگی کا اظہار کرنا مقصود ہو تو اس سے کہے کہ تو نے اپنے بھائی سے یہ زیادتی کیوں کی اور مظلوم سے کہے کہ تم سے کون سا ایسا گناہ سرزد ہوا جس کی تمہیں سزا ملی؟ تمہیں چاہیے تھا کہ اپنے قلب سے اس کے نفس کا مقابلہ کرتے۔ تم نے ایسا کیوں نہیں کیا اور حق صحبت کیوں ادا نہیں کیا اسطرح وہ دونوں ہی قصوروار ہیں اور جمعیت کے دائرے سے خارج ہو گئے ہیں اس لیے دونوں کو ملامت کر کے جمعیت واتحاد کے دائرے کی طرف واپس لایا جائے گا۔ پس وہ استغفار کریگا اور اپنی بے گناہی پر اصرار نہیں کریگا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے:

"اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ اِذَا اُحْسِنُوْا اِسْتَبْشِرُ وَاِذَا سَیْٔوْا اَسْتَغْفِرُ وْ اہ"

ترجمہ: "الٰہی تو مجھے ان لوگوں میں شامل فرمادے جو اچھا کام کر کے خوش ہوتے ہیں اور جب اُن سے برائی سرزد ہوتی ہے تو استغفار کرتے ہیں"

اس طرح ظالم اور مظلوم کی استغفار ظاہری طور پر بھائیوں کے سامنے ہوگی لیکن باطن میں اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوگا۔ استغفار کرتے وقت وہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کریں گے اور استغفار وانکسار اپنا کر جوتیاں اتارنے کی جگہ پہنچ جائیں تو اس طرح خاکساری کا کمال ان کو حاصل ہوگا۔ شیخ شہابِ الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کا طریقہ مصالحت یہ تھا کہ وہ ایسی صورت میں اس درویش کو فرماتے کہ اُٹھو اور استغفار پڑھو، وہ درویش کہتا تھا کہ میرا باطن صاف نہیں ہے استغفار کس طرح پڑھوں؟ تو آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ

’’تم کھڑے ہو جاؤ اور استغفار پڑھو تمہاری کوشش اور صلح کی خاطر قیام سے تم کو صفائے باطن بھی میسّر ہو گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا اس کو صفائے باطن عطا ہو جاتی تھی اس کے دل میں نرمی پیدا ہو جاتی اور رنجش دور ہو جاتی۔‘‘

حقیقت میں جماعت صوفیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کسی کی رنجش کے ساتھ رات نہیں گزارتے اور نہ اس حال میں وہ کھانے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ جب تک یہ تفرقہ دور نہیں ہوتا اور سب کو جمعیت خاطر حاصل نہیں ہوتی۔ اس وقت تک وہ کسی کام کے لئے جمع نہیں ہوتے۔ پس شیخ کے لیے ضروری ہے کہ جب کوئی ایسا درویش استغفار کے لئے کھڑا ہو تو اس کی معافی کو رد نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ معاف کر دینا چاہیے۔

جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"تم رحم کرو تم پر رحم کیا جائیگا اور معاف کر دو تم کو بھی معاف کیا جائیگا"

معذرت قبول کر لینا چاہیے : رسول خدا ﷺ نے معذرت قبول نہ کرنے پر سخت وعید فرمائی ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی ہے۔ کہ حضرت رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ:

"اگر کسی شخص سے کسی نے معافی مانگی اور اس نے اس کی معذرت اور معافی کو قبول نہیں کیا تو وہ حوض کوثر پر نہیں آسکے گا: "

دوسری روایت یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"جس شخص کے سامنے اس کے بھائی نے معذرت کی اور اس نے وہ معذرت قبول نہ کی تو اس پر وہی عائد ہو گا جو خراج وصول کرنے والے اور بیع پر مامور شخص پر عائد ہو گا۔ جو اِس میں بددیانتی کرے"

پس اگر کسی نے اپنے بھائی سے اپنی غلطی پر معافی طلب کی اور دوسرے نے اس

کی معافی اور معذرت کو قبول نہیں کیا تو اس نے غلطی کی۔

استغفار کے بعد ھدیہ پیش کرنا سنت ھے : یہ طریقہ مسنون ہے کہ استغفار کے بعد اپنے بھائیوں کی خدمت میں بطور ہدیہ کچھ پیش کیا جائے۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنے تمام مال سے دست بردار ہو جاؤں اور اپنے خاندان کے ان گھروں کو چھوڑ دوں جہاں بیٹھے رہ کر مجھ سے یہ گناہ سرزد ہوا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ سُن کر فرمایا:

"اس مال کا تہائی حصہ تم دے دو یہ کافی ہے"

اُس وقت سے اہل خانقاہ اس سُنت پر عمل پیرا ہیں کہ توبہ واستغفار کے بعد توبہ کرنے والے سے تاوان کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ آپس میں الفت ومحبت قائم رہے اور جمعیت خاطر پراگندہ نہ ہو۔ جس طرح ان کا ظاہر ربط وضبط سے آراستہ ہے اسی طرح ان کے باطن میں بھی یہ ربط والفت قائم رہے۔ یہ وہ خصوصیت ہے جو مسلمانوں کے سوا اور کسی گروہ میں نہیں پائی جاتی۔

شیخ کی دست بوسی : استغفار کے بعد شیخ کی دست بوسی کی اصل بھی سُنت رسول اللہ ﷺ میں موجود ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے بھیجے ہوئے ایک لشکر میں مجاہد کی حیثیت سے شریک تھا لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ اس سریہ میں لوگ دشمن سے مقابلہ میں بھاگ پڑے اور میں بھی بھاگنے والوں میں شریک تھا۔ آخر کار ہم لوگوں کو خیال آیا کہ اس طرح بھاگنے سے تو ہم غضب الٰہی کے مستحق بن گئے ہیں اب کیا کیا جائے؟

ہم لوگوں نے یہ طے کیا کہ مدینہ پہنچ کر توبہ کر لیں گے اور رسول اللہ ﷺ کے حضور میں خود کو پیش کر دیں گے اگر حضور اکرم ﷺ نے ہماری توبہ قبول فرمالی تو بہتر ہے۔ ورنہ

دوبارہ پھر لڑنے کے لئے جائیں گے۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں آکر ہم لوگ نماز فجر سے پہلے ہی کاشانۂ نبوت پر پہنچ گئے۔ رسول خدا ﷺ نے کاشانۂ نبوت سے باہر تشریف لاکر دریافت فرمایا کہ تم کون لوگ ہو؟

ہم نے عرض کیا کہ ہم بھگوڑے خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا!

"نہیں تم بھگوڑے نہیں ہو بلکہ تم دوبارہ پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو! تم مسلمانوں کے گروہ سے ہو"

یہ مژدہ سُن کر ہم آپ ﷺ کے قریب پہنچے اور آپ ﷺ کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا۔

روایت ہے۔ کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دست بوسی کی۔ اسی طرح حضرت المرشد الفتوی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سواریوں سے اتر کر ہم نے حضور اکرم ﷺ کی دستِ بوسی کی۔ ان احادیث سے دستِ بوسی کا شرعی جواز ملتا ہے۔ لیکن ایک صوفی کے ادب کامل کا تقاضا یہ ہے کہ اگر دوسرے اس کی دستِ بوسی کریں اور اس سے اس کے نفس میں رعونت پیدا ہو اور وہ خود کو دوسروں سے معزز سمجھنے لگے تو وہ اس طریقہ سے باز آجائے یعنی دستِ بوسی کے طریقہ کو ترک کر دے۔ اور اگر اس کا ڈر اور فکر نہ ہو تو معافی مانگنے کے بعد معذرت خواہ کو دستِ بوسی کی اجازت دے دے اُس وقت کوئی حرج نہیں ہے غرض کہ اس طرح باہمی رنج وملال کے بعد صلح وآشتی کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔

خدام خانقاہ کی قوتِ لایموت : صادق ومخلص فقیر جو خانقاہ میں مقیم ہے اور خانقاہ کے ذرائع سے کھاتا پیتا اور گزر اوقات کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ

خدا کا ذکر اس طرح کثرت سے کرے کہ اگر وہ روزی کماتا تو ایسا ذکر اس کیلئے ممکن نہ ہوتا اور اگر خانقاہ میں اوقات فرصت میسر ہیں یا وہ ادھر اُدھر کی باتوں میں مصروف رہتا ہے۔اور وہ اہل باطن کی طرح ریاضت اور محنت کے فرائض پورے نہیں کر رہا ہے تو ایسے درویش کو خانقاہ کے مال وقف یا دوسرے ذرائع سے جو مال خانقاہ کے لئے آیا ہے اس سے کھانا وغیرہ جائز نہیں بلکہ اس کو خود اپنے لئے روزی کمانا چاہیے۔اس لئے کہ خانقاہ کا کھانا وغیرہ تو صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو ہمہ وقت یادالٰہی اور حصول رضائے الٰہی میں مصروف و مستغرق ہیں۔ اسلئے دُنیا والے انکی خدمت کرتے ہیں۔ البتہ ایسا شخص جو پیر طریقت سے تربیت حاصل کر رہا ہے۔اس کے بارے میں اگر شیخ کی رائے ہے کہ وہ اسے فقیروں کی خدمت پر لگا دے تو وہ کھانا اس کی خدمت کا معاوضہ سمجھا جائیگا۔

شیخ ابو عمر و الزجاجی سے منقول ہے کہ میں عرصہ دراز تک حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہکی خدمت میں رہا۔اس پوری مدت میں حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ نے نہ مجھ پر نظر ڈالی نہ یہ دیکھا کہ میں کس قسم کی عبادت میں مشغول ہوں اور نہ کبھی مجھ سے کلام کیا۔ پھر ایک دن خانقاہ بالکل خالی تھی میں نے خانقاہ کی اچھی طرح صفائی کی ہر طرف پانی چھڑکا اور بیت الخلاء کو بھی دھو ڈالا۔ شیخ جنید رحمتہ اللہ علیہ خانقاہ میں آئے، یہ تمام صفائی دیکھی اور مجھ پر گرد و غبار پڑا ہوا دیکھا تو میرے لئے دُعا کی اور مرحبا!

جزاك الله ور ضيت عليك بها تین بار فرمایا یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ مشائخ عظام نوخیز جوانوں کو خدمت پر لگا دیتے ہیں، تاکہ وہ بدکاری سے محفوظ رہیں اس طرح ان کو دو حصے مل جاتے ہیں۔ایک حصہ معاملے کا دوسرا حصہ خدمت کا یعنی روحانی مراتب بھی حاصل ہوتے ہیں اور خدمت کا اجر بھی ملتا ہے۔

خدمات پر مقرر کرنا سنت طریقہ ھے : حضرت ابو محذورہ

رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے ذمے اذان دینے کی خدمت مقرر فرمادی تھی بنی ہاشم کے ذمے چاہ زمزم سے پانی لانے اور پلانے کا حکم مقرر تھا اور بنی عبدالدار کے ذمہ دربانی کے فرائض مقرر تھے اس سنت کی پیروی میں مشائخ بھی خادموں کو مختلف خدمات پر مامور کردیتے ہیں پس خادم کے ذمے کسی قسم کی خدمت رکھی جائے وہ اس کے بجالانے میں عذر نہ کرے اس سے اسکے درجات بلند ہونگے اور دوہرے فیوض و برکات سے فیضیاب ہوگا۔ کیونکہ صرف وہی خانقاہ کے لنگر سے مستفید ہو سکتا ہے جو شخص عملا اور حالا طریقہ صوفیاء پر گامزن ہے بیکار لوگوں اور تضیع اوقات کرنے والوں کے لئے وہ جائز نہیں ہے۔ مشائخ عظام صرف اسی شخص کو خدمت پر مقرر نہیں فرماتے جو ہمیشہ اور ہمہ وقت محاسبہ نفس اور یاد الٰہی میں مشغول رہتا ہے۔ جب یہ مقام اس کو حاصل ہوتا ہے تو وہ نعمت فراغت اور نعمت دونوں کے لئے شکر ادا کرتا ہے۔

حضرت سری سقطیر حمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص قدر نعمت نہیں جانتا اس سے نعمت کو اس طرح سلب کرلیا جاتا ہے کہ اس کو خبر بھی نہیں ہوتی، کبھی کوئی ضعیف شخص کمانے سے معذور ہوتا ہے جس کی وجہ اس کا بڑھاپا اور کمزوری ہے تو وہ خانقاہ کے کھانے میں شریک ہوسکتا ہے لیکن جوان جو کما سکتا ہے۔ اسے مستقل طور پر خانقاہ سے کھانے کی ممانعت ہے البتہ مہمان کے لئے جائز ہے۔ جماعت صوفیاء میں یہ طریقہ عموماً جاری رہا ہے۔ شیخ الثقہ ابوالفتح رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ کے حوالوں سے حضرت ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا!

"مومن کی مثال ایک ایسے گھوڑے کی طرح ہے جو اصطبل سے بدکتا ہے اور پھر اصطبل کو ہی لوٹ کر آتا ہے، اسی طرح مومن سہو کرتا ہے اور پھر ایمان کی طرف رجوع کرتا ہے اس لئے تم اپنا کھانا پرہیزگاروں اور جو مومنین تم میں صاحب معرفت ہیں اُن کو کھلاؤ"

محبت محض اللہ کیلئے کی جائے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

ایک شخص اپنے گھر سے کسی مسلمان بھائی سے ملاقات کیلئے نکلا تو اللہ تعالی نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ بٹھا دیا۔ فرشتے نے اس شخص سے دریافت کیا کہ تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اپنے بھائی کی ملاقات کیلئے جا رہا ہوں فرشتے نے کہا کیا اپنے قرابت کے اعتبار سے، اس شخص نے جواب دیا کہ میں صرف اللہ کیلئے اس سے محبت کرتا ہوں یہ سن کر فرشتے نے کہا کہ میں اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں اور تمہیں یہ پیغام پہنچاتا ہوں کہ تم دونوں کی آپس میں محبت کیوجہ سے اللہ بھی تم سے محبت کرتا ہے۔

دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

" کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی کو یاد کرتا ہے یا محض اللہ کے لئے اس کی زیارت یا اس سے ملاقات کرتا ہے"

تو اللہ تعالی اس سے ارشاد فرماتا ہے کہ

" تم بہت خوش وقت رہے اور تمہارا سفر اچھا رہا ہے اور تم جنت کو اپنا ٹھکانہ بنا لو"

ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا!

" پہلے میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا مگر اب تم ان کی زیارت کرو کیونکہ ان کی زیارت سے تم کو آخرت کی یاد آئے گی"۔

پس اس طرح درویش کو زندوں اور اہل قبور دونوں سے فیض حاصل ہوتا ہے۔

مہمانوں سے انتہائی محبت اور حسن سلوک:

آنے والے مہمانوں کے ساتھ انتہائی محبت اور حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے اور حُسن اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہیے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خانقاہ میں نئے آنے والے مہمان

آداب سے کم واقف ہوتے ہیں اور اس وقت وہ گھبرا جاتے ہیں اس لئے سنت طریقہ یہ ہے کہ اہل خانقاہ ان کے پاس آکر بیٹھیں اور ان سے بے تکلفی اور محبت کے ساتھ ملیں تاکہ احساس بیگانگی اور آداب سے ناواقفیت کی بنا پر جو حیرت پیدا ہوئی ہے وہ دور ہو جائے۔اس میں بڑی فضیلت ہے۔

حضرت ابو رفاعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب پہلی بار میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ اس وقت خطبہ دے رہے تھے میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ ایک مسافر شخص حاضر ہوا ہے جو اپنے دین کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہے اُس کو نہیں معلوم کہ دین کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے خطبہ چھوڑ دیا اور میرے پاس تشریف لائے لوہے کے پاؤں والی ایک کرسی لائی گئی آپ ﷺ اس پر تشریف فرما ہوئے اور پھر آپ ﷺ نے مجھے دینی امور کی تعلیم دی اس کے بعد آپ ﷺ نے پھر خطبہ شروع فرمادیا اور اس کو مکمل فرمایا۔

یہ بات فقراء اور صوفیاء کے اعلیٰ اخلاق میں داخل ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ نرمی اور مدارات سے پیش آئیں اور اگر ناپسندیدہ باتیں سننا یا دیکھنا پڑیں تو اس کو برداشت کریں، کبھی خانقاہ میں ایسا فقیر آجاتا ہے جس سے مراسم صوفیانہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے تو اس کو جھڑکنا اور نکال باہر کردینا بہت بڑی غلطی ہے اس لئے کہ بہت سے صالح بندے اور اولیاء اللہ ایسے بھی ہیں جو آداب خانقاہی سے پوری واقفیت نہیں رکھتے لیکن وہ خانقاہ میں سچے ارادے اور پوری عقیدت کے ساتھ داخل ہوتے ہیں۔تو جب ان سے براسلوک کیا جاتا ہے تو ان کے دل پراگندہ اور پریشان ہو جاتے ہیں یعنی جمعیت خاطر رخصت ہو جاتی ہے اس کراہت اور نامناسب امور سے دین و دُنیا کی تباہی کا امکان ہے پس اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔اور رسول اللہ ﷺ کے اخلاق عالیہ کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

صحیح روایت ہے کہ ایک بدوی مسجد نبوی ﷺ میں آیا اور اس نے وہاں پیشاب کر دیا یہ دیکھ کر حضور پُر نور ﷺ کے حکم کے مطابق بڑے ڈول میں پانی بھر کر اس کو بہا دیا گیا۔ اور حضور ﷺ نے اس اعرابی کو جھڑکا نہیں۔ بلکہ نہایت نرمی اور خوش اخلاق کے ساتھ اس کے فرض سے آگاہ کر دیا۔

ارباب خانقاہ کا یہ طریقہ ہے کہ اگر خانقاہ میں کوئی ایسا شخص آئے جو اس قابل نہ ہو کہ اس کو وہاں رکھا جائے تو کچھ پیش کر کے اس کو وہاں سے رخصت کر دیا جائے لیکن ملائمت اور نرمی کے ساتھ کہ سختی اور بدکلامی خبث باطنی کی علامت ہے۔ جو صوفیاء کے حالات کے بالکل منافی ہے۔

مہمان کو کھانا کھلانا مستحب ہے: خادم خانقاہ کے لئے یہ امر مستحب ہے کہ آنے والے کے لئے کھانا پیش کرے۔ جناب لقیط بن صَبِرَہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم وفد کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ کا شانہءِ نبوت میں موجود نہ تھے ہم وہاں ٹھہر گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حکم دیا کہ ہمارے لئے حریرہ (کھانا) تیار کیا جائے۔ وہ ہمارے لیے تیار ہوا اور ایک قناع (گہرا بڑا پیالہ) میں بھر کر ہم کو بھیجا گیا۔

ہم سب نے حریرہ کھایا۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ہم لوگوں سے دریافت فرمایا: تم کو کچھ کھانے کو ملا؟ ہم نے عرض کیا، جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ بعد میں باقی باتیں ہوئیں۔

اسی طرح آنے والے کے لیے بھی یہ مستحب ہے کہ وہ اپنی آمد پر خانقاہ نشینوں کے لیے بطور حق قدم کچھ پیش کرے منقول ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو آپ ﷺ نے مہمانی کے لیے ایک اونٹ ذبح کرایا تھا۔

مہمان کے جسم کا مساج اور دبانا: خانقاہ میں آنے والے

درویش کے جسم کو دبانا اور مساج کرنا بھی ایک مستحن امر ہے۔ اور اسوہ رسول ﷺ سے یہ ثابت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

ایک روز میں رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت ایک غلام آپ ﷺ کی کمر دبا رہا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی مزاج پرسی کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اونٹنی نے مجھے گرا دیا تھا کمر میں تکلیف ہے اس لیے کمر دبوا رہا ہوں"

جسم دبانے کا عادی نہ ہو: تکان ہو یا سفر سے واپسی پر جسم کو دبایا جائے تا کہ سفر کی تکلیف دور ہو جائے تو یہ مستحن اور پسندیدہ طریقہ ہے لیکن اگر کوئی جسم دبوانے کا عادی ہو جائے اور ہاتھ پاؤں دبوانے کو پسند کرنے لگے تو ایسا کرنا فقیروں کے لیے مناسب نہیں ہے خواہ شریعت میں اس کی رخصت اور اس کا جواز موجود ہو۔ اربابِ عزیمت کو اس طرف رغبت نہیں کرنی چاہیے۔

رخصت کی اجازت ضرور مانگنا چاہیے: جب کوئی شخص اپنے شیخ طریقت یا برادرانِ طریقت کے پاس آئے اور ملاقات سے فارغ ہو جائے تو اسے چاہیے کہ رخصت کی اجازت طلب کرے اور شیخ یا برادرانِ طریقت کی اجازت کے بغیر خانقاہ سے باہر قدم نہ رکھے۔ اور نہ کوئی کام ان کی رائے کے بغیر کرے۔

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے ملاقات کرے اور اس کی ہم نشینی حاصل کرے تو اس کی اجازت کے بغیر نہ اٹھے (یعنی اس کی اجازت کے بغیر واپس نہ ہو)

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سلوک :

سلوک کے لغوی معنی راستہ چلنے کے اور با اصطلاح تصوف قرب خداوندی کے ذرائع حاصل کرنے اور دار آخرت کی طرف متوجہ ہونے کے ہیں۔ نیز ظاہر میں اعمال شرعیہ کے التزام کے ساتھ اخلاق باطنی کی اصلاح وتزکیہ کو سلوک کہتے ہیں جس سے نسبت باطنی کے حاصل ہونے کی استعداد و قابلیت پیدا ہوتی ہے سلوک اختیاری امر ہے جس کا پہلا قدم زہد وتقویٰ ہے۔

درجات سلوک

(i) **پہلا مقام**: مقام فنا در ظاہر شیخ۔ اسے برزخ صغریٰ اور فنافی الشیخ بھی کہتے ہیں۔

(ii) **دوسرا مقام** : مقام فنا در باطن شیخ۔ اسے برزخ کبریٰ اور فنافی الرسول کہتے ہیں۔

اس مرتبہ میں سالکِ طریقت کے باطن پر جمال محمدی ﷺ کے انوار، شیخ کی صورت میں یا کسی اور شکل میں یوں چمکتے ہیں کہ وہ اپنے وجود کے قطرہ کو بحرِ وحدت کی موجوں میں محو اور غرق محسوس کرتا ہے۔ لیکن اس مقام میں بھی اسکی مجازی ہستی برقرار رہتی ہے۔

(iii) **تیسرا مقام** : مقام فنافی اللہ کہلاتا ہے اس درجہ میں پہنچ کر سالک کے تمام بشری اوصاف ختم ہو جاتے ہیں اور علم محض کا ظہور ہوتا ہے اور وہ علمِ ربانی کے ساتھ موجوداتِ ظاہری میں ایک ذات ہی پاتا ہے ان تینوں مقامات تک پہنچانے والی چیز تصور شیخ ہے اس کے بغیر اسمِ باطن کے معانی کا تصور جو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول ﷺ کی ذات ہے جلوہ گر نہیں ہوتا۔

(حوالہ مخزن چشت تالیف خواجہ امام بخش مہاروی اردو ترجمہ ص ۱۵۶)

تصوّر شیخ

تصورِ شیخ سلسلہ نقشبندیہ کا اہم جز و اور واصل باللہ ہونے کیلئے آسان طریقہ ہے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہر وقت مرشد کائنات حضور سید المرسلین ﷺ کا تصور رکھتے اور اس سے روحانی سرور اور فیض حاصل کرتے تھے۔

عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"کانی انظرالیٰ رسول اللہ علی المنبر و علیه عما مه سوداء قدارخی طرفیها بین کتفیه" (صحیح مسلم ۱:۴۴۰)

ترجمہ: " گویا میں چشم تصور میں رسول ﷺ کو منبر پر دیکھ رہا ہوں اور آپ ﷺ کے اوپر سیاہ عمامہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے دونوں کناروں کو اپنے شانوں کے درمیان لٹکا دیا ہے"

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

"کانی انظرالی سواکه تحت شفته" (صحیح مسلم ۲:۱۲۰)

ترجمہ: " گویا میں چشم تصور میں آپ ﷺ کی مسواک ہونٹوں کے نیچے دیکھ رہا ہوں"

سیدنا صدیق اکبر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا قول ہے۔

"اَلنَّظَرُ اِلیٰ وَجْهِ رَسُوْلِ اللہ ﷺ"

ترجمہ "یعنی میرا جی چاہتا ہے کہ میری نظریں رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھتی رہیں"

صحابہ رضی اللہ عنہ کے اسی معمول کو سند بنا کر صوفیاء نے تصورِ شیخ کی اجازت دی ہے۔

اسی تصور کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ دورانِ نماز اسے قائم کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں

"احضر فی قلبك النبی و شخصه الكريم و قل السلام عليك ايها النبی"

(احیاء علوم الدین، ۱:۱۵۱)

اپنے دل میں نبی ﷺ اور آپ ﷺ کی شخصیت کریم کو تصور میں حاضر کر اور پھر کہہ **"السلام عليك ايهاالنبی "**

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب انہیں حضور ﷺ کے وصال کی خبر ملی وہ اپنے کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کے وصالِ ارتحال کی خبر سُن کر انہوں نے رب العزت کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے اور عرض کی۔

"اللّٰهمّ اذهب بصری حتی لا اری بعد حبيبی محمداً احداًفكف بصره"

"اے میرے رب میرے آنکھوں کی بینائی ختم کر دے تا کہ میں اپنے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی دوسرے کو دیکھ ہی نہ سکوں"

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرما کر آنکھوں کی بینائی سلب کر لی۔ چونکہ وہ تصور شیخ اور دیدار شیخ کے علاوہ کسی اور صورت کو دیکھنا ہی نہ چاہتے تھے۔ تصور شیخ درجات سلوک طے کرنے میں کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔

مکتوبات میں امام ربانی رحمتہ اللہ علیہفرماتے ہیں۔ کہ تصور شیخ مقصود تک پہنچانے والے راستوں میں سب سے زیادہ قریب ہے اور تصور شیخ مرید کیلئے ذکر الٰہی کرنے سے بھی زیادہ نافع ہے۔ فرماتے ہیں جاننا چاہیے کہ بناوٹ اور تکلف کے بغیر شیخ کا تصور پیر اور مرید کے درمیان مناسبت تام کی نشانی ہے جو افادے اور استفادے کا

سبب ہے۔اور کوئی راستہ بھی تصور شیخ سے زیادہ قریب نہیں ۔ یہ دولت صرف سعادت مند کو عطا کرتے ہیں۔

حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ العزیز اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں۔ سایہء رہبر بہتر است از ذکر حق۔یعنی مرید کے لیے رہبر کا سایہ اس کے ذکر حق کرنے سے زیادہ نفع مند ہے کیونکہ مرید کو اس وقت اللہ عزوجل کے ساتھ کامل مناسبت حاصل نہیں ہوتی تا کہ براستہ ذکر مکمل نفع حاصل ہو۔(مکتوب نمبر ۱۸۷)

(حوالہ اردو ترجمہ مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ ص ۴۲۵ حصہ اوّل)

دفتر دوم مکتوب نمبر ۳۰ میں خواجہ محمد اشرف نے نسبتِ رابطہ یعنی تصور شیخ کے متعلق لکھا ہے کہ نسبت اس حد تک غالب آچکی ہے کہ نماز میں بھی اسے اپنا مسجود جانتا اور دیکھتا ہے اور اگر فرضاً نفی کرے تو منتفی نہیں ہوتا۔اے محبت کے اطوار والے یہ دولت طالبان حق کی متمنا اور آرزو ہے۔ ہزاروں میں سے شاید ایک کو نصیب ہوتی ہے اس کیفیت اور معاملے والا مرید صاحب استعداد اور تام المناسبت ہے احتمال ہے کہ شیخ مقتدا کی تھوڑی سی صحبت سے اس کے تمام کمالات کو جذب کرلے۔تصور شیخ کی نفی کی کیا ضرورت ہے کیونکہ وہ مسجود الیہ ہے مسجود لہٗ نہیں ہے۔محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے اس قسم کا ظہور سعادت مندوں کو میسّر آتا ہے۔تا کہ تمام احوال میں مرشد کامل کو اپنا ذریعہ جانیں۔اور تمام اوقات میں اسکی طرف متوجہ رہیں نہ اس بدنصیب گروہ کی طرف جو اپنے آپ کو تصور شیخ سے بے نیاز جانتا ہے اور اپنے قبلہ توجہ کو اپنے شیخ سے پھیر لیتا ہے۔اور اپنے معاملے کو خراب اور تباہ کر دیتا ہے۔ (حوالہ اردو ترجمہ مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی ص ۱۰۱۳)

کتاب انوارِ قمریہ میں حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفس نہ علم سے مرتا ہے نہ کسی اور ذریعہ سے بلکہ نفس مارنے کا ذریعہ صرف اور صرف

تصرف شیخ اور تصور شیخ ہے۔ جسطرح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہیچ نکشند نفس راجز ظل پیر

دامن ایں نفس کش راسخت گیر

یعنی "تصور شیخ کے سوا نفس کو کوئی نہیں مار سکتا اس لیے نفس کو مارنے والے مرشد کامل کا دامن مضبوطی سے پکڑ لے"

خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے انوار قمریہ میں فرمایا! کہ تصور شیخ کی کئی صورتیں ہیں۔

(i) پیر کا اپنے سامنے نماز پڑھتے ہوئے تصور رکھنا۔

(ii) پیر کو اپنے سامنے بیٹھے قبلہ رو تصور کرنا اور اپنے آپ کو شیخ کے دائیں طرف اس کے پیچھے خیال کرنا شیخ کا دایاں شانہ مرید کے سامنے ہو۔

(iii) اپنے وجود کو ختم کر کے شیخ کا وجود ہی اپنے اوپر تصور میں جمالینا۔

اس کے بعد مائی بانو کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا! کہ مائی بانو کا شوہر میاں احمد ساکن خوشاب سیال شریف میں رہتا تھا اور اکثر اوقات مائی بانو بھی یہاں آ کر رہتی تھی کسی نے مائی بانو سے بطور خوش طبعی پوچھا تیرا خاوند تو یہاں رہتا ہے تیری سردی کی راتیں کیسی گزرتی ہوں گی؟ اس نے جواب دیا مجھے پیر سیال نے ٹوپی دی ہوئی ہے رات کو دروازہ بند کر دیتی ہوں۔ وہ ٹوپی سر پر رکھ لیتی ہوں اور تسبیح لے کر بیٹھ جاتی ہوں۔ اس وقت میں بانو نہیں ہوتی، سفید ریش پیر سیال ہوتا ہوں اور اسی طرح تصور وذکر اور فکر میں رات گزر جاتی ہے۔ صبح کو جب ٹوپی اتارتی ہوں تو وہی مائی بانو ہوتی ہوں۔

مائی بانو کو تصور شیخ نصیب تھا۔ ایک بار دریا پر گئی پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن گولڑہ شریف اپنے ہمراہیوں سمیت کشتی پر سوار ہو گئے۔ اور ملاح کو اشارہ کیا کہ کشتی چلاؤ۔ مائی بانو نے کہا شاہ صاحب اپنے پیر بھائیوں کو سوار ہونے دو۔ انہوں نے

پرواہ نہ کی۔ تسبیح پڑھ رہے تھے ملاح کو لاپرواہی سے چلنے پر اشارہ کر دیا۔

ملاح نے کشتی روانہ کر دی۔ مائی بانو پھر بولی شاہ صاحب اپنے پیر بھائیوں کو لیتے جاؤ لیکن خیال تک نہ کیا۔ بالآخر جب کشتی تھوڑی دور گئی، تو مائی بانو نے کہا باپ کا بیٹا ہے تو اب کشتی لے جا۔ اتنے میں کشتی بھنور میں گھومنے لگی۔ مجبوراً واپس لائے اسے سوار کیا اور دوبارہ لے چلے یہ تو پیر سیال رحمتہ اللہ علیہ کی خادمہ کا حال تھا۔ جسے تصورِ شیخ نصیب تھا۔

فرماتے ہیں سلطان محمود غزنوی نے جب ہندوستان فتح کیا بتوں کو توڑا تو اس کے ایک سپاہی نے ایک ہندو کو بت کے سامنے بیٹھا ہوا پایا۔ اسے تلوار ماری تو تلوار ٹوٹ گئی اسے اثر نہ ہوا۔ بلکہ جس طرح لوہے یا پتھر پر پڑتی ہے ویسے تلوار کی آواز آئی۔ دوسری مرتبہ لاکر تلوار ماری تب بھی وہی حال دیکھا۔ فوج میں ایک درویش کامل تھا۔ اس نے بتایا یہ آدمی بت کے تصور میں بیٹھا ہے اور بت بن چکا ہے۔ تصور کا اتنا اثر ہوتا ہے۔ کہ جس کا تصور ہو وہی تصور کنندہ خود بن جاتا ہے۔

(انوار قمریہ ملفوظات شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ ۲۹۳،۳۳۵)

خواجہ شمس الدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظات "مرآت العاشقین" میں نقل ہے کہ خواجہ صاحب نے فنا فی الشیخ کے بارے میں فرمایا! اپنے شیخ کی ذات میں اس طرح ڈوب جانا کہ وہ اپنی کسی بھی حرکت وسکون کو اپنا نہ سمجھے بلکہ پیر و مرید کی صورت بھی ایک جیسی ہو جائے۔ بعد ازاں فرمایا! جب شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے اور ریاضت وعبادت میں ان کے تمام مریدوں سے سبقت لے گئے تو ایک دن شیخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ اور بہاؤالدین رحمتہ اللہ علیہ ایک ہی جگہ اکٹھے بیٹھے تھے ایک شخص باہر سے آیا۔ اور اس نے کہا مجھے تو تمیز نہیں ہو رہی کہ ان میں سے شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ کون ہے اور

بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ کون ہے؟

یہ پیر مرید اس قدر درجہ اتحاد کو پہنچ چکے تھے کہ دونوں کی شکل وصورت بھی ایک ہو گئی تھی۔ یہ تصور شیخ کی بدولت مقام فنافی الشیخ تک پہنچنا ہے اور منازل سلوک طے کرنا ہے۔ (مرآت العاشقین ملفوظات خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۲۹)

سالک

احکام شریعت کی پابندی اور تزکیہ نفس کے ذریعے حق سبحانہٗ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے والے کو سالک کہتے ہیں۔

سالک اور مجذوب کا فرق :

راہ سلوک میں چلنے والوں کی دو اقسام ہیں ایک سالک دوسرا مجذوب

مجذوب: مجذوب وہ لوگ ہیں کہ کمند جذبہ نے انہیں مرتبہ ولائت تک پہنچا دیا ہے مگر غلبہ شوق میں اس طرح محو ہوتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ وہ ہر مقام سے گذر چکے ہیں ان کو اس کی خبر نہیں کہ راہ کا حال کیا ہے مقام کی کیفیت کیسی ہے۔ خیر کس شے کا نام ہے۔ شر کس بلا کو کہتے ہیں نفع کی صورت کیا ہے، ضرر کس بات میں ہے اس لیے مجذوبان پیر بنانے کے لائق نہیں۔

سالک : شیخی کے لائق وہ ہستی ہے کہ اگر جذبہ شوق کے ساتھ راہ طے کرتی ہے مگر نہایت سکون و آہستگی سے یعنی ہر ہر مقام کی داد وانصاف دیتے جاتے ہیں اور آگے بڑھتے جاتے ہیں احوال خیر و شر اور اصلاح و فساد کل ان پر کھول دیے جاتے ہیں کبھی کبھی راہ پر چلتے چلتے بے راہ بھی ہو جاتے ہیں تا کہ راہ اور بے راہی سے پورا وقوف حاصل ہو جائے اتنے مرحلوں کے بعد اس کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے کہ ایک جماعت کی راہبری سالک کر سکے۔ خیر سالک یہ کیونکر سمجھے کہ ہم راہ پر چل رہے ہیں۔ اور منزل طے ہو رہی ہے بزرگوں نے اس کی نشانیاں بتائی ہیں وہ یہ ہیں۔

عالم ہزاروں ہیں ہر ہر عالم سے سالک کو گزرنا ہے اور اس کی سیر کرنا ہے منجملہ اس کے ایک عالم خاک ہے اس مقام کی سیر میں کیا واقعہ پیش آتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بستیوں سے کوچوں سے جا بجا سے تاریک تاریک گوشوں سے نکل رہے ہیں اور ویرانوں کھنڈروں پانی کے جل تھل سے پہاڑوں کی طرف جا رہے ہیں نتیجہ اس سیر سے

یہ حاصل ہوتا ہے کہ سرگرانی اور تیرگی دور ہوتی ہے اور لطافت پیدا ہو جاتی ہے۔

سالک مجذوب : سالک مجذوب پہلے آسمان کے موجود ہونے کی نشانیوں کا مشاہدہ کرتا ہے پھر ان نشانیوں سے آسمان کے وجود کی دلیل پکڑتا ہے اور پھر (آسمان کے وجود کو ثابت کرنے کے بعد) اس کے بنانے والے کے لیے صفات کمال ثابت کرنے پر دلیل کرتا ہے اور اوصاف کے ثبوت سے ذات کے صفات تو ہوں اور وجود نہ ہو (مطلب یہ ہے کہ سالک مجذوب محسوسات سے وجود باری پر دلیل پکڑتے ہیں) تو یوں وجود باری تعالیٰ کے وجود پر دلیل پکڑتا ہے قرآن وسنت میں اکثر وارد ہوا ہے خدا تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

"اِنَّ فِی خَلقِ السَّمٰوٰتِ وَ الاَرض"

ترجمہ: "زمینوں اور آسمانوں کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں"

مجذوب سالک : مجذوب سالک پہلے ذات کا مشاہدہ کرتا ہے وہ بھی اپنی استعداد کے مطابق (اگر استعداد ہے تو مشاہدہ کر سکے گا ورنہ نہیں) پھر صفات کے مشاہدہ کی طرف لوٹتا ہے پھر آثار (صفات کی علامات) کے مشاہدہ کی طرف لوٹتا ہے یعنی مجذوب سالک کا معاملہ سالک مجذوب کے برعکس ہوتا ہے تو ثابت ہوا کہ سالک مجذوب کی انتہا مجذوب سالک کی ابتدا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر لحاظ سے مجذوب سالک، سالک مجذوب سے افضل ہوگا۔ اس لیے کہ سالک مجذوب محو وفنا کی تحقیق کے درپے ہے اور مجذوب سالک بقاوصحو کے طریقے پر چلا ہے۔ جب دونوں کی مذکورہ شان ہے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں میں سے کون منازل کے لحاظ سے ترقی میں ہے اور کون پستی میں ہے ظاہر ہے کہ مجذوب سالک بہتر اور اعلیٰ ہے منازل سلوک طے کرنے میں دونوں برابر ہیں لیکن مجذوب سالک کی افضلیت اس وجہ سے ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے ذریعے اشیاء کا مشاہدہ کرتا ہے اور سالک مجذوب اشیا کا مشاہدہ اس لیے کرتا

ہے کہ خدا تعالیٰ کا مشاہدہ کر سکے۔ یوں سالک مجذوب کی انتہا مجذوب سالک کی ابتدا ہوئی۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجدّدیہ میں کثرت سے مجذوب سالک پائے جاتے ہیں اور بہت ہی کم سالک مجذوب اس لیے دوسرے سلاسل کی انتہا سے سلسلہ نقشبندیہ کی ابتدا ہوتی ہے۔

اقسام سلوک : مقامات سلوک کی دو اقسام ہیں ایک سلوک تو یہ ہے کہ ہر مقام کو پورے طور پر دیکھے یعنی مرشد کی توجہ کے ساتھ ایک مقام کی ابتدا سے سیر شروع کرے اور آخر تک طے کر جائے اس کے بعد دوسرے لطیفے کی سیر میں مشغول ہو جائے مقامات کا دوسرا سلوک انعامی ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ مرشد جس کے لیے چاہے کہ جلد اپنے مقصد کو حاصل کر لے تو لطیفہ اول کی جانب توجہ کرتا ہے اور ابھی اس کی سیر مکمل نہیں ہوتی کہ دوسرے لطیفے کے انوار اس کے اندر القا کرنے شروع کر دیے جاتے ہیں اور اس طرح ابھی دوسرے لطیفے کی سیر مکمل نہیں ہوتی کہ تیسرے لطیفے کی جانب توجہ فرماتے ہیں علیٰ ہذا القیاس مرشد اپنی توجہ کے سبب ہر مقام اور ہر جگہ کا فیض انوار اور کیفیات سالک میں القا فرماتے ہیں۔ پس وہ سالک ظفرہ کہلاتا ہے۔ کیونکہ ہر مقام کو اجمالی طور پر دیکھتا ہے اس کے بعد عنایت خداوندی سے ہر مقام کی تفصیل حاصل ہو جاتی ہے۔

(درالمعارف ملفوظات غلام علی شاہ دہلوی، ۱۲۲)

نفس

نفس سے مراد نفس حیوانی جو عناصر اربعہ (آگ ، ہوا ، پانی اور خاک) سے پیدا ہوتا ہے۔ عالم امر کے لطائف میں سے قلب اور روح ہے قلب اور روح کا حامل یہی نفس ہے۔ چونکہ اس نفس کا تولیدی مرکز عناصر اربعہ مادیہ ہیں اس لیے اس کا بالطبع میلان حیوانی خواہشات اور اخلاق رذیلہ کی جانب ہے۔ عنصر آگ سے غضب اور غرور پیدا ہے۔ کمینگی اور لالچ خاک کے عنصر سے ہے۔ شوخی اور بے صبری پانی کی خصوصیت ہے۔ دل لگی اور لہو ولعب ہوا کا خاص کرشمہ ہے۔ (تفسیر مظہری جلد ۶، ۱۶۴)

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

"وَمَآ اُبَرِّیءُ نَفۡسِیۡ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ ۵"

ترجمہ: "میں اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہیں کرتا۔ بے شک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہی ہے"

صوفیاء کی اصطلاح میں نفس سے مراد بندے کے رذیلہ اوصاف ہیں یا وہ اخلاق وافعال ہیں جو مذموم ہیں مثلاً تکبر، غضب، حسد، لالچ، کینہ، بے صبری وغیرہ

قرآن مجید میں نفس کی درج ذیل اقسام بیان کی گئی ہیں۔

(۱) نفس امارہ
(۲) نفس لوّامہ
(۳) نفس ملہمہ
(۴) نفس مطمئنۃ
(۵) نفس راضیہ
(۶) نفس مرضیہ
(۷) نفس کاملہ

(۱) **نفس امارہ :** نفس امارہ وہ خواہشات نفس ہیں جو انسان کو زیادہ

گناہوں اور دنیاوی رغبتوں کی طرف مائل کرتی ہیں یہ اخلاق ذمیمہ کا سرچشمہ ہے نفس امارہ کے رذائل وخواہش میں بغض، حسد، تکبر، طمع، جھوٹ، کینہ، شہوت، عیب جوئی وغیرہ شامل ہیں اس کی نمایاں صفت تکبر ہے۔ بعض اوقات خواب میں اس کی مختلف صورتیں دکھائی دیتی ہیں مثلاً کتا، گدھا، سانپ وغیرہ۔ ان کی تعبیر میں کتے کا دیکھنا، غصہ کی دلیل ہے، گدھے کا دیکھنا، بیوقوفی کی علامت ہے۔ اور سانپ کا نظر آنا منافقت کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) **نفس لوّامہ:** یہ نفس کی دوسری حالت ہے یہ نفس گناہ سرزد ہونے یا زیادتی کا ارتکاب ہونے کی صورت میں ملامت کرتا ہے۔ اس کا تعلق قلب منیب سے ہے۔ اس حالت میں نفس کا رجوع نیکی کی طرف ہونے لگتا ہے۔ جو باطنی ہدایت کا سبب بنتا ہے۔ جب انسان گناہ سرزد ہونے پر پچھتاتا ہے اور نادم وشرمندہ ہو کر خدا سے توبہ کرتا ہے تو دل میں نور پیدا ہونے لگتا ہے انسان برائی سے نفرت کرتا ہے۔ اچھے اعمال کرتا ہے اور عبادت وتقویٰ کا شوق اس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ نفس لوامہ ہونے کی صورت میں لغو اور ناپسندیدہ افعال سے گریز، رزق حلال کا خیال اور خلقِ خدا کی بھلائی ذہن میں رہتی ہے۔ تاہم اس کے رذائل میں تکبر، خواہشات نفسانی، خود پسندی، اعتراض، مکروفریب وغیرہ ہیں۔

ایسی صورت میں خواب میں مچھلی، پکی ہوئی روٹی، مرغی وغیرہ نظر آتی ہیں۔ مچھلی اور مرغی وغیرہ حلال رزق کی طرف اشارہ ہے جبکہ پکی ہوئی روٹی وغیرہ خواہش نفس کی دلیل ہیں۔

(۳) **نفس ملھمہ:** یہ نفس نیکی کرنے اور گناہ سے بچنے پر زور دیتا ہے۔ برائی سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور نیکی کا کوئی عمل ترک ہونے کی صورت میں مایوسی اور پریشانی بڑھتی ہے اور سکون غارت ہو جاتا ہے۔ اس نفس کی صفات خلوص، تواضع، قناعت، تحمل وبرداشت وغیرہ ہیں۔ نفس ملھمہ کی صورت میں خواب میں داڑھی منڈا

شخص دیکھنا، غلام دیکھنا، اندھے کو دیکھنا وغیرہ جیسے خواب نظر آتے ہیں جس کی تعبیر یوں ہے کہ داڑھی منڈا شخص عمل میں کمزوری ہے۔ غلام دیکھنا، دوسروں کی عیب جوئی اور برائی کرنا تعبیر ہے۔ اندھے کو دیکھنا اپنی گمراہی کی دلیل ہے۔

(٤) نفس مطمئنة: جب انسان پاکیزہ خصائل سے متصف ہوتا ہے اس کے قلب میں مکمل سکون وطمانیت ہوتی ہے۔ گویا اس کا قلب سلیم ہو جاتا ہے۔ اور بری خصلتوں سے بالکل پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔ تو اسے نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے۔ ایسے میں اخلاق حمیدہ کی صفات غالب ہوتی ہیں یہ ولایتِ صغریٰ کا مقام ہے۔ جہاں نفس قلب بن جاتا ہے اور قلب روح بن جاتا ہے اس کی صفات، توکل علی اللہ، صبر وشکر، حلم ورضا اور درگزر وغیرہ ہیں۔ ایسی صورت میں اچھے خواب آتے ہیں۔ مثلاً کسی ولی اللہ کی زیارت، تلاوت کرنا، سفر حج پر جانا وغیرہ۔ ایسے خواب نفس مطمئنہ کی دلیل ہیں۔

(٥) نفس راضیه: یہ نفس مطمئنہ سے بہتر حالت ہے۔ ایسی صورت میں انسان مشیت ایزدی پر سر تسلیم خم کرتا ہے۔ اور اس کے فیصلے کو برضا ورغبت قبول کرتا ہے۔ گویا وہ فرحاں وشاداں اور مسرور ومطمئن رہتا ہے۔

قرآن پاک کے الفاظ میں **"وَ اجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيّاً"**

ترجمه: "اور اے میرے پروردگار، اسے اپنی رضا کا حامل بنانا"

گویا نفس راضیہ وہ ہے جب اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں راضی برضا رہتا ہے۔ اس کی صفات غیر اللہ کا ترک، عشق الٰہی، تقویٰ وپرہیزگاری اور پابندی صوم وصلوٰۃ، کامل اتباع رسول اللہ ﷺ ہیں خواب میں حوریں اور غلمان، لباس ہائے فاخرۂ جنت، اور چاند اور سورج وغیرہ نظر آتے ہیں جو قرب الٰہی اور معرفت خداوندی جیسی نعمت عظمیٰ کی دلیل ہیں۔

(٦) **نفس مرضیہ** : جب انسان کامل اتباع رسول ﷺ کے باعث **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم** کی عملی تعبیر نظر آتا ہے۔ اور اس سے زمرۂ **اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ** کی شان آشکار ہوتی ہے۔ گویا اللہ اپنے بندہ سے راضی ہو جاتا ہے۔ تو انسان کا نفس مرضیہ ہو جاتا ہے۔ یہ استقامت اور تقویٰ کا وہ مقام ہے جہاں انسان کے پائے ثبات میں لغزش کا امکان تک نہیں ہوتا۔ اور وہ "**اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** ٥ " کی بشارت ہوتا ہے۔ اس میں جملہ اخلاق حسنہ ظاہری و باطنی طور پر موجود ہوتے ہیں گویا وہ مقربین اور صالحین میں شامل ہو جاتا ہے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ

اس سے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچتا ہے اور کائنات کی تمام اشیاء اس کے لئے مسخر ہوتی ہیں۔ اس کو خواب میں ساتوں آسمان، ستارے، آگ وغیرہ دکھائی دیتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کا قرب، نور، اور نفس کے فنا ہونے کی علامت ہیں۔

(٧) **نفس کاملہ** : یہ نفس کی آخری اور انتہائی حالت ہے جب نفس اوصاف حمیدہ کے تابع اور اپنے خواص سے منزہ و مبرا ہو جاتا ہے یہ صدیقین اور انبیاء کا مقام ہے لیکن اولیائے کاملین میں سے بھی جسے خدا کے فضل سے یہ مقام نصیب ہو جائے تو کچھ بعید نہیں۔ انسان صورت رحمٰن خلق خدا کی اصلاح اور فلاح میں کامل اطمینان و سکون محسوس کرتا ہے وہ ظلِ الٰہی اور نائب رسول ﷺ ہوتا ہے۔ خدا کی مخلوق کی بھلائی، انہیں صراط مستقیم کی طرف بلانا، اتباع رسول ﷺ پر راغب کرنا اور امت نبوی ﷺ کے لیے نجات دہندہ ہونا اس کی صفات ہیں۔ گویا وہ مامور من اللہ ہوتا ہے۔ نفس کاملہ سے متصف انسان گوشہ نشین، زاہد و عابد، کم گو بلکہ خاموش، وفا شعار اور ظاہری و باطنی طور پر حسین و جمیل ہوتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا عکس نظر آتا ہے۔ وہ نسبت عبدیت اور نسبت محمدی ﷺ کے درجہ کمال پر فائز ہوتا ہے وہ تصرف میں اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

گویا وہ ہمہ وقت محفل محمدی ﷺ میں مختلف مقامات پر موجود ہے۔ یہ مقام صرف عارف لوگ سمجھ سکتے ہیں عام انسانوں کی عقل وفکر اور فہم وادراک سے نفس کاملہ کا مقام ماورئی ہے۔

نفس امارہ سے خلاصی پانے کیلئے ذکرواذکار کی کثرت از حد ضروری ہے زیادہ موثر اور مفید اذکار وہی ہیں جو پیرومرشد کے فرمان عالیشان کے مطابق ہوں۔ دوران ذکر توجہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف رہے اور ذکر کے مفہوم ومطالب پر توجہ رکھے۔ تو تاثیر اور فیض زیادہ ہوتا ہے۔ اور دوران ذکر شیخ کامل کا تصور مقامات فنا وبقا سے قریب تر پہنچاتا ہے۔ اور مقامات ولایت اور منزل مراد واصل الی اللہ کے قریب کرتا ہے۔ تو ہمات نفسانی، خیال فاسدہ ومذلہ سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ ہمہ وقت ذاکر رہے اور کبھی بھی غفلت کا شکار نہ ہو۔ جیسا کہ عارف باللہ سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے

جو دم غافل سو دم کافر

مزید برآں مرشد کامل کی صحبت، نظر اور توجہ بھی انفاس رذیلہ سے نجات کا نسخہء اکسیر ہے۔ جس قدر صحبت زیادہ رکھے گا۔ اسی قدر تاثیر اور فائدہ زیادہ ہوگا۔

وَمَا توفیقی الا باللہ ○

اصطلاحات نقشبندیہ

چند اصطلاحات نقشبندیہ جو اس خاندان عالیشان کے ساتھ مخصوص ہیں ان میں سے بعض ایسی ہیں جن پر طریقہ نقشبندیہ کی بنیاد ہے اور بعض ایسی ہیں کہ تاثیر ان پر موقوف ہے۔ وہ یہ ہیں۔

(۱) ہوش دردم (۲) نظر برقدم (۳) سفردروطن

(۴) خلوت درانجمن (۵) یادکرد (۶) بازگشت

(۷) نگہداشت (۸) یادداشت

مذکورہ بالا آٹھ کلمے حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہیں اوردرج ذیل تین کلمات حضرت امام الطریقہ خواجہ شاہ بہاؤ الدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہیں۔

(۱) وقوف زمانی (۲) وقوف قلبی (۳) وقوف عددی

یہ گیارہ کلمات ہیں اور بارہواں خاصہ اس طریقہ نقشبندیہ کا "اندراج النہایت فی البدایت" ہے۔ یعنی نقشبندیہ طریقہ میں نہایت بدایت کے اندر داخل ہے مختصراً اس طریقہ کا اخیر ابتدا میں داخل ہے یہ دلیل ہے اس طریقہ کے عالیمقام ہونے کی۔ یعنی یہ دلالت کرتا ہے کہ اس طریقہء فضلی کا شروع ہی ایسا ہے۔ کہ جس کے شروع میں ہی انتہا کی صورت آجاتی ہے اگرچہ حقیقت بعد میں وارد ہوتی ہے۔ اس لیے اکابر نقشبندیہ اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ جہاں اوروں کی انتہا ہے۔ وہاں سے ہماری ابتدا ہے۔ چنانچہ مولانا جامی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔

ع اول ما آخر ہر منتہی است

یعنی جہاں دوسروں کی انتہا ہے اس سلسلہ کے مرید کا وہاں پہلا قدم ہوتا ہے اور یہ طریقہ جامع الطریق ہے۔ یعنی حضرات چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور جوان کی شاخیں ہیں۔ جیسے شطاریہ، مداریہ وغیرہ ان تمام کی وراثت حضرت مجدّد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کو حاصل ہوگئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپکو ان تمام سلاسل کا وارث بنایا۔ اس لیے ہر ایک سلسلہ کے شجرے آپ رحمتہ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہیں اس طریقہ نقشبندیہ مجددیہ میں درج ہے کہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ نعمت عنایت کی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو اور انہوں نے حضرت امام قاسم رضی اللہ عنہ کو جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حقیقی پوتے تھے۔ اور حضرت امام قاسم رضی اللہ عنہ نے اپنی دختر ام فردہ رضی اللہ عنہ کا نکاح امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے کیا اور ان سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو یہ صدیقی نسبت حضرت امام قاسم رضی اللہ عنہ نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو دی۔ تو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اس نعمت کے حصول کے وقت فرمایا۔

"وَلَدَنِیَ الصِّدِّیْقُ مَرَّتَیْنِ ٥

ترجمہ: "یعنی مجھ کو صدیق رضی اللہ عنہ نے دو دفعہ جنا"

ایک دفعہ اپنی پوتی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے اور دوسری دفعہ نعمت صدیقی کے عطا فرمانے سے۔ اب جامعیت ہوگئی۔ یعنی جو نسبت حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے چلی آتی تھی اب وہ بھی ہے اور یہ بھی۔ اور اس سلسلہ میں یہی نسبت جامع چلی آتی ہے جو شاہباز لامکانی امام ربانی حضرت مجدّد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ پر تفصیل کے ساتھ وارد ہوئی۔

یہ طریقہ فضلی طریق الی اللہ سے قریب ترین ہے۔ اگر اس طریقہ کا سالک شام کو بیعت ہو کر کامل پیشوا سے ایک توجہ قلب پر لے اور اس کے قلب میں ذکر شروع ہو جائے اور پھر اگلی صبح کو فوت ہو جائے۔ پھر بھی اس کو ولایت کا درجہ حاصل ہو جائے گا۔

اس طریقہ میں پابندی شرع رسول اللہ ﷺ اعلیٰ درجے پر ظاہر صورت میں بھی ہو جاتی ہے۔ کہ تمام کام شرع بیضا کے موافق ہونے لگتے ہیں اور باطن بھی نور معرفت سے بھرا رہتا ہے۔ "ہاتھ کار میں دل یار میں"

اس طریقہ کا خاصہ ہے ظاہر شریعت سے پیراستہ اور باطن معرفت سے آراستہ۔ ہر سانس کے ساتھ ذکر جاری ہے اور ظاہر میں کسی کو خبر نہ لگے کہ یہ فقیر ہے یا نہیں۔ حضرت خواجہ عزیزان علی رامتینی رحمتہ اللہ علیہ نے اس شعر میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

؎ ازدروں شو آشنا واز بروں بیگانہ باش

ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

ترجمہ:"اندر سے آشنا رہ اور باہر سے بیگانوں کی طرح ایسی خوبصورت چال جہاں کے اندر کم ہے"

اب مشائخ نقشبندیہ کی اصطلاحات کے معانی تحریر کیے جاتے ہیں تا کہ ان کی وضاحت سالکین کو فائدہ بخشے۔

(۱) **ہوش دردم** : ہوش دردم کے معنی یہ ہیں کہ طالب مولا ابتدا سے ہی ہوشیار اور بیدار رہے اس کا کوئی سانس اسم ذات اللہ سے خالی نہ جائے۔ اور ڈھونڈتا/متلاشی رہے کہ اسکا کونسا سانس ذاکر اور کونسا غافل گزرا ہے۔ ذکر کی یہ صورت دوام حضور تک پہنچاتی ہے

جب دوام حضوری حاصل ہو جائے تو پھر خواہ یہ تجسس کرے یا نہ کرے۔ جب یہ پختہ ہو گیا تو سالک سلوک میں شروع ہو جاتا ہے لیکن حضور دوام حاصل ہونے سے پہلے ضرور تجسس کرتا رہے کہ اس ساعت میں غفلت تو نہیں ہوئی۔ ہر ساعت کے بعد فکر کرے۔ اگر غفلت ہوئی ہو تو استغفار کرے اور آئندہ غفلت چھوڑنے کا پختہ ارادہ کرے۔ اس طریقہ پر ہمیشہ ڈھونڈ کرتا رہے تاوقتیکہ حضور دوام کو پہنچے۔ یہ طریقہ یعنی

غفلت کے وقت یا ہر ساعت کے بعد ڈھونڈ کرنا کہ غفلت تو نہیں ہوئی اس کا نام "وقوف زمانی" ہے یعنی زمانہ سے واقف رہے کہ کوئی زمانہ غفلت کا نہ گزرے۔ اسکو خواجہ شاہ بہاؤ الدین نقشبند علیہ الرحمتہ نے استخراج کیا ہے انہوں نے معلوم کیا کہ دانست اور یافت کو ہر سانس میں معلوم کرنا درمیانی حال والے سالک کو پریشان کرتا ہے بلکہ اس کے مناسب استغراق ہے توجہ الی اللہ میں اس طرح سے کہ اس کو اپنی طرف متوجہ ہونے میں رکاوٹ نہ ہو۔ حاصل کلام یہ کہ ہر دم کا محاسبہ ہوش در دم میں رہ کر مبتدی کے واسطے مناسب ہے نہ متوسط اور نہ منتہی کے لیے۔ اور قدرے قدرے مدت کا محاسبہ کرنا یعنی وقوف زمانی متوسط کے لائق ہے۔ جب سالک حضور دوام اور استغراق کو پہنچ جائے تو ان وقوفوں کی ضرورت نہیں رہتی۔

(۲) **نظر بر قدم :** سالک پر واجب ہے کہ اپنے چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے میں سوائے اپنے قدموں کے کسی چیز پر نظر نہ ڈالے۔ اور بیٹھنے کے وقت آگے دیکھے۔ مختلف نقش و نگار اور تعجب انگیز رنگوں کی طرف دیکھنا سالک مبتدی کی حالت کو بگاڑ دیتا ہے اور اپنے مطلوب سے روکتا ہے مختلف لوگوں کی آوازیں سننا اور ان پر کان لگانا بھی ایسے ہی ہے۔

اکابر نقشبندیہ نے فرمایا ہے کہ نظر نیچی رکھنا مبتدی کے واسطے مفید اور منتہی پر واجب ہے سالک اپنے ذکر میں فکر کرے کہ میں کسی نبی کے قدم پر ہوں۔ بعض اولیاء اللہ سید المرسلین ﷺ کے قدم پر ہوتے ہیں انکو جمعیت کمالات کی ہوتی ہے اور بعض حضرت موسیٰ ؑ بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بعض حضرت ابراہیم علیہ السلام و نوح علیہ السلام علی نبینا وعلیہم السلام کے قدم پر ہوتے ہیں پس سالک کو چاہیے کہ جب اپنے پیشوا کو پہچان لے تو اس کے بعد اپنے حالات اور واقعات کو ان کے مناسب کرتا چلا جائے۔

نظر بر قدم کے معنی منتہی کے لئے یہ ہیں کہ جب سالک اپنی توجہ ذات کی طرف کرتا ہے تو یہ سیر شروع ہو جاتی ہے تو لازم ہے کہ جو تجلی سالک منتہی پر کھلے سالک منتہی نظر قدم اٹھانے پر رکھے۔ کہیں ٹھہرے نہیں۔ جیسے راستہ طے کرنے میں قدم اٹھانے سے آگے بڑھتا ہے ایسا ہی راہ سلوک میں چاہیے کہ سالک منتہی فکر یعنی صفت علمی کو آگے بڑھائے۔ جو کچھ منتہی کو نظر آیا ہے اللہ اس سے آگے ہے۔

(۳) **سفر در وطن** : اس کے معنی ہیں کہ اپنے وطن میں رہ کر سفر کرتا رہے۔ اکابرین نے اس کے معنی یہ لکھے ہیں کہ بُری خصلتیں چھوڑ کر نیک خصلتیں حاصل کرتا رہے۔ جیسا کہ مسافر اپنے اصلی وطن کو چھوڑ کر دوسرے وطن میں چلا جاتا ہے ایسے ہی سالک ایک خصلتِ رذیلہ کو ترک کر کے اچھی خصلت کی طرف چل پڑا۔ تو مسافر کی طرح خصلت حمیدہ تک پہنچ جاتا ہے۔ مسافری کی یہ حالت ابتدا میں ہوتی ہے جب منتہی یا متوسط ہو جائے تو اس وقت سفر بہت لمبا ہو جاتا ہے۔ کہ مقاماتِ سیر میں سفر کرتا ہے جیسے ولایت صغریٰ و کبریٰ وعلیا۔ کمالات نبوّت، حقائق الٰہیہ، حقائق انبیا، ملک و دود حتیٰ کہ فیض غیب الغیب کا لینے لگ جاتا ہے یا غیب الغیب سے اس سالک پر خود فیضان آنے لگتا ہے۔ یہ عجیب سرّ ہے کہ اپنے گھر بیٹھ کر سفر میں رہتا ہے پہلی حالت میں جو بری خصلتوں سے اوصاف حمیدہ کی طرف ہے اس میں سالک پر واجب ہے کہ اپنی رگ و ریشہء بدن کے اندر ڈھونڈ کرتا رہے۔ اور جہاں کہیں غیر اللہ کی محبت پائے۔ اس کو **لَآ اِلٰہ** کی **لَا** کے نیچے لا کر **اِلَّا اللّٰہ** کی ضرب سے دور کرتا رہے۔

اور "**اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْہِ ٥** " پڑھتا رہے۔

ترجمہ: " بخشش مانگتا ہوں میں اللہ اپنے رب سے ہر گناہ سے اور میں اسکی طرف رجوع کرتا ہوں "

کیونکہ اگر غیر اللہ کی محبت رہی تو ظاہر ہے کہ وہ یاد خدا سے روکنے والی ہے۔

پس جو چیز خدا تعالیٰ سے باز رکھنے والی ہو اسکو دفع کرتا رہے۔

(٤) **خلوت در انجمن:** خلوت در انجمن کے معنی یہ ہیں کہ جسطرح فقیر کو حجرے اور خلوت میں بیٹھ کر تخلیہ حاصل ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں ویسا ہی تخلیہ مجلس عام میں رہتا ہے۔ مراد یہ کہ سالک کا دل اللہ کے ذکر میں ایسا مشغول ہو کہ جمیع حالات میں یعنی پڑھنے لکھنے کلام کرنے کھانے پینے چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے سونے جاگنے میں ذکر رہے۔ ذکر یعنی اللہ کی ذات سے غافل نہ ہو خواہ کیسی ہی مجالس اور ہجوم ہوں دل مولا کی یاد میں رہے سوائے مولا کے دل کو کسی کی خبر نہ ہو۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"رِجَالٌ لَّا تُلۡهِيهِمۡ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ" (سورۃ نور آیت ٣٧)

ترجمہ: "بہادر مرد وہ لوگ ہیں جنکو سوداگری اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی"

ظاہری صورت شریعت اور دیانت و امانت والوں کی ہو اور دل خدا کی یاد میں ہو تو بہت ہی بہتر ہے کیونکہ یہ صورت علمائے صالحین کی ہے اب فی زمانہ یہ صورت ظاہری بنا لینے سے فقر بھی محفوظ رہے گا اور خلاف شرع ملامت کی روش بھی نہ بنانی پڑے گی اور علماء و صلحاء کی ظاہری صورت و روش رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی صورت پر اللہ تعالیٰ عاشق ہے پس یہ صورت اختیار کرنے سے بندہ اللہ تعالیٰ کے معشوقوں میں داخل ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ فرمایا! رسول اللہ ﷺ نے

"مَنۡ تَشَبَّهَ بِقَوۡمٍ فَهُوَ مِنۡهُمۡ ٥"

ترجمہ: "جس نے کسی گروہ کی مشابہت پیدا کر لی وہ انہیں میں داخل ہے۔

(٥) **یاد کرد:** یاد کرد کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر خواہ نفی اثبات ہو

خواہ صرف اثبات ہو یعنی ہمیشہ مرشد کے بتائے ہوئے ذکر کا تکرار بلا ناغہ کرتا رہے۔ یہاں تک کہ حضور حاصل ہو جائے۔ اور دل ہمیشہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے حضور میں حاضر رہے بوصف محبت وتعظیم حق کے۔

(۶) **باز گشت** : باز گشت کے معنی یہ ہیں۔ کہ ذکر کرنے میں طاق عدد کا خیال رکھے یعنی تین، پانچ، سات الغرض جتنا بھی ذکر کرے طاق عدد پر رُکے اور ہر طاق عدد پر ذکر کے بعد مناجات الٰہی کی طرف رجوع کرے یعنی بحضور قلب اسطرح دعا کرے۔ "الٰہی مقصود میرا تو ہے ترک کیا میں نے دنیا وآخرت کو تیرے واسطے۔ تو اپنا پورا وصل اور اپنی محبت ومعرفت میرے نصیب کر" بعض اکابر اولیاء اللہ نے فرمایا ہے کہ ذکر طاق کے بعد یہ دعا مانگنی شرطِ اعظم ہے۔ سالک کیلئے ہر گز جائز نہیں کہ اس دعا کو ترک کرے۔ ہم نے جو کچھ پایا اس کی برکت سے پایا۔ کیونکہ اس سے اخلاص حاصل ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ ذاکر کے دل میں اگر وسوسہ، غرور وفخر کا آجائے تو اس کی برکت سے وہ دفع ہو کر اخلاص اور محبت ومعرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ اگر دعا سے بھی خلوص قلب میں نہ آئے تو اپنے مرشد کی صورت کا تصور کر کے اس کے طفیل سے دعا مانگے تو بہت جلد تاثیر ہوتی ہے۔

(۷) **نگہداشت** : نگہداشت کے معنی یہ ہیں۔ کہ سالک نفس کی باتوں اور وسوسوں کو اپنے دل سے دور کرے اور لازم ہے کہ جب دل میں وسوسہ ظاہر ہو تو فوراً اس کو دفع کرے آگے نہ بڑھنے دے اگر بڑھ گیا تو نفس اسکی طرف مائل ہو جائے گا۔ اور اس کا زائل کرنا پھر مشکل ہوگا۔ البتہ اگر اس وقت ذکر اللہ میں مشغول ہو جائے تو وسوسہ جلدی جاتا رہتا ہے اگر ذکر سے بھی باقی رہ جائے تو اپنے مرشد ہادی کی صورت کا تصور کرنے سے بہت ہی جلدی زائل ہو جاتا ہے۔ ہر خطرہ کو دل میں ایک ساعت بھی نہ رہنے دے۔ لیکن ذکر کو چھوڑ کر اسی کے پیچھے بھی نہ لگ جائے۔ بلکہ اس کی ایسی

صورت رکھے جیسے گداگر کسی کے دروازے پر بھیک کا سوال کرے۔ وہاں کتا اپنے مالک کے گھر کے دروازے پر بیٹھا ہو۔ وہ گداگر کو بھونکنا شروع کردے۔ ایسے میں اگر گداگر کتے کے پیچھے دور کرنے کے واسطے بھاگا۔ تو بھیک سے رہ گیا۔ کہ دروازے پر نہیں رہا اور اگر کتے کو دفع نہ کرے بلکہ صرف بھیک ہی کی طرف متوجہ رہے تو کتا ٹانگ کاٹ کھائے۔ تو اب گداگر ایسی صورت کرتے ہیں کہ اپنی لاٹھی کو تو کتے کی طرف رکھتے ہیں تا کہ اس سے محفوظ رہیں۔ اور زنبیل گھر کے مالک کی طرف کہ اس میں بھیک پڑ جائے۔ غرض یہ دونوں کام وہ ایک ہی وقت میں کرتے ہیں بس اسی طرح سالک کو چاہیے کہ خطرہ کے وقت ذکر میں مشغول رہے اور اسی ذکر سے خطرات کو دفع بھی کرتا رہے۔

(۸) یاد داشت : اس سے مراد یہ ہے کہ سالک حقیقت واجب الوجود یعنی ذاتِ حق کی طرف دھیان رکھے۔ جو الفاظ و خیالات سے خالی ہو اور حق بات یہ ہے کہ ایسی متوجگی فنا و بقا کاملہ کے بعد مستقیم ہوتی ہے اور یہ دولت دراصل منتہیان کا حصہ ہے اس دولت والے کئی کئی سال مراقب ہوئے تو پھر اس طرف کی ہوش نہیں آئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اے دل یہ بھید ھے

اسکو پوشیدہ رکھ

تاکہ کوئی نا اھل نہ سُنے

وقوف زمانی : سالک حضور دوام حاصل ہونے سے پہلے ضرور تجسس کرتا رہے کہ اس ساعت میں غفلت تو نہیں ہوئی۔ ہر ساعت کے بعد فکر کرے۔ اگر غفلت ہوئی ہو تو استغفار کرے۔ اور آئندہ غفلت چھوڑنے کا پختہ ارادہ کرے۔ اس طریقہ پر ہمیشہ ڈھونڈ کرتا رہے۔ تاوقتیکہ حضور دوام کو پہنچے۔ یہ طریقہ جس میں غفلت

کے وقت یا ہر ساعت کے بعد ڈھونڈ کرنا کہ غفلت تو نہیں ہوئی۔ اس کا نام "وقوف زمانی" ہے۔ یعنی زمانہ سے واقف رہے کہ کوئی زمانہ غفلت کا نہ گزرے۔ یعنی قدرے قدرے مدت کا محاسبہ کرنا۔

وقوف عددی: وقوف عددی کے معنی ہیں عدد وتر یعنی طاق عدد کی حفاظت کرنا۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

"اِنَّ اللّٰہ وِ ترٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ "

ترجمہ: "بیشک اللہ ایک ہے اور طاق کو دوست رکھتا ہے۔" اس کی وضاحت "باز گشت" میں ہو چکی ہے۔

وقوف قلبی: وقوف قلبی سے مراد اس مضغہ ءِ صنوبری یا مخروطی کی محافظت جو بائیں پستان کے نیچے پہلو کی طرف دو انگل کے فاصلہ پر ہے۔ اس کا نام دل ہے گویا وقوف قلبی دل سے واقفیت، آگاہی، شعور یا اس کی حفاظت ہے اسکی طرف توجہ رکھنا ایسا ہی حکمت والا ہے جیسا کہ قادریوں کے ہاتھ ضرب لگانے میں حکمت ہے وہ یہ ہے کہ ماسوائے اللہ کسی کی طرف کسی قسم کی توجہ باقی نہ رہے اور بیرونی خطرات کا دل میں دخل نہ ہو۔ تاکہ بتدریج صرف ذاتِ الٰہی پر توجہ منحصر رہ جائے مطلب یہ کہ اثنائے ذکر میں دل پر واقف رہے کہ کوئی چیز دل کو ذکر حق سبحانہٗ سے روک نہ لے اور دل مفہوم ذات کی طرف سے مہمل نہ ہو یعنی ایسا نہ ہو کہ اللہ اللہ کرے اور اللہ کی ذات کی طرف متوجہ نہ ہو۔ بلکہ ذکر سے مذکور میں مشغول رہے۔

خواجہ بہاؤ الدین نقشبند علیہ الرحمتہ نے وقوف قلبی کو اثنائے ذکر میں لازم فرمایا ہے۔ جیسا کہ رابطہءِ مرشد اور مراقبات لازم ہیں۔ کیونکہ ذکر سے مقصود رفع غفلت ہے اور وہ وقوف قلبی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

طریقہ ء نقشبندیہ مجددیہ سیفیہ

اس طریقہ فضلی نقشبندیہ مجددیہ میں بنی آدم یعنی انسان دس لطیفوں سے مرکب ہے ان میں پانچ عالمِ امر سے اور پانچ عالم خلق سے ہیں۔ عالم امر کے لطائف یہ ہیں:

قلب روح سر خفی اخفیٰ

عالم خلق کے پانچ لطائف یہ ہیں:

نفس آگ ہوا پانی خاک

عالم امر کے معنی یہ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے لفظ کُن فرمایا تو فَیَکُوْن یعنی کُن کے فرماتے ہی فوراً وہ چیزیں بن گئیں۔ اس لیے ان لطائف کو عالم امر سے منسوب کیا جاتا ہے کہ معاً فرمانِ الٰہی کے ساتھ بن گئیں ۔اس واسطے فرمایا کُن فَیَکُوْن پس اُسی وقت وہ چیزیں فرمان ہوتے ہی وجود میں آ گئیں۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ سورج نکلتا ہے تو فوراً دھوپ بھی ساتھ ہی نمودار ہو جاتی ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ پہلے سورج چڑھے پھر کچھ دیر بعد دھوپ نکلے۔ بلکہ جس قدر سورج نکلتا ہے اُسی قدر دھوپ بھی ساتھ ساتھ ہوتی جاتی ہے۔

عالم خلق کے پانچ لطائف امر کُن کے بعد بتدریج آہستہ آہستہ پیدا فرمائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اِنَّ رَبَّكُمُ اللهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۵" (سورۃ یونس)

ترجمہ: " بے شک تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کیا"

یہ آیت کریمہ عالم خلق کے دیر کے ساتھ پیدا کرنے پر دلیل ہے جس میں مخلوق کے فائدہ کے واسطے مصلحت خداوندی ہے۔

عالم امر اور عالم خلق کے درمیان عرش مجید ایک حجاب نوری ہے نیچے کا نیم دائرہ

عالم خلق ہے۔ اسی عالم خلق کو عالم امکان بھی کہتے ہیں۔ اوپر کا نیم دائرہ عالمِ امر ہے۔ عالم امر کے اصول لطائف اوپر کے نیم دائرہ عرش میں ہیں اور اصول لطائف عالمِ خلق نیچے کے نیم دائرہ عرش میں داخل ہیں۔

عالم خلق یعنی دائرہ امکان، عالم امر اور عالم خلق ہر دو عالم سے عبارت ہے۔ عالم خلق میں عالم امر بھی ہے لیکن عالم امر میں عالم خلق نہیں۔ دائرہ امکان میں عالم خلق اور عالم امر کی جامعیت ہے۔ عرش سے لے کر جہاں تک کوئی شے موجود ہے وہ سب دائرہ امکان ہے عرش سے اوپر عالم امر ہے۔ اور نیچے عالم خلق ہے جب اللہ تعالیٰ نے عالم خلق میں صورت انسان کو بنایا تو انسان کے بدن میں چند جگہوں میں عالم امر کے لطائف کا بھی تعلق پیدا فرمایا تا کہ عالم امر کا جذب اور عشق پیدا ہو۔ اور یہ بدن انسانی جو عالم خلق میں ہے اس کو عالم امر کی طرف لے جا کر فلاح اخروی اور نجات ابدی حاصل کرائیں ۔ یہ خاک جو پاؤں کے نیچے آنے والی ہے اگر کپڑے کو لگے تو دھونا پڑے اور بدن کو لگے تو غسل کرنا پڑے اس کو اعلیٰ مقام علیین میں لے جا کر مقام محبوبیت میں لباس معشوقیت پہنا کر بٹھائیں اور یہ اللہ اللہ کہے۔ تو محبوب حقیقی جل شانہٗ کی طرف سے " **لَبَّيْكَ يَا عَبْدِي** "ترجمہ: میں حاضر ہوں اے میرے بندے کی نداسے بہرہ یاب ہو۔

اسی واسطے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا!

"لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۝" (سورۃ والتین)

ترجمہ: "البتہ تحقیق انسان کو تمام مخلوقات سے بہت احسن صورت میں پیدا کیا پھر ہم نے اسے بہت نیچے پھینک دیا۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے"

یعنی عرش سے عالم امر کا محل اس کا بدن بنا دیا تا کہ یہ بدن عالم خلق میں رہ کر

عالم امر اور عالم خلق دونوں جہان کی نعمتوں کا مشاہدہ کرکے دنیا و مافیہا میں تصرفات جاری کرے۔ اور دنیا میں خدا تعالیٰ کا خلیفہ یعنی نائب بنے۔ پھر فرمایا کہ اسی جامعیت کے سبب سے یہ عالی ہمت ہوگیا۔ پھر اسے زمین پر پھینک دیا کہ دکھلائیں کہ یہ عالی ہمت میری اطاعت میں اپنے نفس پر ظلم کرکے اس کو اس کی خواہشات سے توڑ کر میری خوشی اور رضا میں لگائے یہ اسی کا کام ہے اور کوئی اس امانت کو اٹھا نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ ماسوائے انسان کے، جامعیت نہ ہونے کے سبب سے وہ عالی ہمت نہ تھے۔ اس واسطے ڈر گئے۔ اور اس بار خلافت کو اٹھانے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اس عالی ہمت انسان کی تعریف خود فرمائی ہے۔

"وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝" (سورۃ الاحزاب)

ترجمہ: "اور انسان نے اسے اٹھالیا۔ بے شک وہ اپنے پر ظلم کرنے والا بھول جانے والا تھا"

یعنی اپنے پر ظلم کرکے میری اطاعت میں آنے والا۔ جہولا کے معنی میری اطاعت اور یاد میں لذائذ نفسانی اور ملکاتِ رذیلہ یعنی بری خصلتوں کو بالکل بھول جانے والا اور پھر میری یاد میں ایسا محو ہو جانے والا کہ میرے مشاہدہ میں آکر تمام غیر اللہ کو بھول جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خاکِ انسان کو ایسی بے بہا نعمتوں سے سرفراز فرمایا کہ مخلوقات میں سے کسی کو میسر نہیں ہوا۔ اور وہ مشاہدہ اور وصل و دیدار الٰہی جل شانہٗ ہے۔

لطائف عالم امر و خلق

پہلا سبق قلب : قلب بشکل صنوبری یا مخروطی بائیں پستان کے نیچے دو انگل کے فاصلے پر ہے۔ اس کا نور زرد ہے جیسے سرسوں کا پھول زرد ہوتا ہے۔ یہ زیر قدم حضرت آدم علیہ السّلام ہے ذکر اسم ذات اللہ اللہ ہے۔ قلب سے نیچے کی طرف ایک کاغذ بھر فاصلے پر شہوت ہے۔ جسے قوتِ باہ بھی کہتے ہیں۔ اس نے لذت کے سبب اپنی طرف کھینچ کر قلب کی کشش بھلا دی۔ اور اپنی لذت سے جو اسفل اسافلین کی طرف لے جانیوالی تھی اپنا عاشق و دیوانہ بنالیا۔

سالک دل سے اللہ اللہ اس قدر کرے کہ قلب سے ذکر کی حرکت خیال کے کان میں پہنچے۔ روزانہ آدمی کو دن رات میں چوبیس ہزار سانس آتے ہیں ہر سانس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا نام لینا فرض ہے اور غفلت کفر۔ حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ کے الفاظ میں "جو دم غافل سو دم کافر" لیکن اگر ہر سانس کے ساتھ نام لے تو پھر کاروبار دنیا رُک جاتے ہیں۔

اس لیے اہل تصوف نے فرمایا ہے کہ ایک وقت میں چوبیس ہزار سانس کی قضا دے دے۔ چوبیس ہزار اسمِ ذات کا ذکر کر لے تو گویا ہر سانس کے بدلہ ایک اسم ذات ہو گیا۔ پھر اپنے دنیاوی کاروبار بھی کر لے۔ جب طالب اس حالت میں پہنچ جائے اور اس کے خیال میں ذکر اور قلب میں جوش اور زرد رنگ کا نور ظاہر ہو جائے تو قلب اُپنے اصلی مقام میں پہنچ جاتا ہے۔ اور قلب کے اصل میں پہنچنے کی اصل نشانی یہ ہے کہ اس کی ہمت فوق یعنی اوپر کی طرف مضحل ہو جائے اور تمام جہات کی طرف سے سہو کو سمجھ لے کہ قلب اپنے مضغہ سے نکل کر اپنی اصل میں پہنچ گیا اگرچہ کشف نہ ہو کیونکہ اس زمانہ میں کشف حلال روزی نہ ملنے کے سبب بہت کم ہوتا ہے مگر حالات کے بدلنے سے معلوم کر سکتے ہیں اور لذائذ و جوش وخروش قلب خود اس امر کا شاہد کافی

ہے۔ کشف کے انتظار میں نہ بیٹھنا چاہیے کیونکہ یہ منزل نہیں اسکی کوئی انتہا نہیں سیر قلب تحت الثریٰ سے لے کر نیم دائرہ عرش کے نیچے تک ہے۔ اور اسی میں توحید وجودی ہے اور نعرہ انا الحق وہمہ اوست یہ تمام قلب میں ہی ہوتے ہیں۔

توحید وجودی اور ذوق وشوق وتواجد، اسرار معیت آہ ونعرہ وبیخودی استغراق، سماع ورقص وجد وتواجد تمام لطیفہ ءقلب کی سیر میں سے ہیں۔ قلب اول دائرہ امکان میں سیر کرتا ہے اور اس دائرہ کے احوال سے جذب، حضور، جمعیت، واردات، کشف کونی وکشف ارواح اور کشف عالم مثال ہوتا ہے۔ سیرِ عالم ملک عبارت ہے آسمانوں کے نیچے سے اور سیر ملکوت عبارت ہے ملائکہ اور ارواح اور اُن اشیاء سے جو آسمانوں سے اوپر کی ہیں۔ یہ تمام دائرہ امکان بلکہ نصف دائرہ سافل میں داخل ہیں جو کچھ اس طرح نظر آتا ہے۔ اس کا نام سیر آفاقی ہے بلکہ کمال حضور وجمعیت وجذبات دوسرے دائرہ میں ہے۔ جو عبادت سیر تجلیات افعالیہ اور سیر ظلال اسماء وصفات سے ہے مسمےٰ بدائرہ صغریٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ اب معلوم ہو گیا کہ اس جگہ وحدت وجود کا دریا کھلتا ہے۔ پیر ومرشد قلب پر انگلی رکھ کر ذکر اسم ذات اللہ اللہ تین دفعہ کہے پھر انگلی اٹھائے اسی طرح ہر لطیفہ پر تین دفعہ کہے۔ کیونکہ سید المرسلین ﷺ کی عادت مبارک یہی تھی کہ آپ ﷺ جب کوئی امر تلقین فرماتے تو تین بار زبان مبارک سے فرمایا کرتے اور آپ ﷺ کے زمانہ مبارک سے لے کر تبع تابعین رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک یہی طریقہ رہا۔ تین بار کہنے میں اولیاء اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک بہت بڑا اثر ہے۔ ہر لطیفہ کے کھلنے سے قرب وحضور اور جمعیت ہوتی ہے۔ جمعیت سے مراد خطرات بالکل صاف ہو کر تسلی وتسکین ہو جانا ذکر وحضور میں اور قلب میں ہو جانا۔ حضور وجمعیت جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تھا۔ جب امت سعید حضور سید المرسلین ﷺ کی ہوئی تو یہ سب ولایتیں اس قرب کے ماتحت ہو گئیں جو نبی اکرم ﷺ کو تھا۔ جس کو قلب میں یہ

قرب وحضور اور ذکر زیرِ قدم حضرت آدم علیہ السلام ہو وہ یہ آدموی المشرب کہلاتا ہے۔اس ولایت کا نام ولایت آدموی ہے۔

شہوت، طمع، حرص، تکبر، حسد، غصہ یہ پانچ پڑوسنیں پانچوں لطائف کی ہیں۔ ان کو مارنا چاہیے اور نفس کو بھی۔ اگر ان کے مارنے کے معنی بالکل باطل اور لاشی کر دینے کے ہیں تو یہ بالکل غلط مفہوم کر شہوت جو قلب کے نیچے ہے اس کو زائل کر دینے کے یہ معنی ہوتے تو انبیاء علیہم السلام ہر گز عورتوں سے نکاح نہ کرتے۔ یہ انبیاء علیہم السّلام اور اولیاء کرام میں بھی تھیں۔ انبیاء علیہم السّلام اور اولیاء اللہ رضوان اللہ علیہم نے ان کو مار کر ہم کو دکھایا۔

شہوت جو قلب کے نیچے ہے اس کو اپنے مطلوب کا بڑا شوق اور جوش ہے اور معشوق اسفل میں ہے تو یہ جوش میں آکر تمام بدن کو اپنے مطلوب کی طرف کھینچ کرلاتی ہے اگر اس کا یہ شوق اور قوی حرکت ملاء اعلیٰ (اوصاف حمیدہ) کی طرف ہو تو اس کا مطلوب مشاہدۂ جمال الٰہی ہو جائے جیسی اس کی جلدی اسفل کی طرف ہے اسی طرح ملاء اعلیٰ یعنی اوصاف حمیدہ کی طرف جلدی میں اپنے ساتھی قلب کے ہمرنگ اور ہمراز ہو جائے تو دو قوتیں کتنی جلدی مطلوب حقیقی سے واصل ہوں۔ جس طرح سنکھیے میں دوا ڈال کر آگ دی اور اس کا ضرر رفع ہو کر صورت بدل گئی۔ اسی طرح اللہ کے نام کی بوٹی دل میں لگا کر یعنی اللہ کا ذکر کر کے قلب کی سیاہی دور اور اس کو منور کرے گا۔ اور شہوت جو کاغذ بھر کے فاصلہ پر ہے ذکرِ قلب سے منور ہو کر مذکور کی طرف متوجہ ہو کر مذکور کے ہم رنگ ہو جائے گی۔ یعنی اعتدال پر آجائے گی۔ شہوت کا وہ مضر و موذی مادہ دور ہو کر وہ بھی منور ہو جائے گی۔ اور اسفل سے اٹھ کر اوصاف حمیدہ کی طرف متوجہ ہو کر مشاہدہ ء جمال الٰہی میں مشغول ہو جائیگی۔ یہ معنی ہیں شہوت کے مارنے کے کہ اس کے ضرر و ایذا کو دور کر کے نفع کی چیز بنا دینا۔ جب یہ کشتہ ہو گیا تو اطاعتِ الٰہی کے سوا ذرا بھی قدم نہیں اٹھیں گے۔ یہ مقام اولیاء اللہ رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔

جیسا کہ ایک بزرگ کا قصہ ہے۔

وہ کسی شہر میں رہتے تھے اور عیالدار تھے۔ آپکو نور باطن سے معلوم ہوا کہ ایک ولی اللہ مجذوب کامل جنگل میں بھوکے پڑے ہیں۔ اور استغراق میں بے ہوش ہو رہے ہیں ان کے دل میں آیا کہ اس مجذوب کو روٹی کھلائیں۔ لیکن وہ معذور تھے اور چل نہیں سکتے تھے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی عورت سے کہا وہ صالحہ اور فرمانبردار تھی۔ اس نے عرض کی اگر مجھے اس کار خیر کی اجازت ہو تو حاضر ہوں۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اجازت ہے۔

چنانچہ وہ روٹی لے کر چلنے کو تیار ہو گئیں راستے میں بڑا دریا تھا۔ عورت نے کہا روٹی تو لے جاتی لیکن اس وقت کشتی نہیں ملتی۔ کیونکہ رات کافی گزر چکی ہے اور میں تیرنا نہیں جانتی۔ یہ سن کر بزرگ نے فرمایا

"تو روٹی لے جا جب دریا کے کنارے پہنچے تو دریا کو میرا اسلام علیک کہنا بعد اس کے کہنا کہ میرے خاوند نے آپکو کہا ہے کہ میں نے تمام عمر اپنی عورت سے جماع نہیں کیا۔ اگر اس کا یہ کہنا سچ ہے تو مجھے راستہ دیدے"

عورت نے کہا کہ یہ عجیب بات ہے میرے آپ کے نطفہ سے تین چار بچے ہیں آپ جھوٹ بول کر دریا سے راستہ مانگتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ تو اسی طرح دریا سے کہہ دے۔ اگر وہ راستہ دے دے تو اس بات کو سچ مان لینا اور گزر جانا ورنہ واپس آ جانا۔ چنانچہ وہ دریا کے کنارے پر گئی اور اس سے وہی کہا۔ دریا فوراً پھٹ گیا اور راستہ خشک نکل آیا۔ عورت چلی گئی اور اس بزرگ کے آگے روٹی رکھ دی۔ انہوں نے بغیر کچھ پوچھے خوب پیٹ بھر کر کھائی حلال معاش تھی اسے راحت حاصل ہوئی عورت نے برتن اٹھا لیئے اور رخصت کے وقت کہا کہ پہلے تو میرے خاوند نے مجھے کہا تھا کہ دریا سے کہنا کہ تمام عمر میں نے اپنی عورت سے جماع نہیں کیا اگر یہ سچ ہے تو مجھے راستہ دے دے چنانچہ میں نے کہا اور دریا نے راستہ دے دیا۔

حالانکہ میرے چار بچے خاوند کے نطفہ سے موجود ہیں۔ آپ بھی کچھ فرمائیے تاکہ راستہ مل جائے۔ کیونکہ جب میں دریا سے نکل آئی تھی تو دریا مل گیا تھا۔ اس بزرگ نے تبسم کر کے فرمایا دریا سے میرا اسلام کہہ کر یہ کہنا کہ وہ فقیر جس کو میں روٹی کھلا کر آئی ہوں کہتا ہے کہ میں نے تمام عمر میں کبھی روٹی نہیں کھائی۔ اگر یہ بات سچ ہے تو مجھے راستہ دے دے۔ عورت نے کہا عجب کمال ہے جو دو جھوٹوں میں آیا ہے اور دریا بھی مان لیتا ہے۔ پہلا تو جھوٹ تھا ہی یہ دوسرا کہ خود میرے روبرو روٹی کھائی اور پھر انکار۔ فقیر نے جواب دیا کہ اے نیک بخت! جھوٹ نہیں اس معاملہ میں ہم دونوں سچے ہیں اور خدا تعالیٰ نے ہمارا یہ سچ قبول فرمالیا ہے۔ تیرے خاوند نے جو کہا کہ میں نے کبھی اپنی عورت سے جماع نہیں کیا تو وہ سچا ہے۔ کہ اس نے شہوت کے حکم یا نفس کی لذت و خواہش اور عیش کے خیال سے کبھی یہ کام نہیں کیا بلکہ خدا تعالیٰ کا حکم سمجھ کر اس نے فرض ادا کیا۔ تو پھر یہی کام اس کی عبادت میں لکھا گیا۔ اور کثرت خلوص کے ساتھ وہی عبادت مظہر تجلیات رضائے الٰہی ہوگئی۔ اور وہ جماع موجب مشاہدہء ذاتی ہوگیا۔ اور بہت بڑا عمل اور کمال شجاعت ہے کہ عورت اپنی ہو اور نفس و شہوت کے غلبہ کو دبا کر حکم الٰہی کے تابع کر کے کام کیا۔ اور میں نے جو کہا ہے کہ روٹی کبھی نہیں کھائی سو دراصل میں نے پیٹ بھرنے اور لذت اور خوشیِ نفس کے لئے کبھی نہیں کھائی بلکہ فقط نفس اور بدن کا جو حق میرے اوپر اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہوا ہے وہ حکم ادا کرنے کے لئے کھاتا ہوں۔ اس میں لذت اور شہوت کا کچھ دخل نہیں۔ ہم دونوں سچے ہیں۔ جب وہ عورت واپس آئی تو اسی طرح کہنے سے دریا نے راستہ دے دیا اور گھر آئی اور تمام قصہ اپنے خاوند سے بیان کیا۔ انہوں نے سجدۂ شکر ادا کیا کہ الحمد اللہ میرا عمل اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا۔ شہوت کے مارنے اور اطاعت کے یہ معنے ہیں۔

دوسرا سبق رُوح : روح کا مقام دائیں پستان کے نیچے دو انگشت کے

فاصلے پر ہے۔ اس کا نور سرخ ہے۔ یہ زیر قدم حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام ہے ذکر اسم ذات اللہ اللہ اللہ ہے۔ روح جو منور اور خاص ملاء اعلیٰ یعنی اوصاف حمیدہ کا رئیس ہے اس کی پڑوسن یعنی اس کے نیچے غصہ ہے جو کہ غضب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس نے روح کو ایسا مکدر کیا کہ اپنی صفائی اور برق چمک سب بجھا بیٹھا۔ اور اصل خصلت چھوڑ کر بھیڑیے پن کی عادت پکڑ لی۔

سالک ذکر اسم ذات روح پر توجہ کر کے اپنے شیخ کا تصور کر کے کثرت سے ذکر کرے تاکہ یہ لطیفہ بھی قلب کی طرح جوش میں آ کر ذاکر ہو جائے اور اسکی سیاہی دور ہو جائے۔ اور اسکی شکل ذکر کے نور سے منور ہو جائے۔ اور یہ اپنی پڑوسن کی کدورت کو بھی دور کرے یعنی بے جا غصہ نہ رہے جب بے جا غصہ دور ہو جائے گا۔ تو اس کا نور اپنی اصل کی جانب جو نیم دائرہ عرش کے اوپر ہے اس میں جا ملے گا۔ اور یہ اپنی اصل کا نائب ہو جائے گا۔ جب یہ طے ہو جائے تو لطیفہ روح میں توحید شہودی کھلتی ہے اس وقت یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر قلب میں ذکر کرے تو روح کا ذکر شروع ہو جاتا ہے اور روح میں ذکر کرے تو قلب میں بھی ذکر شروع ہو جاتا ہے گویا ان دونوں کی ایک تار ہو جاتی ہے۔ اور ذکر جاری ہونے کے سبب طالب یہ معلوم نہیں کر سکتا کہ قلب کونسا ہے اور روح کون سا ہے۔

روح کی پڑوسن یعنی غصہ و غضب جو رذائل سفلیہ سے ہے اس کو مارنے کے معنی سمجھنے چاہیں۔ غصہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ہے اور انبیاء علیہ السلام و اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں بھی۔ غصے کی بدن میں ضرورت ہے کیونکہ وہ بدن پر سپاہی اور نگران ہے اس کا مارنا یہ ہے کہ اس کو ادب سکھایا جائے کہ جو چیزیں اطاعت اور وصل الٰہی کرنے والی ہیں اُن سے نرمی اور محبت کا برتاؤ کرے۔ اور جو اس مقصود سے دور کرنے والی ہیں ان کو غصہ اور طاقت سے دور کرے۔ جیسا کہ اپنے دشمن پر یا کوئی کسی کو مارنے یا گالی دینے

لگے تو اس پر غصہ آتا ہے ایسا ہی مناہی اور موانعات رضائے الٰہی پر غصہ جوش کھائے جب "اَلْحُبُّ لِلّٰه وَ الْبُغْضُ لِلّٰهِ ہ"

ترجمہ: "محبت خدا کے واسطے اور غصہ خدا کے واسطے"

جب یہ حال ہو گیا تو یہ اللہ کا غصہ ہو گیا اور اسفل سے خلاصی پا کر اوصاف حمیدہ میں جا پہنچا۔ اور اس غصہ کی طاقت بھی روح کے ساتھ ذکر کرنے میں شامل ہو گئی۔ اور ذکر میں دوہری حضوری اور جمعیت پیدا ہو گئی۔ جس کو لطیفہ روح میں قرب و حضور و جمعیت ہو وہ ابراہیمی المشرب ونوحی المشرب کہلاتا ہے اور اس لطیفہ کے ذکر سے جو ولایت نصیب ہوتی ہے اس کا نام ولایت ابراہیمی ہے۔

جب روح کا ذکر مع خیال میں آجائے اور سالک حالت مذکور پر پہنچ جائے تو اپنی اصل میں جاملا۔ یعنی اپنے مقام ومنزل کے قریب پہنچنے لگا آگے جس قدر ذکر اس میں ہوتا جائیگا ۔ اسی قدر تکمیل ہوتی جائے گی۔ اور اسرار ورموز معرفت کھلتے جائیں گے۔ کشف وغیرہ کے انتظار میں نہ بیٹھے ذکر کا غلبہ رکھے۔ اور ہر وقت ذکر میں مشغول رہے۔ اس طرح روح کا نور اصل روح میں جا پہنچتا ہے تو روح اُس روح کا نائب ہو جاتا ہے اور قرب الٰہی ہوتا ہے۔

تیسرا سبق سرّ: اس کا مقام قلب کے برابر بائیں پستان سے دو انگل اوپر سینے کی طرف ہے اس کا نور سفید ہے۔ یہ زیر قدم حضرت موسیٰ علیہ السلام ہے ذکر اسم ذات اللہ اللہ ہے مرید ذوق وشوق سے توجہ لے اسم ذات کا ذکر کرے یہ مقام مشاہدہ اور دیدار کا ہے۔ اس میں ذکر کرنے سے مشاہدہ اور دیدار الٰہی ہوتا ہے۔ لطیفہ سرّ کے نیچے کاغذ کے فاصلہ پر حرص ہے۔ اس کا نام طمع بھی ہے یہ سرکی پڑوسن ہے لطیفہ سرّ کو ذات الٰہی کا مشاہدہ اور دیدار ہوتا تھا۔

اس کا کام یہ تھا کہ ہر وقت مشاہدہ مال الٰہی طرف سیر کرائے اور خواہش دیدار

الٰہی کی رکھے۔ مگر حرص کی صحبت نے اس کو اسفل کی طرف جو چیزیں لے جانیوالی ہیں ان کی حرص اور طمع پر لگا دیا۔ جیسے مال وزنا، سرقہ (چوری) خونریزی وغیرہ کی حرص۔ لطیفہ سرّ کی پڑوسن حرص نے اس کو سیاہ کر دیا۔ اور اوصاف حمیدہ سے پھیر کر اسفل کے مشاہدہ میں گرفتار کر دیا۔ جیسے مال و دولت، زن، زمین، لباس، زیور، مویشی وغیرہ کی طمع یہ سب اسفل کی طرف لے جانے والی ہیں چاہیے یہ تھا کہ طمع بمعنی محبت نیک اعمال کے جمع کرنے کی یا کثرت عبادت کی یا کثرت شوق مشاہدہ جمال الٰہی کا ہو۔ ایسی محبت محمود ہے۔ اور اس کی پیدائش اللہ تعالیٰ نے اسی واسطے فرمائی ہے مگر نفس نے اس کو اسفل میں لگا دیا ہے۔ اب اسفل سے چھڑا کر ملاء اعلیٰ کی طرف لے جائے تو یہی معنی اس کے مارنے کے ہیں یعنی اس کو جو شوق مال وزر اور دنیاوی اشیاء کا ہے بجائے اس کے ذات الٰہی کے مشاہدہ اور رضا کا شوق ہو جائے۔ تو پھر یہ بہت ترقی دینے والے کام میں لگ گئی۔ اس کی طاقت سرّ کے ساتھ شامل ہوگئی اور کثرت ذکر سے لطیفہ سرّ کا نور اصل سرّ میں جا پہنچتا ہے اور یہ سرّ اُس سرِ کا نائب ہو جاتا ہے۔ اور قلب قرب کی وجہ سے اس نور سے بھر جاتا ہے۔ جس کو لطیفہ سرّ میں قرب اور حضور اور جمعیت ہو وہ موسوی المشرب کہلاتا ہے اس کے ذکر سے جو ولایت نصیب ہوتی ہے اس کا نام ولایت موسوی ہے۔ اس کے ذکر میں عجائب اور غرائب کیفیات ظہور میں آتی ہیں اسکی لذت اوروں سے زیادہ ہے۔

چوتھا سبق خفی : اس کا مقام روح کے برابر دائیں پستان سے اوپر دو انگشت کے فاصلے پر سینے کی طرف ہے اس کا نور سیاہ ہے۔ یہ زیر قدم حضرت عیسےٰ علیہ السلام ہے۔ اس کا ذکر اسم ذات اللہ اللہ ہے۔ اس کی پڑوسن لطیفہ خفی کے نیچے کاغذ بھر کے فاصلے پر حسد اور بخل ہے کہ فی الحقیقت ایک ہی چیز ہے اس نے لطیفہ خفی کے نور کی سیاہی کو جو ملاء اعلیٰ کی بصارت دینے والی تھی بجھا دیا۔ جیسے آنکھ کی تلی سیاہ ہوتی ہے اور وہی ہر چیز

کو دیکھتی ہے ایسا ہی یہ لطیفہ خفی تھا۔اس کی سیر حجاب کے بطون البطون میں تھی اس کو اسکی پڑوسن حسد اور بخل نے اسفل سے ایسا مکدر کیا کہ نابینا ہو گیا۔اور اصلی وطن کی طرف جانے کی تاب وطاقت نہ رہی جب اس لطیفہ خفی میں پیر ومرشد کے کرم سے ذکر جاری ہو جائے اور لطیفہ جوش میں آجائے اور پڑوسن مر جائے یعنی اصلاح پا جائے تو اس کی توجہ اپنے اصل کی طرف ہو جائے گی۔مگر یہ حالت پیر کے توجہ دینے اور مرید کے توجہ لینے سے جلد حاصل ہوتی ہے۔لطیفہ خفی میں جس کو قرب وحضور وجمعیت غلبہ پا جائے اسکو عیسوی المشرب کہتے ہیں اور اس سے حاصل ہونیوالی ولایت کو ولایت عیسوی کہتے ہیں۔

پانچواں سبق اخفٰے :اس کا مقام سینے کے وسط میں ہے اس کا نور سبز ہے یہ زیر قدم حضور سید المرسلین حضرت محمد ﷺ ہے۔ذکر اسم ذات اللہ اللہ اللہ ہے۔ لطیفہ اخفٰے کے نیچے اس کی پڑوسن تکبر اور فخر ہے۔اس نے لطیفہ اخفیٰ کے نور کو بجھا دیا۔ اور احکام واطاعتِ الٰہی سے روگردانی کرائی۔تکبر بندہ کے حق میں بہت بری چیز ہے اگر تکبر سے احکام الٰہی کو نہ مانا اور اطاعت نہ کی تو اس کے لئے ذلت اور قہر دوزخ ہے۔ لیکن اگر نفس یا کافر کے مقابلے میں ان کو اللہ تعالیٰ کا دشمن سمجھ کر تکبر کیا جائے تو پھر یہ بھی احسن ہے اس خصوصیت رذیلہ کے مارنے کیلئے بھی نفس کو مارنا چاہیے اور ذکر کی بہت کثرت کریں۔کیونکہ اسکی سیر اعلیٰ ہے بلکہ اس کی کچھ انتہا نہیں۔اسکی سیر فوق الفوق یعنی تمام لطائف سے اعلیٰ ہے اس کی انتہا کو کوئی نہیں پہنچا۔بلکہ امام الطریقت حضرت مجدّد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ بے انتہا ہے یہ مقام ولایت محمد یہ ﷺ کا خاصہ ہے سید المرسلین ﷺ کا لطیفہ اخفیٰ میں جس کو جمعیت وقرب حاصل ہو اس کا نام ولایت محمد یہ ﷺ ہے۔یہ تمام مقاموں سے عالی مقام ہے۔یہ جامع ولایات ہے یعنی باقی چاروں کے اوپر ولایاتِ محمد یہ ﷺ ہے۔

چھٹا سبق لطیفہ نفس : اس کا مقام وسطِ پیشانی سے ایک انگلی اوپر

بالوں سے تھوڑا سا نیچے ہے اس کا رنگ مٹیالا ہوتا ہے۔اس کا ذکر اللہ اللہ اسم ذات ہے یہ نفس انسان کو ہمیشہ انانیت اور ریا کی جانب مائل کرتا رہتا ہے اس کو قرآن مجید میں نفس امارہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔اس مقام میں اس کا تزکیہ اور اسکی امارگی دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تا کہ وہ اپنے خواص کو بدل دے۔اسی کا نام تزکیہ نفس ہے اس کے بعد ہی وہ اخلاق واوصاف حمیدہ سے مزین ہوتا ہے اور یہی تہذیب نفس ہے۔سالک ذکر خیال کے ساتھ کرے۔تو جذب و ذوق وشوق سے خالی نہیں رہتا۔قالب عناصر اربعہ سے مرکب ہے نفس اس کا حاکم ہے۔لذائذ اور ملکاتِ رذیلہ اس کے سر ہیں۔اس کے مقام میں صوفیائے کرام کا اختلاف ہے بعض اس کا مقام ناف سے نیچے دوانگل کے فاصلے پر بتاتے ہیں مگر امام ربانی حضرت مجدّد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اس کا مقام پیشانی پر فرماتے ہیں۔ محققین اس طرح اس کی تطبیق کرتے ہیں کہ پیشانی پر اس کا سر ہے۔اور زیر ناف اس کا دھڑ ہے اس ذکر کا خاصہ یہ ہے کہ جب شہوت غلبہ کرے تو سالک بلند آواز سے ذکر اسم ذات کرے فوراً غلبہ شہوت کا ہٹ کر طبیعت ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور ذکر الٰہی کی طرف متوجہ ہوگا۔اس طرح نفس جلدی اصلاح پا جائیگا۔

ساتواں لطیفہ قالب : اس کا مقام سر کے اوپر کا درمیان ہے۔اس کو سلطان الاذکار کہتے ہیں اس لطیفہ میں سالک کے عناصر اربعہ ہوا، پانی، آگ اور خاک کا تزکیہ ہوتا ہے۔اس مقام میں سالک کے ہر رگ وپے اور بال بال سے ذکر جاری ہوا کرتا ہے۔جب سالک کا باطن منور ہوتا ہے تو عالم خلق کی کیفیت اس پر ظاہر ہوتی ہے۔

لطیفہ قالب کے عناصر اربعہ الگ الگ اصلاح نہیں پا سکتے کیونکہ ترکیب معتدل میں ہیں اس لیے ان کی اکھٹی اصلاح ہوتی ہے۔

نفی اثبات

نفی اثبات سے مراد لا الٰـہ الا اللہ ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سانس کو بند کر کے پھر کلمہ لاکو ناف سے اٹھا کر قالبی تک پہنچائے اور الٰـہ کو دائیں کندھے پر لا کر الّا للہ کی ضرب شدت سے قلب پر لگائے۔ نفی اثبات کرتے وقت سانس بند رکھے تین، پانچ، سات یا اس سے زائد طاق عدد پر سانس لے اور تصور کے ساتھ زبان حال سے محمد رسول اللہ کہے۔ دوران ذکر

نفی اثبات کے ان چار معانی میں سے ایک معنی خیال میں رکھے۔

(۱)	لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہ	(۲)	لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰہ
(۳)	لَا مَطْلُوْبَ اِلَّا اللّٰہ	(٤)	لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ
یعنی (۱)	نہیں کوئی معبود مگر اللہ	(۲)	نہیں کوئی میرا مقصود مگر اللہ
(۳)	نہیں کوئی میرا مطلوب مگر اللہ	(۴)	نہیں کوئی موجود مگر اللہ

نفی اثبات کے دوران سانس طاق عدد پر نکالنا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ زبان حال یعنی تصور کیساتھ کہے اور یہ دعا بھی تصور کے ساتھ پڑھیں۔

"اِلٰهِی اَنْتَ مَقْصُوْدِیْ وَ رِضَاكَ مَطْلُوْبِیْ اَعْطِنِیْ مَحَبَّةَ ذَاتِكَ وَ مَعْرِفَةَ صِفَاتِكَ ٥"

سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سیفیہ میں سلوک پر جذبہ مقدم و غالب ہے اس لیے مشائخ عظام نقشبندیہ مجددیہ سیفیہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیھم ابتدا میں سالکین کو ذکر اسم ذات کی تلقین فرماتے ہیں اور جب سالکین ذکر اسم ذات سے مستفیض ہو جاتے ہیں تو بعد میں ذکر نفی اثبات لاالٰـہ الاالـلـہ کی تعلیم دیتے ہیں اس لیے کہ اسم ذات کو جذبہ سے اور نفی اثبات کو سلوک سے زیادہ مناسبت ہے۔ ذکر اسم ذات سے حرارتِ قلبی اور شوق پیدا ہوتا ہے جس طرح حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من میرے وچ لائی ھُو!

نفی اثبات دا پانی ملیا ہر رگیں ہر جائی ھُو!!!

اندر بوٹی مشک مچایا جان پھلن پر آئی ھُو!

جیوے مرشد کامل باھُو جیں ایہہ بوٹی لائی ھُو!

حضرت مجدّد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کلمہ طیبہ **لاالٰہ الااللہ** نہ ہوتا تو جنابِ قدس خداوندی کی طرف راستہ کون بتلاتا اور چہرۂ توحید سے نقاب کون اٹھاتا اور جنت کے دروازے کون کھولتا۔ صفات بشریہ کا پہاڑ اسی **لَا** کی کدال سے کھودا جا سکتا ہے اور اسی کی بدولت عالمِ تعلقات کی نفی ہوتی ہے اور یہی **لَا** ءِ نفی سارے معبودان باطل کی نفی کرتا ہے۔

اسی طرح **اِلَّا** ءِ اثبات۔ اثباتِ معبود حقیقی کرتا ہے مدارجِ لامکانی کو سالک اسی کلمہ کی مدد سے طے کرتا ہے اور سالک اسی کی برکت سے مدارج بزرگی پر بلند ہوتا ہے۔ یہی کلمہ تجلیات ظلال سے تجلیات اسماء وصفات ذات اقدس تک پہنچاتا ہے یہی کلمہ طیبہ جامع کمالاتِ ولایت ونبوّت بھی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

"مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اللّٰهُ فَدَخَلَ الْجَنَّةَ ٥"

یعنی "جس نے کہا **لا الٰہ الااللہ** پس وہ جنت میں داخل ہوگیا"

لوگ تعجب کرتے ہیں کہ صرف ایک مرتبہ اس کلمہ کے کہنے سے انسان کس طرح جنت میں داخل ہو سکتا ہے لیکن اس کلمہ کے ایک بار کہنے سے کہنے والے کو اگر بخش دیں اور جنت میں داخل کریں تو کونسی تعجب کی بات ہے۔ بلکہ اس کلمہ کو کوئی صرف ایک بار کہے اور اس کے طفیل میں سارے مسلمانوں کو بخش دیا جائے تو بھی گنجائش ہے۔ اور اس کلمہ کی برکتوں کو سارے عالم پر تقسیم کیا جائے تو ابدالاباد سارا

جہان معمور و سیراب رہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کلمہ کی برکتوں کا حاصل اور اس کی عظمتوں کا ظاہر ہونا اس کے کہنے والوں کے درجہ کے موافق ہوتا ہے۔ کہنے والا جس قدر عظمت رکھتا ہوگا برکت کا ظہور بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ دنیا کی ساری لذتیں اور نعمتیں اسی کلمہ طیبہ کی لذت و حلاوت کے مقابلہ میں ہیچ ہیں اس کلمہ معظمہ کے مقابلے میں جو ناپید کنارا سمندر ہے تمام عالم ایک قطرہ سے بھی کم کا حکم رکھتا ہے۔

حدیث شریف:

جناب رسول اللہ ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اے میرے اللہ مجھ کو وہ کلمہ سکھایئے کہ اس سے آپ کو پکاروں اور یاد کروں حکم ہوا اے موسیٰ **لا الٰہ الا اللہ** کہا کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار یہ تو آپ کے سب ہی بندے کہتے ہیں اور میں اپنے لیے کوئی خاص کلمہ چاہتا ہوں ارشاد ہوا اے موسیٰ علیہ السلام اگر ساتوں آسمان و زمین اور کل موجودات بجز میرے ترازو کے ایک پلڑے میں رکھے جائیں اور کلمہ **لا الٰہ الا اللہ** دوسرے پلڑے میں ہو تو کلمہ **لا الٰہ الا اللہ** کا پلڑا ہی جھک جائے گا۔

اس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ذکر نفی اثبات کی اللہ جل شانہٗ کے پاس کیا قدر و منزلت ہے اور سالک کیلئے یہ ذکر کس قدر لازمی وضروری ہے۔

جاننا چاہیے کہ ماسوی اللہ سے تعلق خاطر اور خصائل ذمیمہ کو دور کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ ایک ایک خصلت کو لیکر **لَا** کے وقت اس کی نفی کی جائے مثلاً حسد کو دور کرنے کے لیے بوقت **لا الٰہ** یہ سوچے کہ مجھ میں حسد نہیں ہے اور بوقت **اِلَّا اللّٰہ** یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت مجھ میں ہے اس طرح کثرت نفی اثبات و تضرع

بجانب الٰہی ان خصائل ذمیمہ کے دور ہونے کے لیے کی جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ خصائل ذمیمہ رفتہ رفتہ دور ہو جائیں گے۔ اس طرح ہر قسم کے خصائل رذیلہ و خلاف شریعت امور کا اپنے باطن سے ازالہ کیا جا سکتا ہے اور تزکیہ و تصفیہ باطن حاصل ہوتا ہے۔

مراقبات

مراقبہ

مراقبہ مرقوب سے مشتق ہے جس کے معنی محافظت اور نگہبانی کے ہیں مراقبہ اکثر حالات میں اپنے خیال کو ایک خاص وقت تک پوری پوری توجہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفات کی طرف یا روح کے جسم سے بے تعلق ہونے کی طرف یا اسی قسم کے اور خیال کی طرف اس طرح سے لگانا کہ عقل و وہم و خیال اور تمام حواس اس توجہ کے تابع ہو جائیں تاکہ وہ غیر محسوس جس کی طرف تم نے خیال لگایا ہے وہ تمہارے سامنے بمنزلہ محسوس کے ہو جائے اور اس کے غلبہ سے تمہارے منشا پر عمل ہونے لگے خلاصہ یہ ہے کہ کسی ایک مفہوم میں اس طرح ڈوب جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز دھیان میں نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ " (سورۃ اعراف آیت نمبر ۲۰۵)

ترجمہ : "اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کر"

دوسرے مقام پر فرمایا:

"وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ " (سورۃ الحشر آیت نمبر ۱۸)

ترجمہ : "اور ہر ایک کو چاہیے کہ دیکھ بھال کرے کہ وہ کل قیامت کیلئے کیا بھیج رہا ہے"

یہ آیات اور اسی قسم کی دوسری آیات مراقبہ کے مفہوم پر دلالت کرتی ہیں

حضور سید المرسلین ﷺ کا فرمان ہے۔

"اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ۔

ترجمہ : "احسان یہ ہے کہ تو خدا کی عبادت اس طرح سے کرے کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے پس اگر ایسا نہ کر سکے کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے تو یوں خیال کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے"

اور بھی بہت سی آیات و احادیث مفہوم مراقبہ پر دلالت کرتی ہیں۔

جیسا کہ حدیث قدسی ہے۔

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِیْ هُوْدٌ وَّالْوَاقِعَةُ ٥"

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ تو بوڑھے ہو گئے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے سورۃ ہود اور سورۃ واقعہ نے بوڑھا کر دیا" (ترمذی)

سورۃ ھود میں پہلی امتوں کے غضب الٰہی کے عذاب میں مبتلا ہونے کا ذکر ہے اور سورۃ واقعہ میں دوزخ اور جنت والوں کا تفصیلی ذکر ہے اس حدیث میں ان واقعات میں حضور نبی کریم ﷺ کا پورا پورا غور و فکر کرنے کا ذکر ہے اور یہی مراقبہ کا مفہوم ہے۔ مراقبہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا مختصر طریقہ ہے مراقبہ یہ ہے کہ دل میں اسم ذات کا تصور ہمیشہ و دوام کے ساتھ ہو کسی بھی حالت میں ذکر سے جدا نہ ہو جائے۔ جب مراقبہ میں کسی کو اپنے علم کی نفی کرنے کی کیفیت پیدا ہو جائے تو اس کو فنا کے ابتدائی مراحل حاصل ہو جاتے ہیں۔ مراقبہ باب مُفَاعَلَة کا مصدر ہے۔ یہ وصول اِلی اللہ یعنی خدا تک پہنچنے کا ایک مستقل طریقہ ہے۔ لہذا مرید کے لیے ضروری ہے کہ توجہ اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کا علم حاصل کرے۔ مراقبہ نفی و اثبات سے اعلیٰ و افضل ہے۔ اور جذبہ کے نزدیک تر ہے۔ ہمیشہ مراقبہ کرنے سے مرتبہ وزارت حاصل ہوتا ہے اور ملک و ملکوت میں تصرف کرنا آسان ہو جاتا ہے وسواس کو دور کرنے میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اور ممکن ہے کہ مرید کا باطن نور ہدایت کے ساتھ منور ہو جائے مراقبہ سے دائمی اطمینان و سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کو اصطلاح صوفیاء میں جمع و قبول کہتے ہیں۔

حضرت جنید قدس سرہٗ سے منقول ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے مرشد فرماتے تھے کہ مرید کو مراقبہ کے دوران اللہ تعالیٰ کی طرف اسی طرح متوجہ ہونا چاہیے۔ جیسے بلی چوہے کے بل کی طرف گھات لگا کے بیٹھتی ہے۔ بلی چوہے کے بل کی طرف انتہائی توجہ کیساتھ بیٹھتی ہے حتیٰ کہ اس کا ایک بال بھی حرکت نہیں کرتا۔

فرماتے ہیں کہ ایک دن میں ایک راستے سے گزر رہا تھا کہ راستے میں ایک بلی چوہے کے بل کی طرف انتہائی توجہ کے ساتھ گھات لگائے بیٹھی تھی۔ حتیٰ کہ اس کا ایک بال بھی حرکت نہیں کرتا تھا۔ اس سے میں بہت حیران ہوا اور اپنے دل میں کہا کہ تم کتنے کم ہمت ہو کہ اپنے مقصود اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کو چوہے سے بھی کم تصور کرتے ہو اور طلب میں بلی سے بھی کم ہو اس کے بعد میں نے مراقبہ کو لازم پکڑا۔ اور ہمیشہ مراقبہ کرتا رہتا تو مجھے الحمدللہ بہت کچھ حاصل ہوا۔

حضرت خواجہ عبید اللہ انصاری نے آیت

"وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ" (سورۃ کہف آیت نمبر ۲۴)

یعنی "اور اپنے رب کو یاد کرو۔ جب تم بھول جاؤ"

کی تفسیر اس طرح فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کو اس وقت یاد کرو جب غیر خدا کو بھول جاؤ پھر اپنی ذات کو بھول جاؤ پھر ذکر حق میں خود کو بھول جاؤ کیونکہ ہر وہ ذکر جس میں سالک اپنی ذات کو بھول جائے اسی کیفیت کا نام فناء الفنا ہے۔ کسی نے کہا کہ فنا کی دولت سے مشرف ہونے والا اوصاف بشریہ سے دور ہو جاتا ہے۔ کوئی شخص اس کو آسان کام نہ سمجھے کیونکہ ولایت کا ادنیٰ درجہ طے کرنے میں پچاس ہزار سال لگتے ہیں لیکن یہ درجات ولی کامل ایک نظر میں طے کرا سکتا ہے۔

مراقبہ کرتے وقت زیادہ بہتر یہی ہے کہ باادب بیٹھ کر مراقبہ کریں اگر واقعی کوئی عذر بیماری یا کسی خاص تکلیف کیوجہ سے بیٹھنا ممکن نہ ہو تو لیٹ کر بھی مراقبہ کر سکتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ"

(سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۹۱)

ترجمہ : "وہ لوگ اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور لیٹ کر"

اس آیت میں جنوبھم کا لفظ بتا رہا ہے کہ لیٹ کر بھی اللہ کو یاد کرنا جائز ہے۔

مراقباتِ نقشبندیہ

پہلا مراقبہ : "نیت مراقبہ وقوفِ قلب"

فیض می آید از ذاتِ بیچون بلطیفہ ءقلب من بواسطہ پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

ترجمہ : میرے لطیفہ قلبی میں پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف سے فیض آرہا ہے۔

دوسرا مراقبہ : "نیتِ مراقبہ وقوف روح"

فیض می آید از ذاتِ بیچون بلطیفہ روح من بواسطہ پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

ترجمہ : میرے لطیفہ روح میں پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف سے فیض آرہا ہے۔

تیسرا مراقبہ : "نیتِ مراقبہ وقوف سرّ"

فیض می آید از ذاتِ بیچون بلطیفہ سرّ من بواسطہ پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

ترجمہ : میرے لطیفہ سرّی میں پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف سے فیض آرہا ہے۔

چوتھا مراقبہ : "نیتِ مراقبہ وقوف خفی"

فیض می آید از ذاتِ بیچون بلطیفہ خفی من بواسطہ پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

ترجمہ : میرے لطیفہ خفی میں پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف سے فیض آرہا ہے۔

پانچواں مراقبہ : "نیتِ مراقبہ وقوف اخفیٰ"

فیض می آید از ذاتِ بیچون بلطیفہ اخفیٰ من بواسطہ پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

ترجمہ : میرے لطیفہ اخفیٰ میں پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے

اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف سے فیض آ رہا ہے۔

چھٹا مراقبہ : "نیتِ مراقبہ وقوف نفسی"

فیض می آید از ذاتِ بیچون بلطیفہ نفسی من بواسطہ پیران کبار رحمتہ اللہ علیھم اجمعین

ترجمہ: میرے لطیفہ نفسی میں پیران کبار رحمتہ اللہ علیھم اجمعین کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف سے فیض آ رہا ہے۔

ساتواں مراقبہ : "نیتِ مراقبہ وقوف قالبی"

فیض می آید از ذاتِ بیچون بلطیفہ قالبی من بواسطہ پیران کبار رحمتہ اللہ علیھم اجمعین

ترجمہ: میرے لطیفہ قالبی میں پیران کبار رحمتہ اللہ علیھم اجمعین کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف سے فیض آ رہا ہے۔

آٹھواں مراقبہ : "نیتِ مراقبہ وقوف خمسہ عالم امر"

فیض می آید از ذاتِ بیچون بلطائف خمسہ عالم امر من بواسطہ پیران کبار رحمتہ اللہ علیھم اجمعین

ترجمہ: میرے لطائف خمسہ عالم امر میں پیران کبار رحمتہ اللہ علیھم اجمعین کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف سے فیض آ رہا ہے۔

(لطائف خمسہ عالم امر قلب روح سر خفی، اخفیٰ)

نواں مراقبہ : "نیتِ مراقبہ وقوف خمسہ عالمِ خلق"

فیض می آید از ذاتِ بیچون بلطائف خمسہ عالمِ خلق من بواسطہ پیران کبار رحمتہ اللہ علیھم اجمعین

ترجمہ: میرے لطائف خمسہ عالمِ خلق میں پیران کبار رحمتہ اللہ علیھم اجمعین کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف سے فیض آ رہا ہے۔

(لطائف خمسہ عالم خلق، نفس، آگ، ہوا، پانی، خاک)

دسواں مراقبہ : "نیتِ مراقبہ وقوف مجموعہ لطائف عالم امر و عالم خلق"

فیض می آید از ذاتِ بیچون بمجموعہ لطائف عالم امر و عالم خلق من بواسطہ پیران

کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

ترجمہ: میرے تمام لطائف عالم امر و عالم خلق میں پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف سے فیض آرہا ہے۔ (مجموعہ لطائف عالم امر و عالم خلق، قلب، روح، سر خفی، اخفیٰ، نفس، آگ، ہوا، پانی، خاک)

گیارھواں مراقبہ: "نیتِ مراقبہ احدیّت"

فیض می آید از ذاتِ بیچون کہ جامع جمیع صفات و کمالات است و منزہ از جمیع عیوب و نقصانات است و بے مثل است خاص بلطیفہء قلب من بواسطہ پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

ترجمہ: فیض آتا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا کہ جامع ہے جمیع صفات و کمالات کی اور وہ مبّرا و منزّہ ہے تمام نقصانات و زوال اور عیوب سے اور بے مثل و بے مثال ہے مسمیٰ اسم مبارک اللہ ہے او پر لطیفہ قلب میرے کے بوساطت پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے۔

مراقبہ احدیت کا تعلق ذات باری تعالیٰ کے اسم مبارک اللہ سے ہے اس میں وقوف قلبی بھی ہوتا ہے یعنی دلی توجہ سے معنی کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات کے سوا میرا اور کوئی مقصود نہیں ہے ذکر صحت الفاظ کے ساتھ کیا جائے اور دل کی ہر وقت خطرات سے حفاظت کی جائے۔ کثرت سے ذکر کیے بغیر دل کو کشادگی حاصل نہیں ہوتی دل کی جانب توجہ رہے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی جانب متوجہ ہو کر خطرات کا خیال رکھا جائے۔ ذکر صحت الفاظ اور لحاظ معنی کے ساتھ کرنا چاہیے۔ اس کے بعد بازگشت ہے کہ اے خداوندا! میرا مقصود تو ہے اور تیری رضا ہے۔

میں کچھ نہیں یعنی اپنی ذات کی نفی کرے۔ اور خداوند قدوس کی ذات پاک کا اثبات کرے تاکہ یہ حالت دائمی ہو جائے۔ خطرات ختم ہو جائیں۔ یا کم ہو جائیں تو اس حالت پر چار گھڑی ٹھہرا رہے کیونکہ خطرات ہی توجہ اور کیفیت کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

طریقہ اس کا یہ ہے کہ آنکھیں بند کر کے زبان تالو کو لگا کر دل کو خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ کر کے صورت مرشد کو رو برو خیال کر کے زبان دل سے اللہ اللہ کا ذکر کرے۔ اور ایسا خیال کرے کہ وہ ذات جو بیچون وبچگونہ و بے شبہ و بے نمونہ ہے اس ذات پاک سے فیض آتا ہے اوپر دل میرے کے۔ یعنی نیت کرے جو اوپر درج ہے یہ ذکر رات دن میں چوبیس ہزار بار کرے یا جس قدر ہو سکے۔ حضورِ دل سے آہستگی سے کرے کہ ذکر کا اثر دل پر ہووے۔ ذکر چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر وقت ہر حال میں جاری رکھے۔ اس کا رنگ زرد ہے۔ اس مراقبہ میں دائرہ امکان کی سیر ہے

بارھواں مراقبہ : "نیت مراقبہ اصل قلب"

الٰہی قلب من بمقابل قلب نبی علیہ السلام، آں فیض تجلائے صفات فعلیہ خود کہ از قلب نبی علیہ السلام بقلب آدم علیہ السلام رسانیدۂ بقلب من نیز برسانی بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیھم اجمعین۔

ترجمہ: یا اللہ میرا قلب نبی کریم ﷺ کے قلب کے سامنے ہے وہ فیض تجلیات افعالیہ الٰہیہ اوپر دل مبارک حضرت محمد ﷺ کے آتا ہے۔ وہاں سے فیض آتا ہے اوپر دل مبارک حضرت آدم علیہ السلام کے وہاں سے فیض آتا ہے بواسطہ دل مبارک پیران کبار رحمۃ اللہ علیہ کے بواسطہ دل مبارک پیر میرے کے اوپر دل میرے۔

قلب انسانی افعال الٰہیہ کا مظہر ہے اس لیے اس مقام میں تجلیات افعالیہ الٰہیہ کے ورود کا مراقبہ کرایا جاتا ہے جب تک سالک پر کیفیات قلب ظاہر نہ ہوں اس وقت تک افعال الٰہیہ کے ظہور کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ افعال الٰہیہ یعنی کن فیکون کی تجلیات کے مظہر کامل تو آنحضرت ﷺ ہی ہیں۔ ظہور کے اعتبار سے حضرت آدم علیہ السلام ہیں جیسا کہ حدیث قدسی ہے۔

"میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام مٹی اور پانی میں تھے"

اس مراقبہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے واسطہ سے فیض حاصل کیا جاتا ہے۔
لطیفہ قلب کی فنا تجلیات افعالیہ الٰہیہ میں ہوتی ہے اس لیے جب ان تجلیات کا ظہور ہوتا ہے تو سالک کی نظر سے تمام مخلوقات کے افعال مخفی ہو جاتے ہیں اور اسے خدائے لم یزل کی کارفرمائی کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ تجلیات افعالیہ الٰہیہ کا رنگ زرد ہے۔

اس لطیفہ کی قربیت وولایت حضرت آدم علیہ السلام کے واسطہ سے حاصل ہوتی ہے اس ولی کو آدموی المشرب کہتے ہیں اس مراقبہ میں دل کی صفائی اور نورانیت کے مطابق دائرہ امکان کی سیر نصیب ہوتی ہے جو کہ بالائے عرش ہے۔

"مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ"

یعنی "جس نے اپنی ذات کو پہچان لیا اس نے یقیناً اپنے رب کو پہچان لیا"

اس کا راز انسان کے عالم امر کے لطائف خمسہ سے ہے۔ جو سالک سلوک طے کرتا ہوا مراقبہ لطیفہ قلب پر پہنچتا ہے اور اپنے بے مثل و بے مثال اللہ کو جسم مادی پر غالب کر لیتا ہے۔ تو اس کو اس مراقبہ میں تجلیات افعالیہ الٰہیہ کا مشاہدہ ہوتا ہے۔
انسان کی طبعی فطرت کے خلاف جو افعال منجانب اللہ اس سے ظہور پذیر ہوں وہ افعال الٰہیہ کہلاتے ہیں مثلاً انبیاء علیہ السلام کے معجزات اور اولیاء کرام رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کی کرامات وغیرہ۔

تیرھواں مراقبہ : "نیتِ مراقبہ اصل روح"

الٰہی روح من بمقابل روح نبی علیہ السلام، آں فیض تجلائے صفات ثمانیہ ثبوتیہ ذاتیہ حقیقیہ خود کہ از روح نبی علیہ السلام بہ ارواح ابراہیم ونوح علیہ السلام رسانیدہ بروح من نیز برسانی بواسطہ پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

ترجمہ: یا اللہ میری روح نبی کریم ﷺ کی مبارک روح کے سامنے ہے۔ وہ فیض جو تجلی صفات ثمانیہ (حیات، علم، قدرت، سماعت بصارت، کلام ارادہ وغیرہ) ثبوتیہ ذاتیہ

حقیقیہ اوپر روح مبارک حضرت محمد ﷺ کے وہاں سے فیض آتا ہے ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کی ارواح مبارک تک پہنچتا ہے پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے مرشد کو اور میرے مرشد سے میری ذات تک پہنچے۔

صفات ثبوتیہ الٰہیہ کی تجلیات کا مظہر روح انسان ہے اس لیے یہاں صفت العلم تفصیلی و اجمالی سے ان تجلیات کے ورود کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔ تجلیات صفات ثبوتیہ الٰہیہ کے مظہر کامل بھی آنحضور سید المرسلین ﷺ ہیں اس لیے ان کے واسطے سے فیض حاصل کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات پاک باوجود بے چوں و بچگوں ہونے کے صفات سبعہ یعنی حیات، علم، قدرت، سماعت، بصارت، کلام، ارادہ سے متصف اور ثابت ہے۔ حالانکہ نہ ہمارے جیسی ان کی آنکھیں ہیں اور نہ کان وغیرہ۔ اسی طرح سالک جب فیضان مراقبہ لطیفہ روح سے بہرہ ور ہوتا ہے تو اس کو بغیر آنکھ کان وغیرہ کے ان تمام صفات سے متصف کر دیا جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے پہچاننے کا بڑا ذریعہ ہے۔

جب تک سالک قلب کا فنا حاصل نہ کرے اس وقت تک اس پر مقام روح کھل نہیں سکتا۔ جب سالک مثالی کیفیات یعنی قلب کو فنا کر کے مقام روح حاصل کرتا ہے تو اس وقت صفات ثبوتیہ الٰہیہ کی تجلیات کا فیض حاصل کر سکتا ہے۔ صفات ثبوتیہ الٰہیہ کی تجلیات کا رنگ سرخ ہے۔ اس مقام میں سالک جمیع صفات کو اپنی ذات اور دیگر مخلوقات سے سلب شدہ اور حق سبحانہٗ تعالیٰ سے منسوب پاتا ہے۔ اور کائنات کے ذرہ ذرہ میں اسے صفات حق سبحانہ تعالیٰ کا ادراک ہوتا ہے۔ اسی کو مرتبہ فنافی الصفات کہتے ہیں اس لطیفہ کی قربیت و ولایت حضرت ابرہیم علیہ السلام کے واسطہ سے حاصل ہوتی ہے اس لیے اس ولی کو ابراہیمی المشرب کہتے ہیں۔

چودھواں مراقبہ : "نیت مراقبہ اصل سرّ"

الٰہی سرِّ من بمقابل سرّ نبی علیہ السلام، آن فیض تجلائے شیونات ذاتیہ خود کہ از سرّ نبی علیہ السلام بسر موسیٰ علیہ السلام رسانیدہ بہ سرّ من نیز برسانی بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: یا اللہ میرا لطیفہ سرّ نبی کریم ﷺ کے مبارک لطیفہ سرّ کے سامنے ہے وہ فیض جو تیری تجلیاتِ شیوناتِ ذاتیہ کا نبی کریم ﷺ کے مبارک لطیفہ سر سے موسیٰ علیہ السلام کو پہنچتا ہے پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے مرشد کو اور میرے مرشد سے میری ذات تک پہنچا۔

(تجلیات شیونات ذاتیہ الٰہیہ کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی معلومات اجمالیہ مفصلی ہیں ان کو اعیان ثابتہ کہتے ہیں)

لطیفہ سرّ انسانی شیونات الٰہیہ کا مظہر ہے جس کا تعلق صفت الکلام سے ہے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رب ہے اس لیے یہاں معلومات اجمالیہ الٰہیہ کی تجلیات کے ورود کا مراقبہ کرایا جاتا ہے۔ یہاں سالک پر شانِ علم کی تجلی ظہور پذیر ہوتی ہے معلومات اجمالیہ الٰہیہ کی تجلیات کے مظہر کامل بھی سرور کائنات ﷺ ہی ہیں۔ لیکن ظہور کے اعتبار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے مظہر ہیں اس لیے ان کے واسطہ سے فیض حاصل کیا جاتا ہے شیوناتِ الٰہیہ کی تجلیات کا رنگ سفید ہے۔

جب سالک مراقبہ لطیفہ روح کی تمام کیفیات کا حامل ہو جاتا ہے تو اس کو لطیفہ سرّ کا مراقبہ کرایا جاتا ہے تاکہ سالک پر لطیفہ سرّ کا راز اس طرح منکشف ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان علم کی تجلی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فرمائی تھی۔ اور انہیں علم غیبی سے حصہ عطا فرمایا تھا۔ یہاں سالک کو بواسطہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شانِ علم سے بہرہ ور کیا جاتا ہے۔

جب تک سالک مقام روح میں کامل انس پیدا نہ کرلے اس وقت تک مقام سرّ اس پر کشف نہیں ہوتا۔ جب وہ مقام روح سے کامل انہماک حاصل کر لیتا ہے تب

تجلیات شیونات الٰہیہ یعنی اجمالی معلومات الٰہیہ سے فیض حاصل کر سکتا ہے۔ فنائے سرّ کے بعد سالک خود کو اور تمام ممکنات کو شیونات حق سبحانہٗ میں شامل پاتا ہے۔ اور اس کو ہر ذرہ میں شیونات الٰہیہ کا جلوہ نظر آتا ہے چونکہ اس لطیفہ کی قربیت و ولایت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اس ولی کو موسوی المشرب کہتے ہیں۔

بیج میں درخت جڑ شاخیں پھول پتے اور پھل وغیرہ سب کچھ اجمالی طور پر موجود رہتے ہیں۔ بعینہٖ حقیقتِ ممکنہ میں بھی تمام مخلوقات کا اجمالی صوری نقشہ موجود ہے اس لیے اس حالت کو شیونات یا اجمالی معلوماتِ الٰہیہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور درخت کے نشو ونما پا کر بار آور ہونے کے بعد ہی تخم یعنی بیج کی حقیقت کھلتی ہے اسی طرح اجمالی معلومات الٰہیہ کے صوری نقشہ سے جب کائنات کا ظہور ہوا تو اس کی حقیقت ظاہر ہوئی اس لیے اس حالت کو اعیان ثانیہ یا تفصیلی معلومات الٰہیہ کا نام دیا گیا ہے۔

پندرھواں مراقبہ : "نیت مراقبہ اصل خفی"

الٰہی خفی من بمقابل خفی نبی علیہ السلام، آن فیض تجلائے صفات سلبیہ خود کہ از خفی نبی علیہ السلام به خفی عیسے علیہ السلام رسانیدہ بہ خفی من نیز برسانی بواسطہ پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

ترجمہ : یا اللہ میرا لطیفہ خفی نبی کریم ﷺ کے خفی مبارک کے سامنے ہے وہ فیض جو تیری تجلیاتِ صفات سلبیہ (لم یلد ولم یولد، لا جسم، لا جوہر وغیرہ) کا نبی کریم ﷺ کے خفی مبارک پر آتا ہے۔ اوپر خفی مبارک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فیض آتا ہے بواسطہ خفی مبارک پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے اور میرے مرشد کے خفی مبارک سے میرے خفی پر پہنچا۔

صفات سلبیہ الٰہیہ کا تعلق صفت القدرت سے ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رب ہے اس کے مظہرِ اتم تو حضور پُر نور ﷺ ہی ہیں لیکن ظہور کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے مظہر ہیں اس لیے آپ کے واسطہ سے فیض حاصل کیا جاتا ہے۔ جب

تک سالک مقام سرّ سے بہرہ ور نہ ہو اس وقت تک مقام خفی میں نہیں پہنچ سکتا۔ مقام سرّ سے کامل طور پر بہرہ ور ہونے کے بعد ہی صفات سلبیہ الٰہیہ کی تجلیات سے فیض یاب ہو سکتا ہے۔ تجلیات سلبیہ الٰہیہ کا رنگ سیاہ ہے۔

جب سالک مراقبہ سرّ سے جو اس کا راز ہے۔ واقف ہوتا ہے تو اس کو مراقبہ لطیفہ خفی کا راز بھی مشاہدہ میں آجاتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ظہور عطا فرمایا۔ جس کو تجلیات صفات سلبیہ کہتے ہیں اسی طرح یہاں سالک کو اپنے وجود کے ظہور میں بھی وہی تجلی کا کشف ہوتا ہے اس مراقبہ میں سالک کو جمیع عالم سے حق سبحانہٗ تعالیٰ کی تجرید و تفرید مشہود ہوتی ہے۔ یہی وحدت شہود کی حقیقت ہے اسی کو فنا فی الفنا کہتے ہیں اس لطیفہ کی قربیت و ولایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اس ولی کو عیسوی المشرب کہتے ہیں۔

سولھواں مراقبہ : "نیت مراقبہ اصلِ اخفیٰ"

الٰہی اخفیٰ من بمقابل اخفیٰ نبی علیہ السلام، از فیض تجلائے شان جامع خود کہ بہ اخفائے نبی علیہ السلام رسانیدہ بہ اخفاءِ من نیز برسانی بواسطہ پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

"ترجمہ: یا اللہ میرا لطیفہ اخفیٰ نبی کریم ﷺ کے اخفیٰ مبارک کے سامنے ہے تجلیات شان جامع (ذات جامع جمیع صفات و کمالات) الٰہیہ سے فیض آتا ہے۔ اوپر اخفیٰ مبارک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے وہاں سے فیض آتا ہے بواسطہ اخفیٰ مبارک پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے اور میرے پیر کامل کے اخفیٰ مبارک سے میرے لطیفہ اخفیٰ پر۔

اخفیٰ انسانی کا تعلق صفت العلم سے ہے جو آنحضور ﷺ کا رب ہے اور وہ شان جامع جمیع صفات کمالیہ و کیانیہ الٰہیہ کا مظہر ہے اس لیے یہاں تجلیات شانِ جامع کے ا ورود کا مراقبہ کرایا جاتا ہے شانِ جامع الٰہیہ تجلیات کا رنگ سبز ہے سالک کو لطیفہ خفی کے راز سے واقف ہونے کے بعد لطیفہ اخفیٰ کا مراقبہ کرایا جاتا ہے۔

لطیفہ اخفیٰ سے مراد شان جامع جمیع صفات کمالیہ وکیانیہ ہے اس صفت کے مظہر کامل آنحضور ﷺ ہیں اس لیے اس مراقبہ میں سالک آنحضور پُرنور ﷺ کے واسطے سے ان جمیع صفات کے فیضان سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اسی مقام پر اللہ تعالیٰ نے کائنات کو ظہور بخشنا چاہا تو سب سے پہلی تخلیق نبی کریم ﷺ کے نور کی فرمائی۔

حدیث شریف "**اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ** " کا اشارہ اسی طرف ہے۔ اس مراقبہ میں بقابعداز فنا حاصل ہوتی ہے۔ اور اس مقام میں سالک **تخلقوا با خلاق اللہ** کا مصداق بن جاتا ہے یعنی سالک سے اخلاق ذمیمہ (بُرے خصائل) کا زائل ہونا اس لطیفہ کی فنا اور **تخلقوا با خلاق اللہ** کا مصداق بننا اس لطیفہ کی بقا ہے اس لطیفہ کی اقربیت وولایت حضور پُرنور ﷺ کے واسطے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اس ولی کو محمدی المشرب کہتے ہیں۔

سترھواں مراقبہ : "نیت مراقبہ معیت "

فیض می آید از ذات بیچون کہ ہمراہ است ہمراہ من وبہمراہِ جمیع ممکنات بلکہ ہمراہ ہر ذرہ از ذرات ممکنات بہ ہمراہی بیچوں بمفہوم این آیہ کریمہ: **وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ**۔ بلطائف خمسہ عالمِ امرِ من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

ترجمہ : فیض آتا ہے اللہ تعالیٰ کی پاک ذات سے کہ وہ ذات ہر ذرہ ذرات کائنات کے ساتھ ہے اور ہر ذرّہ میرے باطن کے ساتھ ہے جو اس آیت کریمہ کا مفہوم ہے۔ "**وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُم** "یعنی "وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں تم ہو" پیران کبّار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے مرشد کے دل پر اور وہاں سے میرے لطائف خمسہ عالم امر پر (لطائف خمسہ عالم امر قلب روح سرّ خفی اخفیٰ)

سالک "**وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُم** " کے خیال میں ایسا غرق ہو جائے کہ غیر کا خیال نہ رہے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں رہے اسی خیال میں رہے اور کم کھائے، کم

بات کرے اور کم سوئے ۔ جب سالک مراقبہ میں اس طرح سے چند روز باقاعدگی کرے تو محبت الٰہی زیادہ ہونے کے آثار اور دنیاوی محبت کم ہونے کے آثار ظاہر ہوں گے ۔ یہی سالکین کا بڑا مقصد ہے ۔ اس مراقبہ میں اللہ تعالیٰ کے ظلال اسماء وصفات کی تجلیات میں سیر ہوتی ہے۔

یہ وہ مقام ہے جس میں سالک درجہ فنا وبقا اور **لَا شَیْءَ اِلَّا اللہ** سے مشرف ہوتا ہے ۔ اور اس کو ولایت حاصل ہوتی ہے ولی وہ ہے جس نے نفس وشیطان ودنیا اور اپنی خواہشات سے منہ موڑ لیا ہو اور اپنے چہرہ اور دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھا ہو۔ اور وہ دنیا و آخرت سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کا طالب نہ ہو۔

خلق کیساتھ خدا تعالیٰ کی ہمراہی اور ہمہ وقت موجودگی قرآن مجید سے ثابت ہے ۔ اس کی مثال اسطرح ہے کہ ہوا کا بگولا اٹھتا ہے اس میں خاک ہے تنکے ہیں لیکن اس بگولے کو قائم رکھنے والی ہوا ہے ۔ جو بگولہ کے ذرہ ذرہ کے ساتھ ہے ۔ لیکن ہوا اپنی لطافت کے سبب ہمیں نظر نہیں آتی ۔ اور صرف گرد اور تنکوں سے اس کا احساس ہوتا ہے۔ اسی طرح روح جسم کے روئیں روئیں کے ساتھ ہے جسم کو قائم رکھنے والی روح ہے۔ لیکن روح انتہائی لطیف ہے اس لیے نظر سے پوشیدہ اور جسم ظاہر ہے۔

جب ہوا اور روح جو بگولا اور جسم کے ساتھ ہیں اپنی لطافت کے باعث نظر نہیں آتے تو حق سبحانہٗ تعالیٰ کی معیت جو کہ بے چوں اور بے چگوں ہے ۔ کس طرح ہمارے ادراک میں آئے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں نہ صرف ہمارے بلکہ ہر ذرہ ممکنات کے ساتھ اور سب کے قائم رکھنے والے ہیں کیونکہ قیوم مطلق اللہ ہی ہے۔

سالک کے ادراک میں اسرار توحید وجودی یعنی ہمہ اوست ، ذوق وشوق ، آہ و نالہ اور استغراق بے خودی ، نسیان ماسوی اللہ ، دوام حضور اور معیت بیچوں ذات حق سبحانہٗ تعالیٰ کا آنا اس مقام کی خصوصیات ہیں ۔ اگر سالک کی چشم بصیرت کھلی ہوئی ہے تو

اسرار شریعت واحاطہ الٰہی اس کو نظر آتے ہیں ورنہ وجدانی حالت سے حق سبحانہٗ تعالیٰ کی معیت کا ادراک ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بلا جد و جہد و تکلف، غفلت دور ہو جائے اور سالک کیفیت احدیت میں غرق ہو جائے کہ اسے اپنی خودی و بیخودی کا خیال نہ رہے تو ایسے میں سالک پر توحید وجودی کے اسرار کا کشف ہوتا ہے۔ جس کا تعلق مادی جسم سے نہیں بلکہ روحانی کیفیت سے ہے۔

حدیث شریف:

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب بندہ نوافل کے ذریعے سے ہمیشہ میرا قرب تلاش کرتا ہے۔ تو میں اس کے مدارج قرب کو بڑھاتا جاتا ہوں یہاں تک کہ میں اسے اپنا دوست رکھنے لگتا ہوں۔ پس جب میں اسکو دوست رکھنے لگتا ہوں تو پھر میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اور میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ کسی چیز سے پناہ مانگتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں اور اگر وہ کسی چیز کی مجھ سے خواہش کرتا ہے۔ تو میں اسے عطا کرتا ہوں۔ پس جو شخص عداوت رکھے میرے ولی سے تو وہ مجھ سے جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔

سلوک نقشبندیہ میں عالم امر و عالم خلق کو دائرہ امکان سمجھا گیا ہے۔ ذات با صفات وراء الوراء ہے۔ پانچ لطائف عالم امر کے اور دو عالم خلق کے ہیں عالم امر بالائے عرش مجید ہے جو صرف لفظ کُن سے وجود میں آیا۔ عالم خلق زیر عرش جو بتدریج چھ روز میں بنا ان دونوں کے مجموعہ کو دائرہ امکان کہتے ہیں عرش مجید عالم امر اور عالم خلق کے وسط میں ہے۔

پیران کبار رحمتہ اللہ علیھم اجمعین طریق نقشبندیہ نے دائرہ امکان کی اسطرح توضیح فرمائی ہے کہ اذکار الٰہی سے کل لطائف منور ہو جانے کے بعد ان سب لطائف کے انوار ایک ساتھ اکٹھے ہو کر ایک دائرہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کو اصطلاح صوفیاء میں دائرہ امکان کہا جاتا ہے۔ اس دائرہ امکان میں سب سے پہلے عرش سے اوپر کی جانب ایک کشش محسوس ہوتی ہے۔ اس کے بعد قلب پر واردات ہوتے ہیں جو سالک کو فنا کر دیتے ہیں۔ یہی حال مُبتدیوں کا ہے یہی واردات بہ تواتر آتے ہیں یہاں تک کہ تواتر سے تواصل ہو جاتا ہے۔

اس جگہ لطائف میں طرح طرح کے انوار نظر آتے ہیں فنائے مطلق حاصل نہیں ہوتی۔

اٹھارھواں مراقبہ : "نیت مراقبہ اقربیت"

فیض مے آید از ذات بیچون کہ اصل اسماء و صفات است کہ نزدیک تر است از من بمن واز رگِ گردن من بمن بہ نزدیکی بلا کیف بمفہوم ایں آیۂ کریمہ "وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۝ "بلطیفہ نفسی من باشرکتِ لطائف خمسہ عالم امر من بواسطہ پیران کبار رحمتہ اللہ علیھم اجمعین۔

ترجمہ: فیض آرہا ہے اللہ تعالیٰ کی پاک ذات سے کہ اصل اسماء و صفات ہے کہ مجھ سے زیادہ نزدیک و قریب تر ہے میری نسبت اور وہ ذات پاک میری شہ رگِ گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہے اور اس کا نزدیک ہونا بہت لطیف ہے اس آیت کریمہ کے مفہوم میں "ہم اپنے بندہ کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں" اس ذات پاک سے فیض آتا ہے پیران کبار رحمتہ اللہ علیھم اجمعین کے واسطے سے میرے مرشد کے لطیفہ نفسی پر مع دائرہ اوّل وہاں سے فیض آتا ہے میرے لطیفہ نفسی پر مع دائرہ اوّل مع لطائف خمسہ عالم امر (قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ)

ولایت کبریٰ درحقیقت انبیاء علیہ السلام کی ولایت ہے اور لطیفہ نفس انا کے فنا کا محل اور صحو ہوشیاری کا مقام ہے۔ اسی کو ولایت انبیاء علیھم السلام بھی کہتے ہیں جو

مقاماتِ عشرہ یعنی توبہ، انابت، زہد، قناعت، ورع، توکل، تسلیم، رضا، صبر، شکر کے طے ہونے کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتی۔ سالک کو اس مرتبہ میں سیر وسلوک با تباع نبی کریم ﷺ بطور رفاقت وضمنیت حاصل ہوتی ہے۔ اسراء اقربیت وتوحید شہودی اسی دائرہ میں سالک کے شامل حال ہوتے ہیں۔ اس مراقبہ میں سالک کا لطیفہ نفس مع دائرہ اوّل ولطائف خمسہ عالم امر مورد فیض ہیں۔

اس مراقبہ میں سالک مقام خلت ابراہیمی سے مناسبت پیدا کر کے اسماء وصفات الٰہی سے فیض حاصل کرتا ہے۔ حضور ونگہداشت وجذبات وعروج ونزول وغیرہ لطیفہ قلب کے مانند اس مقام میں بھی حاصل ہوتے ہیں بلکہ تمام بدن کو بتدریج انجذاب حاصل ہوتا ہے۔ اس کے کیفیات وحالات بہ نسبت قلب کے بے رنگ و بے مزہ ہیں لیکن نسبت لطیفہ نفس قوی ہو جانے کے بعد حالات وواردات لطیفہ قلب فراموش ہو جاتے ہیں۔ فنائے قلب میں دل سے خطرات دور ہو جاتے ہیں لیکن دماغ میں باقی رہتے ہیں جو فنائے نفس کے بعد دور ہو جاتے ہیں اور اسی دائرہ تک لطائف خمسہ عالم امر کا عروج ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی اصل میں جو درحقیقت اسماء وصفات وشیونات حق سبحانہٗ تعالیٰ ہیں۔ فناء وبقا حاصل کر لیتے ہیں۔

تزکیہ امارگی کے بعد نفس جس حالت میں پہنچ جاتا ہے۔ اس کو قرآن مجید میں نفس لوامہ سے تعبیر فرمایا گیا۔ یہاں سالک کو یہ نفس نصیب ہوتا ہے ایسے نفس والا دنیا میں کم مشغول ہوتا ہے۔ اس مراقبہ سے تاختم سلوک ذکر تہلیل لسانی معہ شرائط ترقی بخش ہوتا ہے۔ اگر سالک زبان خیال ہی سے ذکر تہلیل (نفی اثبات) کرنا چاہے تو بھی کوئی حرج نہیں لیکن اس حالت خلوص وبرکات ذکر سے زبان محروم رہ جاتی ہے۔ اس لیے تھوڑا بہت ذکر زبان سے بھی کرنا ضروری ہے۔

انیسواں مراقبہ : "نیت مراقبہ محبت اوّل"

فیض مے آید از ذات بیچون کہ اصلِ، اصل اسماء وصفات است کہ دوست میدارد مراد

من دوست میدارم، اُورا بمفہوم این آیت کریمہ: "یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ" خاص بلطیفہ نفسی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: فیض آرہا ہے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک سے کہ اصل اصل اسماء وصفات ہے کہ وہ مجھے دوست رکھتا ہے اور میں اُسے دوست رکھتا ہوں۔ اس آیت کریمہ کے مفہوم کے مطابق "اللہ تعالیٰ انہیں دوست رکھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہیں" اس ذاتِ پاک سے فیض آتا ہے پیرانِ کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے مرشد کے لطیفہ نفسی پر مع دو دوائر وہاں سے فیض آتا ہے۔ میرے لطیفہ نفسی پر مع دو دوائر مع لطائف خمسہ عالم امر (قلب، روح، سر خفی اور اخفیٰ)

دائرہ ثانی جو دائرہ اولیٰ کا اصل ہے اس میں سالک مراقبہ محبت بمطابق مفہوم آیت شریفہ دوست رکھتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کو اور وہ دوست رکھتے ہیں ہم کو اس طرح کرتا ہے کہ اس ذات پاک سے جو دائرہ ثانی ولایت کبریٰ کا منشاء ہے بواسطہ لطیفہ نفس مع دو دوائر حضرت پیر و مرشد فیض آتا ہے۔ اس مراقبہ میں سالک کا لطیفہ نفس مع دو دوائر و لطائف خمسہ عالم امر مورد فیض ہیں اور یہاں سالک کا نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے ایسے نفس والا انسان معاملات دنیاوی سے بے خبر رہتا ہے۔ اور ایسے ہی نفس والے کو قرآن مجید میں بشارت دی گئی ہے۔

کہ "یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ o ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً "اس مراقبہ میں سالک مقام صحبت موسوی سے مناسبت پیدا کر کے شیونات الٰہیہ سے فیض حاصل کرتا ہے۔

بیسواں مراقبہ : "نیت مراقبہ محبت دوم"

فیض مے آید از ذاتِ بیچون کہ اصل اصل اسماء وصفات است کہ دوست میدارد مرا و من دوست میدارم، اُورا بمفہوم این آیت کریمہ: "یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ" خاص

بلطیفہ نفسی من بواسطہ پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: فیض آرہا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے کہ اصل اصل اصل اسمآء وصفات ہے کہ وہ مجھے دوست رکھتا ہے اور میں اسے دوست رکھتا ہوں اس آیت کریمہ کے مفہوم کے مصداق وہ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اس سے محبت رکھتے ہیں اس ذات پاک سے فیض آتا ہے پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے مرشد کے لطیفہ نفسی پر مع تین دائرے مع لطائف خمسہ عالم امر۔

دائرہ ثالث جو اصل ہے دائرہ ثانی کا اس میں بھی سالک مراقبہ محبت بمفہوم آیت شریفہ: (دوست رکھتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کو اور وہ دوست رکھتا ہے ہم کو) اس طرح کرتا ہے کہ اُس ذات پاک سے جو دائرہ ثالث کا منشاء ہے بواسطہ لطیفہ نفس مع دوائر ثلاثہ حضرت پیر و مرشد فیض آتا ہے۔ اس مراقبہ میں سالک کا لطیفہ نفس مع سہ دوائر و لطائف خمسہ عالم امر فیض کا ذریعہ ہیں لطیفہ نفس دائرہ دوم کے مقابلہ میں یہاں نسبت حُبیت زیادہ ہوتی ہے۔ جو بوجہ تکلم بذریعہ وحی حضرت محمد ﷺ سے متعلق ہونے کے باعث اس مقام میں سالک پر الہام ہوتا ہے۔ اور یہاں سالک کا نفس مطمئنہ سے ملہمہ بن جاتا ہے۔ اس درجہ میں جو قرب اور محبت نصیب ہوتی ہے اس کی بنا پر یہ نفس ذات اقدس تبارک وتعالیٰ سے ہمکلامی کی خواہش کرتا ہے اگر سالک کی خوش نصیبی سے کلام کا سلسلہ شروع ہو جائے تو اس کو الہام کہتے ہیں۔ اور ایسے نفس کو نفس ملہمہ۔ الہام کی تین اقسام ہیں۔ یہ الہام نفس پر ہو تو ہاتف، قلب پر ہو تو القا، روح پر ہو تو بشارت کہلاتا ہے۔ یہ مرتبہ بہت کٹھن ہے۔ اور آنحضور سید المرسلین ﷺ کی کامل اتباع اور کثرت ذکر کے بغیر نصیب ہونا ناممکن ہے۔

اکیسواں مراقبہ : "نیت مراقبہ دائرہ قوسیت / قوسی"

فیض مے آید از ذاتِ بیچون کہ اصل اصل اصل اسمآء وصفات است و دائرہ

قوسیت کہ دوست میدارد مرا و من دوست میدارم ، اُور ابمفہوم این آیت کریمہ:
"يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْ نَهٗ" خاص بلطیفہ نفسی من بواسطہ پیران کبار رحمتہ اللہ علیھم اجمعین ۔

ترجمہ: فیض آرہا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے کہ اصل اصل اصل اصل اسماء وصفات ہے اور دائرہ قوسیت کہ وہ مجھے دوست رکھتا ہے اور میں اسے دوست رکھتا ہوں اس آیت کریمہ کے مفہوم میں "وہ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اس سے محبت رکھتے ہیں" خاص میرے لطیفہ نفسی پر پیران کبار رحمتہ اللہ علیھم اجمعین کے واسطے سے فیض آرہا ہے۔

قوس جو اصل یا بطون ہے دائرہ ثالث کا، اس میں بھی سالک مراقبہ محبت مفہوم آیت شریفہ:
(دوست رکھتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کو اور وہ دوست رکھتا ہے ہم کو) کے مفہوم کے مصداق اس طرح کرتا ہے کہ اُس ذاتِ پاک سے جو قوس ولایت کبریٰ کا منشاء ہے بواسطہ لطیفہ نفس مع دوائر ثلاثہ قوس حضرت پیر و مرشد کو فیض آتا ہے۔ پیران کبار رحمتہ اللہ علیھم اجمعین سے بواسطہ پیر و مرشد سالک کو فیض حاصل ہوتا ہے۔ اس مراقبہ میں سالک کا لطیفہ نفس مع دوائر ثلاثہ وقوس و لطائف خمسہ عالم امر فیض کا سبب ہیں۔

اس مراقبہ میں سالک کو تمام اور مکمل نسبت حُبّیت حاصل ہوتی ہے اور یہ مقام عالمِ ارواح سے تعلق رکھتا ہے۔ چونکہ عالمِ ارواح میں حضور پُر نور سید المرسلین ﷺ کا اسم مبارک "احمد" ﷺ ہے اس لیے اس مراقبہ میں سالک مقامِ محبوبیت احمدی ﷺ سے مناسبت پیدا کر کے ذات باری تعالیٰ سے فیض یاب ہوتا ہے۔

یہ تینوں دوائر جو ایک دوسرے کے اصول یا بطون ہیں ۔ درحقیقت حق سبحانہٗ تعالیٰ کے ان اعتبارات سے تعلق رکھتے ہیں جو شیونات وصفات الٰہیہ کا مظہر ہیں یہ قوس نفس کا وہ مقام ہے جو نفس ملہمہ کے بعد حاصل ہوتا ہے جسے نفس رحمانیہ کہا گیا ہے۔

مراقبات ولایت کبریٰ جو انبیاء علیہم السلام کی ولایت ہے۔ اس میں تہرے دائرے مراتب نفس لوامہ، مطمئنہ، ملہمہ کو ظاہر کرتے ہیں۔ قوس سے یہ رمز ظاہر ہوتا ہے۔ کہ قوس تحتانی سے مراد حضور سید المرسلین ﷺ کا نفس مبارک ہے۔ شب معراج میں جب آپ ﷺ کو کمالِ قرب ووصال باری تعالیٰ نصیب ہوا تو قوس فوقانی کی تکمیل ہو کر دائرہ مکمل ہو گیا یہ مقام حضور پُر نور ﷺ کے نفس مبارک ہی کا ہے جہاں آپ ﷺ کو بدرجہ کمال قرب ووصالِ خداوندی نصیب ہوا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

"ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ٥ فَکَانَ قَابَ قَوسَیْنِ اَوْاَدْنٰی ٥"

ترجمہ: پھر قریب ہوئے اور آگے بڑھے تو دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم۔

ولایت کبریٰ کی سیر کے پورے ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس وقت تک فیوض وبرکات کے حصول کا جو احساس سالک کو دماغ سے ہوتا تھا۔ اب سینہ سے اس کا تعلق ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس مراقبہ میں شرح صدر، نصیب ہوتا ہے۔ اور قضا وقدر کے احکام بلا چون وچرا قابل قبول ہو جاتے ہیں اور سالک مقام رضا کی طرف تیزی سے عروج حاصل کرتا ہے۔

بانیسواں مراقبہ: "نیت مراقبہ اسم ظاہر"

فیض مے آید از ذاتِ بیچوں کہ مسمّٰی بہ اسم ظاہر است بمفہوم ایں آیت کریمہ "**ھُوَالْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ ٥ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ٥** "خاص بلطیفہ نفسی من بواسط پیرانِ کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

ترجمہ: فیض آرہا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے کہ اسم ظاہر سے مسمیٰ ہے اس آیت کریمہ کے مفہوم میں "وہی اوّل ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے۔ اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے" پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے مرشد کے لطیفہ نفسی پر وہاں سے فیض آتا ہے میرے لطیفہ نفسی پر خاص۔

ولایت کبریٰ کے مراقبات میں مزید قوت پیدا کرنے کے لیے اسم الظاہر کا مراقبہ کرایا جاتا ہے۔ کیونکہ ولایت صغریٰ اور ولایت کبریٰ کے تمام مراتب ظاہریتِ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور یہ سب کے سب تجلیات اسم الظاھر کے مظاہر ہیں۔ اس مراقبہ کا تعلق بھی علم الٰہی سے ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب اپنے اجمالی علوم کا ظہور دینا چاہا تو اسم الظاھر کی تجلی فرمائی اس سے کائنات ظہور میں آئی آثار وافعال الٰہیہ کے ظہور کا مقام دنیا ہے۔ ان آثار کی نفی کرنا اور ان سے مالک آثار حقیقی کا پتہ چلانا اس مراقبہ کا مقصود ہے۔

اس مقام میں سالک اسم الظاھر کے انوار سے منور ہو کر مظاہر الٰہیہ سے واقف ہوتا ہے اس مقام میں اسماء وصفات کی تجلیات کا ورود ہوتا ہے۔ اور اس مراقبہ میں لطیفہ نفس مع دوائر ثلاثہ وقوس فیض کا ذریعہ ہیں۔ سالک کو اس مراقبہ کے ذریعے سیر آفاقی کے لیے ایک پر یا بازو حاصل ہوتا ہے۔ مختصراً مراقبات لطیفہ نفس کے بعد اسم الظاھر کا مراقبہ نسبت باطنی میں بڑی قوت اور وسعت کا موجب ہوتا ہے۔

تینیسواں مراقبہ : نیتِ مراقبہ اسم باطن "

فیض مے آید از ذاتِ بیچوں کہ مسمیٰ باسمِ باطن است کہ منشاء ولایت علیا است کہ ولایتِ ملاء الاعلیٰ است بمفہوم ایں

آیت کریمہ "هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۝ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ " بعناصر ثلثہ من کہ آب، باد نار است بواسطہ پیران کبار رحمتہ اللہ علیھم اجمعین

ترجمہ : فیض آرہا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے کہ مسمیٰ ہے اسم باطن سے جو کہ ولایت علیا کا منشاء ہے کہ ولایت ملاء الاعلیٰ ہے اس آیت کریمہ کے مفہوم میں "وہی ذات ہے اول وآخر اور ظاہر وباطن اور وہی ذات ہر چیز کو جاننے والی ہے"

پیران کبار رحمتہ اللہ علیھم اجمعین کے واسطے سے میرے مرشد کے عناصر ثلاثہ میں کہ

پانی، ہوااور آگ ہیں اور وہاں سے فیض آتا ہے میرے عناصر ثلاثہ میں۔

ولایت صغریٰ اور ولایت کبریٰ اسم الظاہر کے سیر وسلوک میں تھے۔اس کے بعد اسم الباطن میں ولایت علیاء کی سیر شروع ہوتی ہے۔اس کا نام ولایت ملائکہ کرام علیہم السلام بھی ہے اس مقام میں عنصر خاک کے علاوہ عناصر ثلاثہ آگ، ہوا اور پانی پر فیض کا ورود ہوتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ سیر اسم الظاہر تجلیات اسمائی وصفاتی تھے اور سیر اسم الباطن میں تجلیات اسماء وصفات کے ساتھ تجلی ذات بھی پردہ ہائے اسماء وصفات میں مخفی ہوتی ہے۔ان ولایتوں، ولایت صغریٰ، ولایت کبریٰ اور ولایت علیایا ولایتِ ملائکہ کی مثال ظاہر وباطن جیسی ہے۔اگر ولایت صغریٰ پوست ہے تو ولایت کبریٰ مغز ہے۔

اگر ولایت کبریٰ پوست ہے تو ولایت علیاء مغز ہے۔اسی دائرہ میں عناصر ثلاثہ کی فناء وبقا ہوتی ہے۔اس مقام میں سالک ایسی تجلیات میں سیر کرتا ہے جو اسماء وصفات وذات سے ملی ہوئی ہیں۔

سالک کے عالم امر کے لطائف (قلب روح، سر خفی اخفیٰ) متقی ہو جائیں اور عالم خلق سے نفس کا تزکیہ ہو جائے اور عناصر ثلاثہ (آگ، ہوا، پانی) کے رذائل اوصاف حمیدہ میں تبدیل ہو کر منور ہو جائیں اور عنصر خاک کی پاکیزگی وصفائی ہو چکے کہ ہمہ وقت تمام اجزاء لطائف کے ہمراہ ہے تو اس وقت سالک کو دو پر سیر اور پرواز کیلیے عطا ہوتے ہیں۔ان میں سے ایک سیر اسم الظاہر کا ہے جو ولایت کبریٰ کی انتہا ہے اور دوسرا سیر اسم الباطن کا ہے جو ولایت علیا کا منتہی ہے۔

سالک اس مقام میں تجلیات کی سیر کے قابل ہو جاتا ہے۔اس مقام میں ذکر تہلیل ونوافل قیام وقرات کے طول سے ترقی پاتے ہیں۔اور رخصتِ شرعی کا اختیار کرنا غیر مستحسن ہوتا ہے۔ بلکہ عزیمت پر عمل کرنا اس مقام میں ترقی بخشتا ہے راز یہ ہے کہ رخصت پر عمل کرنا بشریت کی طرف کھینچتا ہے اور عزیمت پر عمل کرنا ملکیت کے ساتھ

نسبت قائم کرتا ہے کیونکہ یہ ولایت ملائکہ کرام علیہم السلام کی ہے اس لیے یہاں ملکیت کے ساتھ جس قدر مناسبت ہوگی اتنا ہی جلد ترقی حاصل ہوگی۔

اس مقام میں سالک کا باطن اسم الباطن سے مسمیٰ ومصداق ذات اقدس تبارک وتعالیٰ کا مظہر بن جاتا ہے۔ اس ولایت سے سالک کے تمام بدن میں وسعت وفراخی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جسم پر لطیف احوال کا ورود ہوتا ہے۔ اخفا اور اسرار کے لائق رموز سالک کے ادراک میں آتے ہیں بلکہ ارباب کشف رویتِ ملائکہ کرام سے بھی مشرف ہوتے ہیں۔

ے خاصاں دی گل عاماں اگے نہیں مناسب کرنی
مٹھی کھیر پکا محمّد کتیاں اگے دھرنی

الغرض مراقبہ اسم الباطن بھی عناصر ثلاثہ کے اعتبار سے علم الٰہی سے ہے اس مراقبہ کا مقصود عناصر ثلاثہ کی کیفیات میں انانیت وریا جیسے رذائل کو دفع کرنا اور خالق عناصر کی طرف متوجہ رہ کر فیض حاصل کرنا ہے۔

چوبیسواں مراقبہ : "نیتِ مراقبہ کمالات نبوّت"

فیض مے آید از ذاتِ بیچون کہ منشاء کمالاتِ نبوت است بہ عنصر خاکِ من بواسطہ پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

ترجمہ: فیض آرہا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے کہ منشائے کمالات نبوت ہے پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے پیر و مرشد کے عنصر خاک پر اور وہاں سے میرے عنصر خاک پر۔

مرتبہ کمالاتِ نبوت وہ دولت کبریٰ اور نعمت عظمیٰ ہے کہ اس مقام کی ذرہ بھر سیر جمیع مقامات ولایت صغریٰ وکبریٰ وعلیاء سے زیادہ بہتر اور اعلیٰ ہے۔ اس مقام عالیہ کی خصوصیات حضورِ بے جہت، یقین، تمکین اور تسکین ہیں۔ یہاں سابقہ کیفیات مثلاً ذوق

وشوق وبیتابی وشدت طلب زائل ہو جاتے ہیں۔ آیت کریمہ "لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ" کے مصداق اس مقام پر تمام علوم ومعارف مفقود اور باطن کے تمام حالات بے شناخت ہو جاتے ہیں۔

حقیقت ایمان واتباع شریعت محمدی ﷺ کمال وسعتِ نسبت باطن، بے کیفی حیرت اور اپنی نسبت سے لاعلمی اس مقام کی خصوصیات ہیں یہاں وصول ہی وصول ہے حصول نہیں۔ اس مقام میں تجلیات ذاتی بے پردہ اسماء وصفات وغیرہ سے سابقہ پڑتا ہے۔ یہاں اس خیال سے مراقبہ کرتے ہیں کہ اس ذات بحت (ذات بحت سے ذاتِ حق تعالیٰ کا تمام اسماء وصفات اور شیونات واعتبارات سے مبرا ومنزہ ہونا مُراد ہے) سے جو کمالات نبوت کا منشاء ہے بواسطہ میرے حضرت پیر ومرشد میرے عنصر خاک پر مع عناصر ثلاثہ فیض آتا ہے خاص طور پر یہ فیضان عنصر خاک ہی کو نصیب ہوا ہے۔ لطائف خمسہ عالم امر و دیگر عناصر اسی خاک کی بدولت اس سعادت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اس سے عنصر خاک کے مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس دنیا میں وہ جس قدر پست واقع ہوا ہے۔ اسی قدر اس کی قدر ومنزلت اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک ارفع واعلیٰ ہے۔ اور عنصر خاک کے سوا کسی لطیفہ عالم امر یا عنصر کو دائمی ذاتی تجلی مقدر نہ ہوئی۔

عروجِ آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

سالک جب ولایت علیاء کے فیضان وانوار سے مشرف ہو کر مرتبہ کمال پر پہنچتا ہے تو بفضل الٰہی اس پر کمالات نبوت کا مقام کھلتا ہے جو نہایت ارفع واعلیٰ مقام ہے اس مرتبہ کے ولی کو اعلیٰ درجہ کے کمالات حاصل ہوتے ہیں جن کا پورے طور پر احاطہ و ادراک کرنا ولایت صغریٰ و کبریٰ وعلیاء کے اولیاء اللہ کے لیے دشوار ہوتا ہے۔ اس مرتبہ کی نسبت سے لاعلمی کی وجہ یہ ہے کہ اس سے قبل سالک کی نسبت ولایات سے تھی

جہاں اس کو اسماء وصفات وشیونات میں فنا و بقا کا مرتبہ حاصل تھا۔ اور مرتبہ کمالات نبوت سے بالکل بے بہرہ تھا سالک کی قوت ادراک ایسی نہ تھی کہ نسبت مرتبہ ذات بحت کو سمجھ سکے۔ اس لیے یہاں کی نسبت کا ادراک اس کیلئے دشوار ہے۔

کمالات نبوت کا مقام انبیاء علیہم السلام کیلئے مخصوص ہے اس مقام کے معارف انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتیں ہیں یہ آنحضرت ﷺ کے تابعین کو کمالِ اتباع کی برکت سے بطور وراثت نصیب ہوتا ہے۔ اس مقام پر شیخِ کامل واکمل کی توجہات اور طالب کی استعداد کے مطابق جلوۂ حق تجلی فرماتا ہے۔ جو معاملہ یہاں پیش آتا ہے۔ وہ مشاہدہ ولایات کے مقابلہ میں رؤیت کے مانند ہوا کرتا ہے۔ (اگرچہ وہ رویت نہیں ہوتی اس لیے کہ وعدۂ دیدار تو آخرت ہی سے متعلق ہے)

غرضیکہ اس مقام میں آنحضرت سید المرسلین ﷺ کی اتباع کے سبب اللہ تبارک وتعالیٰ سے ایک خاص رابطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ البتہ جب اس مقام کی بلندی و بے رنگی کا پورا پورا کشف ہوتا ہے تو سالک کی حیرانی بڑھ جاتی ہے کہ اس سے پہلے بھی یہ مقام اسکی نظروں کے سامنے تھا اور اس قدر قریب ہونے کے باوجود اسکے نظر نہ آنے کی کیا وجہ تھی۔ کہ اپنے مقصود کی تلاش میں بھٹکتے رہے۔ اس مقام میں ترقی کیلئے قرآن مجید کی با ادب باترتیل تلاوت اور قیام وقرات کی طویل ادائیگی اور مسنون اذکار انتہائی مفید اور ترقی بخش ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مراقبہ کمالات نبوت میں عنصر خاک پر فیض لیتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خاص کی خاصیت انتہائی عجز وانکساری ہے جسکی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اعتبارات وتعینات انسانی سے بالاتر مقام حاصل کرتا ہے۔ ان خصائل کے حامل انبیاء کرام علیہم السلام ہیں بایں وجہ کمالات نبوت سے فیض حاصل کرایا جاتا ہے۔ تاکہ سالک میں بھی انہیں خصائل کا پرتو ظاہر ہو۔

پچیسواں مراقبہ : "نیت مراقبہ کمالات رسالت "

فیض مے آید از ذات بیچون کہ منشاء کمالاتِ رسالت است بہ ہیئتِ وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

ترجمہ: فیض آرہا ہے دائرہ کمالاتِ رسالت سے اس ذات سے جو منشائے کمالاتِ رسالت ہے۔ اور ہیئت وحدانی (ہیئت وحدانی کے معنی عالم امر اور عالم خلق کا مجموعہ ہے جو تزکیہ و تصفیہ کے بعد ہیئت ہو جاتی ہے) میری کے پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے سیر کمالاتِ نبوت کے بعد اگر تائید الٰہی یاوری کرتی رہے تو سالک کو کمالاتِ رسالت کی سیر نصیب ہوتی ہے۔ یہ مقام کمالاتِ نبوت کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب ہے۔ جس طرح نبوت اور رسالت میں فرق ہے اسی طرح کمالاتِ نبوت اور رسالت کے مراتب /مقامات میں بھی فرق ہے۔ رسالت کا مرتبہ درگاہِ خداوندی میں نبوت کے مقام سے ایک قدم آگے ہے۔ جیسے تمام انبیاء کرام علیہم السلام میں مرسلین کا درجہ بلند ہے اسی طرح دوسرے مقامات کے مقابلہ میں کمالاتِ رسالت ایک مقام خاص ہے اور اسکا فیضان بھی تمام مقامات سے زیادہ ہے اور انوار و برکات بھی نہایت لطیف اور مصفیٰ اور منزہ ہیں اس مقام میں اس ذات سے جو کمالاتِ رسالت کا منشاء ہے بواسطہ حضرت پیر و مرشد سالک کی ہیئت وحدانی پر فیض آتا ہے۔ سالک کے لطائف خمسہ عالم امر قلب کی صفائی روح کی تجلی تخلیہ سِرّہ اور فنا و بقا خفی اخفیٰ کے بعد ایک خاص صورت اختیار کر لیتے ہیں اس مقام مقدسہ سے سلوک کے مقام کے اختتام تک فیض ہوتا ہے۔

اس کو یوں سمجھئے جیسے کوئی شخص معجون بنائے تو پہلے دواؤں کی صورت الگ الگ ہوتی ہے۔ مگر جب معجون تیار ہو جاتا ہے۔ تو اس کی لذت اور صورت و خواص اور ہی ہو جاتے ہیں اسی طرح سالک کے لطائف خمسہ عالم امر اور لطائف عالم خلق ایک دوسری

شکل وصورت اختیار کر کے عروج حاصل کر لیتے ہیں۔اس مقام میں تمام بدن کو عروج و نزول اور جذب نصیب ہوتا ہے۔اس کا معاملہ صرف فضل الٰہی پر منحصر ہے وہ ذات جسے چاہے عطا کر دے اور جس پر یہ نوازش ہوتی ہے اس پر کمالاتِ نبوت سے زیادہ انوارات کی بارش ہوتی ہے۔ یہ ایمان حقیقی کا مقام ہے۔ جو مثل خورشید خاور ہے۔ جو فلک نبوت پر طلوع ہوتا ہے۔ مقام کمالات رسالت میں ذوق وشوق کے بجائے بے مزگی و بے آرامی اور حلاوتِ وصل کے بجائے ملال اور ناکامی سالک کے حصے میں آتی ہے۔اس لئے جناب رسول اللہ ﷺ ہمیشہ فکر مند اور غمگین نظر آتے تھے۔

حدیث شریف:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دَائِمُ الْحُزْنِ وَ مُتَوَاصِلِ الْفِكْرِ۔

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ ہمیشہ غمگین اور فکر مند رہتے تھے"

اس پر دلیل ہے جب سالک مراقبہ کمالاتِ رسالت سے فیض حاصل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے علم سے بہرہ ور فرما کر اپنا اور اپنے انبیاء ومرسلین علیہم السلام کا نائب بنا کر لوگوں کو ہدایت دینے والا اور اپنی عظمت سے واقف کرانے والا بناتے ہیں۔

چھبیسواں مراقبہ : "نیتِ مراقبہ کمالاتِ انبیآء اولوالعزم علیہم السلام"

فیض می آید از ذات بیچوں کہ منشاءِ کمالاتِ انبیآء اولوالعزم علیہم السلام است بہ ہیئتِ وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

ترجمہ: فیض آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات سے جو منشاءِ کمالات انبیاء اولوالعزم ہے دائرہ کمالاتِ اولوالعزم علیہم السلام سے پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے پیر ومرشد کے ہیئت وحدانی پر وہاں سے فیض آتا ہے۔ میری ہیئت وحدانی پر۔

مقامِ کمالات رسالت کی سیر ختم ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل اور شیخ کامل و

اکمل کی توجہ سے بلند نصیبوں کو کمالاتِ انبیاء اولوالعزم علیھم السّلام میں سیر کرائی جاتی ہے یہ وہ مقام ہے جو سالک پر کمالاتِ رسالت کے انتہا میں کشف ہوتا ہے۔ اس مقام کے انوار و برکات و فیضان کمالاتِ رسالت سے بھی اعلیٰ ہوتے ہیں۔ اور یہاں ذاتِ بحت سے زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے اس مقام کا واصل شدہ ولی ایک جماعتِ اولیا کا سردار بن جاتا ہے اور طالبان حق اس کے حکم کی تعمیل کر کے فیض باطنی سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ جس طرح تمام مخلوقات میں انبیاء کرام علیھم السلام سب سے بہتر مخلوق ہیں۔

اسی طرح کل انبیاء کرام میں مرسلین کا درجہ بلند ہے اور ان میں بھی اولوالعزم مرسلین علیہ السّلام کے مقامات تو بیان سے باہر ہیں۔ اسی طرح اس مقام کے فیوض و برکات کا حال ہے۔ کمالاتِ نبوت اور رسالت اور کمالات اولوالعزم علیھم السّلام کی نسبت اس قدر لطیف ہوتی ہے کہ کمال لطافت کے سبب سالک یہ گمان کرتا ہے۔ کہ اس کی نسبت باطنی میں کوئی ترقی نہیں ہو رہی ہے۔ اس مرتبہ میں بھی بدرجہ اتم وصول ہی وصول ہے اس لیے سالک کی نظرِ وجدان میں نسبتِ باطنی نہیں آتی۔

اس مقام میں کشفِ اسرار مقطعات قرآنی اور متشابہاتِ فرقانی کا ہوتا ہے۔ بعض اکابر حبیب خدا ﷺ کی اتباع کی وساطت سے اسرار محبّ اور محبوبوں کے اس جگہ پر حاصل کرتے ہیں۔ اسرار حروف مقطعات بشر کی طاقت نہیں کہ تحریر کر سکے۔ البتہ سالک کا سینہ اس کا محل اور مظہر ہوتا ہے۔ عوام الناس کی طاقت نہیں۔ اگر یہ اسرار بیان ہو سکتے تو امام الطریقت حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ ہی بیان فرما دیتے اور کس کی مجال ہے۔

اس مقام عالیہ میں سالک کو اتباع سنت نبوی ﷺ کے سبب کمال وسعت نسبتِ باطنی اور بے کیفی و بے مزگی اور یاس وحرماں حصہ میں آتے ہیں۔ حالانکہ اس مقام میں

سالک کا باطن کثرت تجلیات ذاتیہ وانوارِ لامتناہیہ کے ورود سے بھر جاتا ہے۔ اس مقام کی نسبت سابقہ جملہ مقامات کی نسبت سے بلند تر ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مقام کی کمال لطافت و بے رنگی اور بے کیفی کی وجہ سے ممکن ہے سالک یہاں کی نزدیکی سے دوری پسند کرے۔

مراقبات کمالاتِ نبوت و رسالت کے بعد یہ مراقبہ اس لیے کرایا جاتا ہے کہ سالک کی سابقہ کیفیات میں ترقی ہو اور وہ ایک ممتاز کیفیت کا حامل بن جائے۔

سلوک نقشبندیہ مجددیہ سے متعلق اولوالعزم مرسلین علیہ السلام میں حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اور حضور پُر نور سرور کائنات ﷺ ہیں۔ جن کے حالات سے کون واقف نہیں۔ اس مراقبہ میں سالک کو ان اولوالعزم مرسلین علیہم السلام کے شامل حال بارگاہ ایزدی کے لئے انتہا فضل وکرم سے بہرہ ور کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی اس مراقبہ کا مقصود ہے۔ یہ امر شک سے بالاتر ہے کہ ہر منزل و مقام کی ترقی فضل الٰہی کے بغیر ناممکن ہے۔

لیکن اعمال خیر، اذکار واشغال اسباب کی مانند اور کدورت بشری کے ازالہ میں مفید و موثر ہیں لیکن اس مرتبہ سے سلوک کے اختتام تک ترقی کا معاملہ صرف خدا کے فضل اور پیر و مرشد کامل واکمل کی توجہات پر منحصر ہے۔ پھر بھی اذکار کے ساتھ تلاوت قرآن مجید و نماز بطول قیام وقرآت ترقی کے لیے مددگار ہوتے ہیں۔ اور اس فیضان کا وصول مکمل طور پر شیخ کامل کی عنایات وتوجہات پر مبنی ہے۔ اس لیے کہ پیر کامل کی عنایات میں حق سبحانہٗ تعالیٰ کے افضال واکرام اور الطاف بھی شامل ہوتے ہیں۔

یک لحظ عنایت تو اے بندہ نواز
بہتر زہزار سالہ تسبیح و نماز

یعنی "اے بندہ نواز آپ کی ایک لمحہ کے لئے عنایت ہزار سالہ تسبیح ونماز سے بہتر ہے"

ستائیسواں مراقبہ : "نیت مراقبہ حقیقتِ کعبہ ربانی "

فیض مے آید از ذاتِ بیچون کہ مسجود جمیع ممکنات است ومنشاء حقیقتِ کعبہ ربانی است بہ ہیئتِ وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمتہ اللہ علیھم اجمعین

ترجمہ: فیض آتا ہے اس ذات سے جو جمیع ممکنات کی مسجود ہے اور حقیقت کعبہ ربانی کی منشاء ہے پیران کبار رحمتہ اللہ علیھم اجمعین کے واسطے سے میرے پیر ومرشد کی ہیئت وحدانی پر وہاں سے فیض آتا ہے۔ میری ہیئتِ وحدانی پر۔

حقیقت کعبہ حق سبحانہ' تعالیٰ کی عظمت وکبریائی کے ظہور کو کہتے ہیں۔ جو در حقیقت مسجودلہ' جمیع الممکنات ہے اس مقام میں سالک کو عظمت وکبریائی کی تجلی شہود ہوتی ہے۔ جس کا تعلق ذات مجردہ سے ہے۔ جس کی وجہ سے وہ دریائے ہیبت وجلالِ خداوندی میں غرق ہو جاتا ہے۔ اس مقام میں حقائق الٰہیہ کی نسبتِ عالی سالک کے ادراک میں آجاتی ہے۔ جو کمالاتِ ثلاثہ (کمالات نبوت، رسالت، اولوالعزم علیھم السّلام) کے مقابلہ میں لطیف تر اور بہت ہی بے رنگ ہے جب کمالات ثلاثہ میں سالک کو فناء وبقا حاصل ہوتی ہے۔ اور ان مقامات کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہوتا ہے۔ تو اس کا اخلاقِ حمیدہ ہو جاتا ہے اور سالک کے وجدان میں ایک قسم کی ایسی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ جس کے باعث مقامات فوقانی کا بھی اسے ادراک ہو جاتا ہے۔

مرتبہ کمالات اولوالعزم علیھم السّلام کے بعد سالک کو حقیقتِ کعبہ کی سیر نصیب ہوتی ہے۔ سالک کو جب فناء وبقا حاصل ہوتی ہے۔ تو وہ سمجھتا ہے۔ کہ تمام مخلوق میری ہی عبادت کر رہی ہے۔ جیسے اگر کسی بادشاہ کے پاس کوئی خادم کھڑا ہوا اور جو بھی دربارِ شاہی میں آئے اور بادشاہ کو سلام کرے تو خادم کو ایسا معلوم ہوگا۔ کہ سب آنے جانے والے اسی کو سلام کر رہے ہیں۔ اس مقام میں سالک کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ کہ تمام

مخلوق اسی کی عبادت میں مشغول ہے۔ حالانکہ وہ عبادت ذات تبارک وتعالیٰ کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ سلام بادشاہ کیلئے ہوتا ہے۔ سالک کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور ممکنات کی توجہ اپنی طرف نہ سمجھے ورنہ سخت گمراہی ہوگی۔ یہ وہ مقام ہے جہاں اسماء و صفات اور اعتبارات کو بھی باوجود کمال محرم راز ہونے کے اس شان سے متصف ہونے کا دخل نہیں۔

اس مقام میں سالک پر دائمی ذاتی تجلیات ہوتی ہیں جس سے اسکی نسبت باطنی میں بے حد ترقی ہوتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں۔ کہ کاملین کو حضور پر نور ﷺ کے طفیل اپنی عظمت و کبریائی سے روشناس کر کے بارگاہ قدس کا محرم بنایا جاتا ہے۔ جس کے باعث ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ پیش آتا ہے۔ جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ پیش آتا ہے۔ خانہ کعبہ جو بظاہر ہمارا قبلہ اور مسجود لہ ہے۔ یہ اسی حقیقت کعبہ کا صوری ظلی مظہر ہے ظاہر ہے کہ صورت کو حقیقت کے ساتھ اور ظل کو وصل کے ساتھ ایک نسبت ہوتی ہے۔ لہٰذا جو چیز ہمارے لئے قبلہ حقیقی اور مسجود لہٗ ہے وہ کعبہ صوری نہیں ہے بلکہ وہ حقیقت ہے جو ذات بے چون و بے چگون ہے اور اس مقام کعبہ سے مناسبت اور تعلق رکھتی ہے۔ اس مقام میں براہِ راست ذات الٰہی سے فیض حاصل ہوتے ہیں لیکن اس بلند و بالا مقام کا حصول پیر و مرشد کی توجہ کے بغیر نا ممکن ہے۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللہ۔

اٹھائیسواں مراقبہ : "نیت مراقبہ حقیقت قرآن مجید"

فیض مے آید از وسعتِ بیچون حضرت ذات کہ منشاءِ حقیقت قرآن مجید است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

ترجمہ: فیض آتا ہے وسعتِ بیچون حضرت ذات حق تعالیٰ سے کہ منشائے حقیقتِ قرآن مجید ہے پیرانِ کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے پیر و مرشد کی ہیئت و

حدانی پر وہاں سے فیض آتا ہے۔ میری ہیئت وحدانی پر۔

حقیقتِ قرآن مجید ذات تبارک وتعالیٰ کے صفت العلم سے تعلق رکھتی ہے جوظہور عالم سے خدائے تعالیٰ کو حاصل تھا۔ حقیقت کعبہ کی سیر ختم ہونے کے بعد سالک اس مقامِ مقدسہ کی سیر سے مشرف ہوتا ہے۔ حقیقت قرآن مجید سے مراد حضرتِ ذات کی بے چونی و بے کیفی کی وسعت وفراخی کا ابتدائی مرحلہ ہے۔ اور حضرت ذات سبحانہٗ تعالیٰ کی وسعت اسی مقام سے مشہود ہوتی ہے۔ یعنی وہ حالات وکیفیات ظاہر ہوتے ہیں جو وسعت سے مشابہت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید کے مخفی راز اسی مقام سے آشکار ہوتے ہیں کلام اللہ کا ہر حرف معرفت اور علم وفضل کا بحرِ بے کنار معلوم ہوتا ہے۔ جو کعبہ مقصود کا موصل ہے ہر حرف سے تجلی کی چمک عرش مجید تک پہنچتی ہے اور اس تجلی کے نور سے سالک کو عالم ملکوت، عالم جبروت اور عالم لاہوت کی سیر نصیب ہوتی ہے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں سے کلام فرماتے ہیں اور سالک کو بھی شرف تکلم نصیب ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت سے اس مقام پر سالک کیلئے عجیب وغریب اسرار ورموز کا کشف ہوتا ہے۔ مختلف واقعات کی حقیقت اور اوامر ونواہی کے محل وقوع ظاہر ہوتے ہیں۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی قدرت وحکمت کے گوہر ہائے گرانمایہ آشکار ہوتے ہیں نبی نوع انسان کی ہدایت وراہنمائی کیلئے پند ونصائح اور قصص وحکایات انبیاء علیہم السلام او راحکام شریعت کے ارشادات کے معارف اور حقائق سالک پر منکشف ہوتے ہیں۔ بو قت تلاوت قرآن مجید سالک کی زبان شجرہ موسوی کا حکم رکھتی ہے سالک کا تمام قالب زبان کے مثل ہوجاتا ہے۔

گویا زبان قاری سے حق سبحانہٗ تعالیٰ کلام فرماتے ہیں اور یہاں قدرت کاملہ اوراسرار بالغہ ظہور میں آتے ہیں۔ اس مقام میں سالک کو اس درجہ بلندی نصیب ہوتی ہے۔ کہ حقیقت قرآن کی نسبت سب پر غالب رہتی ہے۔ اور کمالات نبوت ورسالت

اولوالعزم اور نسبت حقیقت کعبہ سب نیچے رہ جاتے ہیں۔

قرآنِ مجید عالم بالا میں کہیں نور اور کہیں نورِ علیٰ نور ہے۔ اس کی موجودہ صورت حالاتِ عالم ناسوت کی ضرورت کے تحت ہے۔ انوارِ قرآن مجید کے انکشاف کی علامت یہ ہے کہ سالک کے باطن پر ایک بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ اور اس پر احکام الٰہی کے اسرار اور رموز اور اوامر ونواہی ظاہر ہوتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مرتبہ علیاء حقیقت کعبہ ربانی کے بعد ہر مقام پر حقیقتِ قرآن کا بیان ہے۔ کعبہ معظمہ بحکم قرآن مجید قبلہ آفاق ہو کر دولت مسجودیت سے مشرف ہوا ہے۔

انسان جس طرح علم الٰہی کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کے رموز ومطالب کا احاطہ کرنے سے معذور ہے۔ اس لیے اس مراقبہ میں سالک پر ان باطنی کیفیات کے وارد کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس مرتبہ مقدسہ میں حروف مقطعات متشابہات قرآنی کے اسرار سالک پر کھلتے ہیں۔

اگرچہ یہ مرتبہ آنحضرت ﷺ کے لیے مختص ہے لیکن آپ ﷺ کی اتباع کامل کے باعث آپ ﷺ کے پس خوردہ میں سے سالک کو بھی کچھ حصہ مل جاتا ہے۔ جو اس کی انتہائی خوش بختی کا موجب ہے۔

انتیسواں مراقبہ : "نیتِ مراقبہ حقیقتِ صلوٰۃ"

فیض می آید از کمال وسعت بیچون حضرت ذات کہ منشاءِ حقیقت صلوٰۃ است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمتہ اللہ علیھم اجمعین

ترجمہ: فیض آتا ہے کمال وسعت بیچوں حضرتِ ذات سے کہ منشاءِ حقیقت صلوٰۃ ہے پیران کبار رحمتہ اللہ علیھم اجمعین کے واسطے سے میرے پیرومرشد کی ہیئت وحدانی پر وہاں سے فیض آتا ہے۔ میری ہیئت وحدانی پر۔

نماز ایک رابطہ قدسی ہے جو عبد کو معبود سے ملاتا ہے۔ اور انوار ربوبیت و معبودیت مطلق سے عبد واصل کو مالا مال کرتا ہے۔ معبودیت کے ساتھ عبدیت کا لطیف تعلق اور سربستہ راز اور اس مرتبہ کی رفعت و بے مثالی اسی مقام سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور پتہ چلتا ہے کہ بارگاہ احدیت سے جناب نبی کریم ﷺ کو عبدہٗ کے خاص خطاب سے کیوں مخاطب فرمایا گیا تھا۔ اور سرور کونین ﷺ کی ہر ادا سے کس طرح کمال عبدیت کا ظہور ہوتا تھا۔ یہ عبدیت نماز کامل ہی سے نصیب ہوتی ہے۔

مرتبہ حقیقت قرآن مجید کی سیر کے بعد اللہ کے فضل سے سالک مقام حقیقتِ صلوٰۃ میں سیر حاصل کرتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے۔ جہاں سالکوں کے سیر قدمی کی انتہا ہے۔ اس مقام میں سالک پر نماز کی حقیقت کھلتی ہے۔ اور انوار و برکات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اسے حق سبحانہٗ تعالیٰ سے انتہائی قربت حاصل ہوتی ہے۔ جس میں اللہ اور بندہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں رہتا۔ اس مقام کی وسعت و بلندی احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ اس لیے کہ حقیقت کعبہ ربانی اس مقام کا ایک جز و اور حقیقت قرآن مجید دوسرا جز و ہے۔

یہ نماز ہی ہے جو بندگان الٰہی کیلئے بطور تحفہ عالم قدس سے محبوب خدا ﷺ کے سفر معراج کی یادگار ہے۔ اور مقام قرب محمدی ﷺ و احمدی ﷺ سے بھیجی گئی ہے۔ اسی سے اس کی جامعیت اور مقبولیت کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ تحفہ کس کا ہے۔ کس مقام سے آیا ہے۔ اور کون لایا ہے۔ امام الطریقت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز تمام عبادات کی جامع ہے۔ اور جز و ہے عبادات کا جس نے کل کا حکم پیدا کر لیا ہے۔ جامعیت کیوجہ سے اور یہ دیگر تمام اعمال قرب سے برتر ہو گئی ہے۔ اسی لیے حضور پُر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ اور اَقْرَبُ مَایَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِیْ فِی الصَّلٰوۃ۔

آنحضرت ﷺ کی کامل اتباع کرنے والوں کو اس دولت کا بہت زیادہ حصہ نماز میں نصیب ہو جاتا ہے۔ اگر نماز کا حکم نہ ہوتا تو چہرہ مقصود کو بے نقاب کون کرتا۔ اور طالب کو مطلوب کی طرف کون رہنمائی کرتا۔ مومنوں کے حق میں معراج کا مقام نماز ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اور معراج کی حقیقت رویت الٰہی ہے۔ جس سے شب معراج میں آنحضرت ﷺ اس عالم سے اُس عالم میں پہنچ کر مشرف ہوئے تھے۔

جس سالک نے اس حقیقت مقدسہ سے کچھ بھی سکون حاصل کیا ہے۔ وہ نماز میں اپنے محبوب حقیقی کا جلوہ دیکھتا ہے۔ درمیان میں کوئی حجاب حائل نہیں ہوتا۔ اور نمازی اپنے محبوب معبودِ حقیقی کے دیدار کی خوشی میں والہانہ طور پر نماز کی ادائیگی میں مشغول ہو جاتا ہے۔ تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں جہان سے بیگانہ ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگاتا ہوا اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں پہنچ جاتا ہے۔ اور بارگاہ جل جلالہٗ کی عظمت و کبریائی کے مدنظر خود کو ذلیل و ناچیز خیال کر کے محبوب حق پر قربان ہو جاتا ہے اور قرات کے دوران وجودِ موہوب سے جو عالمِ ناسوت کے لائق ہے موجود ہو کر حق تعالیٰ سے متکلم اور مخاطب ہوتا ہے۔ اس وقت سالک کی زبان شجر موسوی بن جاتی ہے۔ جب رکوع میں غایت درجہ کا خشوع ہوتا ہے۔ تو اور زیادہ قرب کے ساتھ ممتاز ہو جاتا ہے۔ تسبیح کہتے ہوئے ایک خاص کیفیت سے حظ اٹھاتا ہے۔ تو حمد و ثناء کرتا ہوا قومہ کرتا ہے۔ اور دوبارہ اللہ تبارک تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ کہ قیام سے سجدہ میں جانا موجب کمال عجز و انکسار ہے۔ جبین عجز و نیاز روبروئے مالک حقیقی اور سر عبودیت مقصودِ حقیقی کے سامنے رکھ کر طالبِ وصل ہوتا ہے کہ ساری نماز کا خلاصہ سجدہ ہی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ کہ سجدہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے دونوں قدموں میں سجدہ کرتا ہے۔ چونکہ قرب سجدہ سے خیال تھا کہ مطلوبِ حقیقی کا وصل میسر آیا۔ اس لیے اللہ اکبر کہتا ہوا جلسہ میں بیٹھ گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہیں کہ میں ان

کی کامل طور پر عبادت کر سکوں اور پوری طرح معبودِ حقیقی کا قرب حاصل کر سکوں ۔ پھر دو بارہ سجدہ کرتا ہے ۔ تا کہ اور زیادہ قرب حاصل کروں ۔ اس کے بعد تشہد میں بیٹھ کر اس نعمتِ قرب کے احسان و اکرام پر جناب باری تعالیٰ میں شکر بجا لاتا ہے ۔ کلمہ شہادت پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سارا قرب توحید و رسالت کی تصدیق اور اقرار کے بغیر ناممکن ہے پھر درود شریف اس لیے پڑھتا ہے ۔ کہ یہ تمام نعمتیں آنحضرت ﷺ کے طفیل حاصل ہوئی ہیں ۔ اور درودِ ابراہیمی اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ ادائے نماز کے وقت محبوب حقیقی کے ساتھ خلوت میسر آتی ہے ۔ ہم نشینی خاص خصوصیت کے ساتھ صرف حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السّلام کا مقام ہے اس لیے اس مقام کی نسبت درودِ ابراہیمی علیہ السّلام پڑھ کر حاصل کرتا ہے ۔ نماز کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اہل دنیا کے اوزان کے ذرہ ذرہ کے برابر آخرت میں اجر و ثواب سے نوازے جائیں گے ۔ لیکن نماز کا اجر ان سے کہیں زیادہ ہوگا ۔

تیسواں مراقبہ : "نیت مراقبہ معبودیت صرفہ"

فیض مے آید از حضرت ذات بیچوں کہ منشاء معبودیت صرفہ است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

ترجمہ: فیض آتا ہے حضرت ذاتِ بیچوں سے کہ منشاء معبودیت صرفہ ہے پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطہ سے میرے پیر و مرشد کی ہیئتِ وحدانی پر اور وہاں سے فیض آتا ہے میری ہیئت وحدانی پر ۔

حقیقتِ صلوٰۃ کی سیر کے بعد سالک کو معبودیتِ صرفہ کے عالی مقام میں سیر کرائی جاتی ہے ۔ یہاں راس خیال سے مراقبہ کیا جاتا ہے ۔ کہ اس ذات سے جو معبودیتِ صرفہ ہے بواسطہ حضرتِ پیر و مرشد میرے ہیئت وحدانی پر فیض آتا ہے ۔ اس مقام میں روحانی نظری سیر ہوتی ہے ۔ چنانچہ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ کو "قف یا

محمد ﷺ " کا جو حکم دیا گیا وہ اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ سیر قدمی کی انتہا ہے۔ یہاں سِرِ کلمہ **لا معبود الا اللہ** کا ظہور پاتا ہے۔ اگر غیر اللہ کی نفی ثابت ہو کر معبود حقیقی کے علاوہ کسی اور کا مستحق عبادت نہ ہونا پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کلمہ طیبہ **لا الٰہ الا اللہ** کے معنی مبتدیوں کے لیے لا مقصود **الا اللہ** متوسلین کے لیے **لا معبود الا اللہ** اور منتہیوں کے لیے **لا مشہود الا اللہ** معلوم ہو جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر قسم کی عبادت کا حق سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہٗ کے اور کسی کو حاصل نہیں اگر چہ وہ اسماء و صفاتِ الٰہیہ ہی کیوں نہ ہوں۔ اس مقام میں ہر قسم کے شرک کی جڑ ختم ہو جاتی ہے۔ معبودیتِ صرفہ میں سالک محسوس کرتا ہے۔ کہ اب تک اُس پر جن تجلیات کا ظہور ہو چکا ہے یہاں معاملہ اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے۔

اس مقام مقدس میں ترقی وحدتِ بصر کا نام ہے۔ اور اس میں کثرتِ نوافل ترقی کا سبب ہے۔ یہ حقائق الٰہیہ کی سیر کا آخری مقام ہے اس مرتبہ عالیہ کا حصول پیر و مرشد کی توجہ کے بغیر محال ہے۔

اکتسیواں مراقبہ : "نیت مراقبہ حقیقت ابراہیمی علیہ السلام"

فیض مے آید از حضرت ذات بیچون کہ محبِ صفات خود است و منشاء حقیقت ابراہیمی است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیرانِ کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: فیض آتا ہے۔ حضرت ذات بیچون سے کہ اپنی صفات سے محبت کرتی ہے۔ اور حقیقتِ ابراہیمی کا منشاء ہے پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میری ہیئت وحدانی پر فیض آ رہا ہے۔

یہ حقیقت ابراہیمی کا مقام ہے اس مقام کے بہت سے انوار و اسرار ہیں اس مقام عالی شان میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے خاص انس و قرب اس طرح پیدا ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو دوست رکھتا ہے۔ ویسے ہی اپنی صفات و افعال کو بھی

دوست رکھتا ہے۔ کمالاتِ صفاتی اور محبوبیتِ اسمائی کا ظہور حضرت ابراہیم علیہ السلام میں ہے یہاں سالک حقیقت ابراہیمی اور مقام خلت کی سیر کرتا ہے۔ اسی انس و موانست کا ظہور حقیقت ابراہیمی میں ہوا۔ اس لیے آپ کا لقب خلیل اللہ رکھا گیا۔ یہ مقام نہایت عجیب وغریب اور کثیر البرکات ہے۔ اس مقام کی نسبت کمالات ثلاثہ سے بھی زیادہ بلند وبالاتر اور وسیع ولطیف ہے۔ جمیع انبیاء کرام علیھم السلام اس مقام میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے تابع ہیں۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کو بھی اتباع ابراہیمی کا حکم دیا گیا ہے۔

جیسا کہ **اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا** سے ثابت ہے اور درودِ ابراہیمی اس پر شاہد ہے۔ درودِ ابراہیمی کی کثرت اس مقام میں ترقی بخش ہے۔

اس مقام کے سالک کو اللہ جل شانہٗ کے ساتھ ایسا انس پیدا ہوتا ہے کہ وہ غیر اللہ کی طرف رخ نہیں کرتا اگرچہ وہ اسماء وصفاتِ الٰہیہ ہی کیوں نہ ہوں۔ نہ ہی وہ غیر سے مدد طلب کرنا پسند کرتا ہے۔ جیسا کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آتش نمرود میں ڈالا جا رہا تھا۔ آپ منجنیق سے چھوٹ چکے تھے۔ اور آگ میں گرنے کے قریب تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا۔ کیا ابراہیم علیہ السلام میری مدد کی ضرورت ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام تم خود آئے ہو یا کسی کے حکم پر جواب ملا کہ میں خود آیا ہوں آپ علیہ السلام نے فرمایا! مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اللہ تعالٰی سے عرض کروں آپ علیہ السلام نے فرمایا!

اللہ تعالٰی کو میرے اِس حال کی خبر ہے۔ اس لیے اِس کی بھی ضرورت نہیں تم میری راہ سے ہٹ جاؤ ایسے نازک وقت میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت قرب وانس کا پتہ چلتا ہے۔ بالآخر آپ آگ میں جھونک دیئے جاتے ہیں۔ اس کے

بعد کا واقعہ تو سب کو معلوم ہی ہے کہ آتش نمرود نے گلزار ابراہیمی علیہ السلام کی شکل اختیار کر لی سالک کو اس مقام میں اسی نسبتِ ابراہیمی علیہ السلام سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ اس عالی مقام میں جو کیفیت حاصل ہوتی ہے وہ دوسرے مقامات میں کیفیت وخصوصیت حاصل نہیں ہوتی۔

اگرچہ یہ فضل جزوی ہوتا ہے۔ اور اس مقام میں محبوبیتِ صفاتی جلوہ گر ہوتی ہے اور حقیقتِ محمدی ﷺ واحمدی ﷺ میں محبوبیت ذاتی ہے۔ محبوبیتِ صفاتی مثلِ خط و خال اور قد و عارض ہے اس لیے اس مقام میں زیادہ بے رنگی نہیں جبکہ ذاتی محبوبیت کا مقام بہت بلند ہے۔

بتیسواں مراقبہ : "نیتِ مراقبہ حقیقتِ موسویؑ"

فیض ے آید از حضرت ذاتِ بیچون کہ محبّ ذاتِ خود است ومنشاء حقیقتِ موسویؑ است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیرانِ کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: فیض آتا ہے۔ اس ذات پاک سے کہ محبّ ذات ہے اور منشاءِ حقیقتِ موسویؑ ہے پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے پیر و مرشد کی ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے۔ اور وہاں سے فیض آتا ہے میری ہیئت وحدانی پر۔

اللہ تعالیٰ کی شان۔ **صحبیّت** یعنی اپنی ذات سے محبت ودوستی جو حقیقتِ موسویؑ کے نام سے متصف ہے اس مقام میں بھی عجیب وغریب کیفیات سالک کے باطن پر وارد ہوتی ہیں۔ اور سالک کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کمال درجہ محبت پیدا ہوتی ہے یہ اسی کمال محبت کا تقاضا تھا کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: "رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ"

ترجمہ :"اے میرے پروردگار تو مجھے اپنی ذات کا جلوہ دکھا تاکہ میں تیری طرف دیکھوں"

محبّ صادق سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو شوق دیدارِ الٰہی نے بے چین و بے قرار کر

رکھا تھا۔ کہ کسی طرح اپنے محبوبِ حقیقی کا دیدار پردۂ ذاتِ مطلق کے بغیر ہونا چاہیے۔
اور ذات باری تعالیٰ کا ارشاد ہوتا رہا:

"لَن تَرَانِی"

"اے موسیٰ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا"

اس میں راز یہ تھا کہ ذاتِ مطلق کا دیدار محبوب ذات مطلق سید المرسلین آنحضور ﷺ کے لئے مختص ہو چکا تھا۔ اور ذاتِ مطلق سے ہمکلام ہونا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حصہ تھا جس سے آپ علیہ السلام بہرہ ور تھے۔ عادت اللہ کے تحت اس میں تبدیلی ممکن نہ تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے مسلسل اصرار اور اظہار محبت کے جواب میں چالیس دن کوہ طور پر گزارنے کا حکم آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعمیل کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے انگوٹھے کے پورے برابر اپنی ذات کی تجلّی کوہ طور پر فرمائی جس کے دیکھتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام جذب محبتِ الٰہی میں بے ہوش ہو گئے۔ اور کوہ طور تجلی کی تاب نہ لاکر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حُبِ ذات کا ثبوت ہے۔ ہر محبّ جاں نثار پر لازم ہے کہ سوائے محبوب حقیقی کے کسی اور کے ساتھ دلی تعلق نہ بڑھائے کہ کمالِ محبت کا یہی تقاضا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مقام محبّ ذات خاص پر فائز ہیں جس خوش نصیب کو چاہتے ہیں یہ مقام نعمت عظمےٰ عطا فرما دیتے ہیں اس مقام میں سالک کامل رضا وتسلیم کے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ بلکہ اسے مصائب ومشکلات میں بھی وہی لذت نصیب ہوتی ہے۔ جو آرام وآسائش میں ہوتی ہے۔

تینتیسواں مراقبہ : "نیتِ مراقبہ حقیقتِ محمدی ﷺ"

فیض مے آید از حضرت ذات بیچون کہ محبّ ذاتِ خود است ومحبوب ذات خود است ومنشاء حقیقت محمدی ﷺ است بہ ہیت وحدانی من بواسطہ پیرانِ کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

ترجمہ: فیض آتا ہے ذات پاک سے کہ محب و محبوب ذات خود ہے او حقیقت محمدی ﷺ کا منشاء ہے پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے پیر و مرشد کی ہیئت وحدانی پر اور وہاں سے فیض آتا ہے میری ہیئت وحدانی پر۔

جب سالک مقام حقیقتِ محمدی ﷺ میں فناء و بقاء بدرجہ اُتم حاصل کر لیتا ہے۔ تو حبیبِ خدا ﷺ کے ساتھ ایک خاص قسم کا رابطہ و تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ اور سالک بطفیلِ سید عالم ﷺ کامل مشابہت کے مرتبہ پر پہنچتا ہے اور تابع و متبوع دونوں کے ایک ہی چشمہ سے سیراب ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ اس مقام کے راز بیان کرنا ممکن نہیں۔ ان حالات میں آنحضرت ﷺ سے ایک خاص محبت پیدا ہوتی ہے۔

اور حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کا قول واضح ہو جاتا ہے۔ کہ "خدائے عزّ و جل کو میں اس لیے دوست رکھتا ہوں کہ وہ حضرت محمد ﷺ کا خدا ہے" یہ قول حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ صاحب نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ وفور جذبات محبت میں فرمایا ہے اور اس مقام کی خصوصیات دینی و دنیاوی معالات میں بلکہ جملہ حرکات و سکنات میں نبی کریم ﷺ کی کامل اتباع ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہر شعبہ زندگی میں سید المرسلین حضور پر نور ﷺ کی مکمل و اکمل اتباع کیا کرتے تھے۔ اسی اتباع سنت نبوی ﷺ کی برکت اور فیضان تھا کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی مجالس مبارک میں جب جنت و دوزخ اور دیگر غائبات کا ذکر ہوتا تو یوں معلوم ہوتا تھا۔ کہ ہم ان غائبات کا مشاہدہ کر رہے ہیں سالک پر اس مرتبہ میں یہی کیفیات اور واردات ہوتی ہیں۔ یہ مقام آنحضرت ﷺ کیلئے مخصوص ہے۔ اور آپ ﷺ کی اتباع کامل کی بدولت عطا ہوتا ہے۔ اس مقام میں **صحبیت** اور محبوبیت کا امتزاج ہے اس لیے سالک سے بھی آثار فریفتگی و محبت ظاہر ہوتے ہیں۔ محب و محبوب خود اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات سے

انس ومحبت کو درجہ کمال پر پہنچانے کے لیے یہ مراقبہ کرایا جاتا ہے۔ اس مراقبہ کی بدولت سالک محبّ ومحبوب بن جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ "یہ مقام جامع حقائق انبیاء اور جامع کتب آسمانی کے اسرار کا ہے اگر میں **محمد** ﷺ کے معنے اس جگہ بیان کروں تو ظاہر علم والے جن کو اس حقیقت سے حصہ نہیں ملا کیا کہیں گے۔ اور بے علم صوفی مشرک ہو جائیں گے۔ اے دل یہ حال ہے قیل وقال نہیں اسے اندر ہی رکھ۔ اہل کو دے نا اہل سے چھپا"

اس مقام میں جس کسی کو رسوخ ہو وہ بواسطہ اتباع پیغمبر آخرالزمان آنحضور ﷺ کے ہے ایسے لوگوں کی مجلس بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مجلس جیسی ہوتی ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد حاضر رہتے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم فرماتے ہیں۔

" کہ جس وقت ہم محفل مقدس رسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوتے تھے۔ تو اس وقت ہماری یہ حالت ہوتی تھی کہ گویا ہماری آنکھیں خدا تعالیٰ کو دیکھ رہی ہیں"۔

اس مقام کا یہ حال ہے کہ مقام بے مثل وبے مثال ہے اور کمال یہ ہے۔ کہ اس مقام کیلئے بھی پیر ومرشد ہی کی نظر باطن صفا بیک جنبش نظر مقامات طے کرا سکتی ہے۔ **اِلّا مَا شاءَ الله** ۔

چونتیسواں مراقبہ : "نیت مراقبہ حقیقت احمدی ﷺ"

فیض مے آید از حضرت ذات بیچون کہ محبوبِ ذاتِ خود است ومنشاء حقیقت احمدی ﷺ است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیرانِ کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

ترجمہ: فیض آتا ہے۔ اس ذات پاک سے کہ محبوب اپنا ہے او رمنشائے حقیقتِ احمدی ﷺ کا ہے پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے پیر ومرشد کی ہیئت وحدانی پر اور وہاں سے فیض آتا ہے میری ہیئت وحدانی پر۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور پُر نور ﷺ کے دو مبارک نام ہیں۔ محمد ﷺ اور احمد ﷺ ان دونوں اسماء مبارک کی صراحت قرآن پاک میں اسطرح موجود ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ اور دوسرے مقام پر

"وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ"

ان دونوں اسمائے مبارکہ کی شان جدا جدا ہے شان محمدی ﷺ کا تعلق اگرچہ محبوبیت ہی سے ہے لیکن اس میں **صحبیت** کا امتزاج بھی ہے۔ محبوبیت خالص نہیں اور شان احمدی ﷺ اعلیٰ وارفع ہے شان محمدی ﷺ سے اور خالص محبوبیت کا مقام ہے۔ اس لیے محبّ کو مرغوب تر ہے۔ کہ مطلوب سے قریب تر ہے۔ محبوب محبوبیت میں جس قدر کامل ہوگا اسی قدر محبّ کی نظر میں زیادہ عزیز ہوگا۔

مزید برآں فرمایا کہ حقیقت اِحمدی ﷺ اور حقیقت کعبہ بعینہٖ ایک ہی ہیں۔ حقیقتِ کعبہ کا تعلق حقائق الٰہیہ سے ہے اور حقیقتِ احمد یہ ﷺ حقائق انبیاء علیہم السلام سے ہے۔ بزرگ اولیاء اللہ نے اس کی تصدیق یوں فرمائی ہے کہ جب سیر نظری اس مقام کی کھلی تو امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ کا بیان عالی شان درست نظر آیا۔ کیونکہ ظہورِ حقیقت کعبہ میں جو کبریائی اور عظمت ہے یہی خاصہ محبوبیت کا ہے اور محبوبیت و مسجودیت دونوں آنحضرت ﷺ کے شایانِ شان ہیں۔

مقام خلت یعنی محبوبیت صفاتی کا تعلق ظاہری حسن و جمال سے ہے۔ حقیقتِ احمدی ﷺ میں محبوبیتِ ذاتی کا کشف ہوتا ہے۔ محبوبیت ذاتی سے مراد یہ ہے۔ کہ محبوب کی ذات ہی کمال وشدتِ محبت کا سبب ہو۔ یہاں ذاتِ محبوب میں وہ شان و ادا ظاہر ہوتی ہے۔ جس پر محبوبیتِ صفاتی بھی قربان ہے۔ یہ ایک ذاتی کیفیت ہے۔ اور ذوق کے بغیر سمجھ میں نہیں آتی۔

فناء وبقاء دو قسم کی ہے۔ ایک وہ جو ولائیت کے درجات طے کرتے ہوئے

سالک کو حاصل ہوتی ہے۔ اس میں بشری صفات ختم نہیں ہوتیں جبکہ حقیقت احمدی ﷺ میں سالک کو جو فناء و بقاء نصیب ہوتی ہے۔ اس میں صفاتِ بشری معدوم اور جسمِ روح کی مماثلت پیدا کر لیتا ہے۔ اس مقام پر بھی بندہ بندہ ہی رہتا ہے۔ البتہ ذاتِ پاک جل شانہٗ کے قریب تر ہو کر معیتِ ذاتی سے مشرف ہو جاتا ہے۔ محبت ذاتی فناء کی علامت ہے۔ اور فناء سے مراد غیر اللہ کا فراموش ہو جانا ہے۔

جب سالک مکمل فناء حاصل کر لیتا ہے۔ تو وہ اللہ کا محبوب بندہ بن جاتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور پاک ﷺ کو اپنی محبوبیت کے جذب سے جسد مبارک کے ساتھ معراج کرایا اسی طرح ہر سالک کو اسی جذب سے اس کی حیثیت کے مطابق عروج عطا فرماتے ہیں۔

پینتیسواں مراقبہ : "نیتِ مراقبہ حُب صرف"

فیض مے آید از حضرت ذات بیچون کہ منشاء حُب صرف است بہ ہیئتِ وحدانی من بواسطہ پیرانِ کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: فیض آتا ہے اس ذات پاک کی طرف سے کہ منشاء حب صرفہ ہے پیران کبار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے پیر و مرشد کی ہیئت وحدانی پر اور وہاں سے فیض آتا ہے میری ہیئت وحدانی پر۔

یہ مقام ذات مطلق حق تعالیٰ اور مقامِ لاتعین سے قریب تر ہے۔ یہاں سالک کو سیر میں بے حد بلندی و بے رنگی آشکار ہوتی ہے۔ ذاتِ مطلق سے اولاً جو شانِ ظہور پذیر ہوئی وہ یہی شانِ حُبّ صرفہ ہے جس کو نورِ محمدی ﷺ کہا جاتا ہے۔ جو محوِ ذات تھا اور یہی شان ظہورِ کائنات کا منشاء و مدعا اور تمام مخلوق کی تخلیق کا سبب بنی۔

حدیث قدسی ہے: "اَنَامِنْ نُوْرِ اللّٰهِ وَ كُلُّ شَيْءٍ مِنْ نُوْرِيْ ٥"

ترجمہ: "میں اللہ کے نور سے ہوں اور ہر چیز میرے نور سے تخلیق کی گئی ہے"۔ یہ

بات تحقیق سے ثابت ہے کہ یہی حب صرف حقیقت احمدی ﷺ کا باطن ہے۔

چنانچہ احادیث قدسی ہیں۔ "لَوْ لَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَ فْلَاکَ"

ترجمہ: "یعنی اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا"۔

"لَوْ لَاکَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرَّ بُوْ بِيَّة"

ترجمہ: "اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا"

یہ مقام بھی جناب رسالت مآب ﷺ کے ساتھ مختص ہے۔ آپ ﷺ کا نورِ محبت خالص ہے اور آپ ﷺ ہی مظہر رب العالمین، رحمتہ اللعالمین اور رؤف رحیم ہیں۔ اور حدیث قدسی ہے۔

"مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَ الْحَقْ"

ترجمہ: "یعنی جس نے مجھے دیکھا تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔"

کا یہی شان نزول ہے۔ کائنات کے جملہ حقائق اور موجودات کو آپ ﷺ ہی کے نور سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ مرتبہ حب صرفہ، حقائق احمدی ﷺ ومحمدی ﷺ ایک دوسرے کے راز ہائے مخفی اور انوار کے پرتو ہیں۔ اور اس کی جامع حقیقت مقدسہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ یا یوں سمجھئے کہ آنخضرت ﷺ جسم و روح کے ساتھ حقیقت محمدی ﷺ کے مظہر ہیں اور آپ ﷺ کی پاکیزہ روح حقیقت احمدی ﷺ کی مظہر ہے اور آپ ﷺ کا نور حب صرفہ کا مظہر ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس مراقبہ میں خالص ذات پاک سے کسب فیض کیا جاتا ہے۔ یہ افعال وصفات الٰہی سے آگے کا مقام ہے۔ خالص ذات کی تجلیات کے نور سے سالک کو مکمل فنا کا مقام نصیب ہوتا ہے۔ اس پر کائنات کے ظہور اور اسکی حقیقت کے اسرار و رموز کا کشف ہوتا ہے۔ یہ تمام مقامات کا خلاصہ ہے اور حقائق انبیاء کا آخری مقام ہے یہاں انوارات کا کشف ہوتا ہے۔ یہ انتہائی قرب خداوندی کا مقام ہے۔

چھتیسواں مراقبہ : "نیتِ مراقبہ لاتعین"

فیض می آیداز ذات مطلق بیچون کہ موجوداست بوجود خارجی ومنزہ است از جمیع تعینات بہ ہیئتِ وحدانی من بواسطہ پیرانِ کبار رحمتہ اللہ علیھم اجمعین۔

ترجمہ: فیض آتا ہے۔ اس ذات مطلق بیچون سے کہ وجود خارجی کے ساتھ موجود ہے اور جمیع تعینات سے پاک اور منزہ ہے پیران کبار رحمتہ اللہ علیھم اجمعین کے واسطے سے میرے پیر و مرشد کی ہیئت وحدانی پر اور وہاں سے فیض آتا ہے میری ہیئت وحدانی پر۔

یہ وہ مقام ہے جو بے نام ونشان اور بے وہم وگمان ہے۔ اس مقام میں صرف ذات مطلق کی خاص تجلی جلوہ گر ہوتی ہے۔ بلکہ یہ مقام ذاتِ بحت ہی کیلئے مختص ہے اور امت محمدی ﷺ کے اولیائے کاملین کو اتباع نبوی ﷺ کے باعث یہاں سیر نظری نصیب ہوتی ہے۔ کیونکہ سیر قدمی روحانی کی ممانعت ہے اس لیے سیر نظری روحانی کی اجازت ہے۔ چونکہ ذات جل شانہ، کی کوئی انتہا نہیں اور بیچاری نظر محدود ہونے کے سبب حیران وسرگرداں ہے۔ یہ مقام خاص حضور سید الکونین ﷺ کیلئے مخصوص ہے۔

اس مقام میں اس طرح مراقبہ کرتے ہیں کہ اُس ذات سے فیض آتا ہے۔ جو تعینات سے مبرا ومنزہ ہے۔ پیر ومرشد کے واسطے سے میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے۔ سالک کو اس مقام سے جو فیض حاصل ہوتا ہے۔ وہ فہم وفراست سے بالاتر ہے۔ جب سالک کے لطائف سبعہ کا تزکیہ ہو جائے اور اس کے جسم نے روح کی مماثلت اختیار کرلی ہو اور ایک وجود سے مشرف ہوگیا ہو تو جناب رسول اللہ ﷺ کی کامل اتباع اور حضرت پیر ومرشد کی توجہات بابرکات کے باعث ایک حد تک فیضِ لاتعین کے شرف سے مشرف ہوتا ہے۔

حضرت مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ مقام لاتعین وہ مقام محبت ہے جس میں اللہ تعالیٰ صرف اپنی ذات سے محبت کرتا ہے۔ اس مقام کے اعتبار سے وہ

"اِنَّ اللّٰہ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعَا لَمِیْنَ o"

ترجمہ:"یعنی بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے غنی ہیں"

یہی کبریائی اور استغنا کا منشاء و مدعا ہے۔اس کمال بے نیازی سے تمام مقربین بارگاہ ذوالجلال میں ہمہ وقت لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔سب درگاہِ جلالت میں فضل وکرم کی امید پر سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں۔ بلکہ محبوب خداﷺ بھی یہی فرماتے ہیں کہ میں آپ کا بندہ ہوں آپ کے بندہ اور بندی کا بیٹا ہوں اور میری جان آپ کے قبضہ قدرت میں ہے۔اس طرح ذاتِ لاتعین سے کسب فیض کر کے سالک اپنے آپ کو اُن انوارات وتجلیات کے پرتو کی وجہ سے کائناتِ عالم میں لاتعین محسوس کرتا ہے۔

آدابِ مجلس (محفل)

مجلس میں دوسروں کو جگہ دینا:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَ اِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝" (المجادلة۔ ۱۱)

ترجمہ: "اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کھول دو تو تم جگہ کشادہ کردو اور اللہ تم کو کشادگی بخشے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کھڑے ہوا کرو جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے اور ان کے درجے بلند کرے گا اور اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے"

مجلس مشاورت میں حاضر ہونے کی ہدایت اور بغیر اجازت جانے پر پابندی:

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝" (النور۔ ۶۲)

ترجمہ "مومن تو صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائیں

اور جب بھی ایسے کام کیلئے جو اجتماعی طور پر کرنے کا ہو پیغمبر کے پاس جمع ہوں تو ان سے اجازت لیے بغیر چلے نہیں جاتے۔ اور بیشک جو لوگ آپ سے اجازت حاصل کرتے ہیں وہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں۔ سو جب یہ لوگ آپ سے کسی کام کیلئے اجازت مانگا کریں تو ان میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیا کریں اور ان کیلئے اللہ سے بخشش مانگا کریں کچھ شک نہیں کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے"

سرگوشی کرنا:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ وَ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰی ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ" (المجادلۃ۔ ۹)

ترجمہ: "اے ایمان والو! جب تم آپس میں سرگوشیاں (کان میں بات) کرنے لگو تو گناہ اور پیغمبروں کی نافرمانی کی باتیں نہ کرنا بلکہ نیک عمل کرنے اور پرہیزگاری کی باتیں کرنا اور اللہ سے جس کے سامنے جمع کیے جاؤ ڈرتے رہنا"

بُری مجلسوں میں شرکت کی ممانعت:

" وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ط وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۃ" (الانعام۔ ۶۷)

ترجمہ: "جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے بارے میں بیہودہ بکواس کر رہے ہیں تو ان سے الگ ہو جاؤ یہاں تک کہ اور باتوں میں مصروف ہو جائیں اور اگر (یہ بات) شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے پر ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو"

نیک کاموں کیلئے رازدارانہ مشوروں کی اجازت:

"لَا خَيْرَ فِي كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ط وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًاo" (النساء۔ ۱۱۴)

ترجمہ: "ان کے اکثر مشوروں میں کچھ بھلائی نہیں مگر جو حکم دے خیرات یا اچھی بات یا لوگوں میں صلح کرنے کا اور جو اللہ کی رضا چاہنے کو ایسا کرے اسے عنقریب ہم بڑا ثواب دیں گے"

حضور کریم ﷺ نے اپنے غلاموں کو آداب مجلس کی بھی تعلیم دی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اگر تم تین آدمی اکٹھے بیٹھے ہو تو تیسرے آدمی کو چھوڑ کر دو آپس میں سرگوشی نہ کرو" (صحیحین)

ابن مسعود سے مروی ہے اس میں اس کی حکمت بھی بتا دی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا! کہ جب تم تین آدمی بیٹھے ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو مشورہ نہ کرنے لگ جاؤ اس طرح وہ آدمی آزردہ خاطر ہو گا۔ وہ یہ خیال کرے گا کہ مجھے بیگانہ خیال کیا جا رہا ہے۔ یا ان کی نظروں میں میری کوئی عزت نہیں اور اگر اس آدمی کے پاس اور آدمی آکر بیٹھ جائیں تو پھر ان دو کی سرگوشی منع نہیں اب وہ آزردہ نہ ہو گا۔ (ضیا القرآن)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا! تم میں سے کوئی شخص کسی دوسرے کو مجلس سے اٹھا کر وہاں نہ بیٹھے بلکہ لوگ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اٹھتے لیکن آپ رضی اللہ عنہ ان کی جگہ نہ بیٹھتے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جب ہم نبی اکرم ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی وہیں بیٹھ جاتے (یہ حدیث حسن ہے)

حضرت ابو عبداللہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا!

"جو شخص جمعہ کے دن غسل کرتا ہے یا گھر سے خوشبو لگاتا ہے پھر (نمازِ جمعہ کے لیے) نکل پڑتا ہے دو آدمیوں کے طرف رجوع کرتا ہوں تو اس سے مجلس میں سرزد ہونے والے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں بہت کم ایسا ہوتا کہ نبی اکرم ﷺ اِن الفاظ کے ساتھ دعا مانگے بغیر مجلس سے تشریف لے جاتے۔ یا اللہ! ہمیں اپنے خوف سے حصہ عطا فرما جو ہمارے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے اور اطاعت سے جس کے ذریعہ ہمیں جنت پہنچا دے اور یقین جس کے ذریعے ہم پر مصائب دینا آسان کر دے یا اللہ! جب تک ہمیں زندہ رکھے ہمیں اپنے کانوں آنکھوں اور قوت سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرما۔ اور اسے ہمارا وارث بنا۔ ہمارا انتقام صرف ان لوگوں تک محدود کر دے جو ہم پر ظلم کریں دشمنوں کے مقابل ہماری مدد فرما دینی معاملات میں ہمیں مصائب میں مبتلا نہ کر اور دین کو ہمارا سب سے بڑا مقصد بنا اور بے رحم لوگوں کو ہم پر مسلط نہ کر۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا!

"جو لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیے بغیر مجلس سے اٹھ جاتے ہیں تو گویا کہ وہ مردار گدھے کی لاش پر سے اٹھتے ہیں اور ان کے لیے حسرت ہوگی"

ابو داؤد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا! جب کچھ لوگ مجلس کا انعقاد کرتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور بارگاہ رسالت ﷺ میں ہدیہ درود بھیجے بغیر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو وہ ان کے لیے باعث نقصان ہے اگر چاہے تو ان کو عذاب دے اور چاہے تو بخش دے" (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! جو شخص کسی جگہ بیٹھا (اور) وہاں اللہ کا ذکر نہ کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب میں ہے۔ اور جو کسی بستر پر لیٹ جائے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے وہ بھی عذاب الٰہی میں ہے۔

صحبت کے آداب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

"ھُوَالَّذِیۤ اَیَّدَ كَ بِنَصْرِہٖ وَ بِالْمُؤ مِنِیْن ۃ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْ بِہِمْ ہ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُو بِہِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَہُمْ ۃ" (سورۃ انفال پارہ ۱۰ آیت ۶۲،۶۳)

ترجمہ: "اللہ وہ ہے جس نے اپنی نصرت کے ساتھ تمہاری اور مومنوں کی مدد کی اور ان کے دلوں کو ملا دیا۔ اگر تم جو کچھ زمین میں ہے وہ سب کا سب خرچ کر ڈالتے تو تم ان کے دلوں میں باہمی الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے، یہ اللہ ہی ہے جس نے ان کے درمیان یہ الفت پیدا کی "

خداوند تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا! کہ اے داؤد! تم عزلت نشیں (تنہائی میں بیٹھنے والا) کیوں ہو؟ انہوں نے عرض کیا! بار الٰہی! میں نے تیری خاطر مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کی ہے۔

تب اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی!

"اے داؤد علیہ السلام تم بیدار اور ہوشیار رہو اور اپنے لیے دوست تلاش کرو اور جو دوست میری رضا کا خواہاں نہ ہو اس کو چھوڑ دو کہ وہ تمہارا دشمن ہے اور تمہارے دل کو پتھر کی طرح سخت بنا دے گا اور مجھ سے تم کو دور کر دے گا"

حدیث شریف میں آیا ہے:

"تم میں خدا کے محبوب بندے وہ ہیں جو لوگوں سے محبت کرتے ہیں"

صحبت اور بھائی چارہ حضرت سعید بن المسیبؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ نے رضائے الٰہی کے لیے اختیار کیا۔

فرماتے ہیں کہ محبت سے باطن کے مسامات کھل جاتے ہیں اور اس کے توسط سے انسان حوادث وعوارض کا علم سیکھتا ہے۔ صحبت اور اخوت کے توسط سے صرف تعاون اور ہمدردی کا جذبہ ہی پختہ نہیں ہوتا بلکہ قلب کے لشکر کو بھی طاقت پہنچتی ہے اور روحیں ایک دوسرے کی روحانی خوشبو سے عطر آگیں ہوتی ہیں اور ان کو آسودگی حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنے رفیق اعلیٰ ذات باری تعالیٰ کی طرف مل کر متوجہ ہوتی ہیں۔

فضائل صحبت : جب انسان کسی کی صحبت میں بیٹھنا چاہے جس کی محبت کی طرف وہ مائل ہے تو اس کے حالات کو شریعت کی میزان میں تولے اگر اس کے حالات باعتبار شریعت درست نظر آئیں تو وہ خود کو مبارکباد دے اور اگر وہ دیکھے کہ اس کے افعال نادرست ہیں تو خود کو ملامت کرے اور ایسے شخص سے اس طرح بھاگے جس طرح وہ شیر سے ڈر کر بھاگتا ہے۔

بزرگان سلف نے صحبت واخوّت فی اللہ کو پسند کیا ہے ان کی رائے میں اللہ تعالیٰ نے جب اہل ایمان کے درمیان اخوت پیدا کی تو اس کو اپنا احسان بتایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"وَ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا" (سورۃ آل عمران آیت ۱۰۳)

ترجمہ: "اور تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی طرف سے اپنے لیے اظہار محبت دیکھے تو اس کے ساتھ محبت کا تعلق استوار کرے۔ کیونکہ یہ محبت کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَا**

حِبِهٖ لَا تَحزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا " (سورۃ توبہ آیت ۴۰)

ترجمہ: " آپ جب نماز میں تھے تو دو میں سے ایک آپ ﷺ تھے اور اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے۔ غم نہ کھاؤ، اللہ ہمارے ساتھ ہے"

استاد امام ابوالقاسم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کے لیے صحبت ثابت کر دی تو یہ بیان کر دیا کہ آنحضرت ﷺ نے ان پر شفقت کا اظہار کیا۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

"اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا"

" گویا اپنے ساتھی پر شفیق ہوتا ہے"

صحبت کی اقسام

صحبت کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) اپنے سے اونچے درجے کی صحبت، درحقیقت یہ خدمت گزاری ہوتی ہے۔

(۲) اپنے سے کم درجے والے کی صحبت، اس صحبت کا تقاضا یہ ہے کہ بڑے رتبے والا اپنے ساتھی کے ساتھ شفقت اور رحمت کے ساتھ پیش آئے اور تابع کو چاہیے کہ وہ بڑے کی موافقت کرے اور اس کا احترام کرے۔

(۳) ہم پلہ اور ایک جیسے رتبہ کے لوگوں کی صحبت، اس کی بنیاد ایثار اور فتوت پر ہوتی ہے۔

پس جو شخص اپنے سے بڑے رتبہ والے شیخ کی صحبت میں رہے تو اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ ان پر کسی بات میں اعتراض نہ کرے اور جو بات ان سے ظاہر ہو اس کی اچھی توجیہہ نکالے۔ اور ان کے احوال پر ایمان رکھتے ہوئے انہیں قبول کرے۔

امام قیشری رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میں نے منصور بن خلف مغربی کو دیکھا۔ جب کسی نے ان سے یہ سوال کیا کہ آپ کتنے سال ابوعثمان مغربی کی صحبت میں رہے؟ منصور بن خلف نے ناراضگی سے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا! میں تو ان کی صحبت میں نہیں رہا بلکہ ایک مدت تک ان کا خادم رہا ہوں۔ اور جب تم سے کوئی کم درجہ والا تمہاری صحبت میں رہے تو اس کی صحبت کے لحاظ سے تمہاری طرف سے خیانت ہوگی۔ اگر تم اس کی حالت میں کسی قسم کی کمی پر اس کو تنبیہہ نہ کی۔

(۴) ابوالخیر تہاتی رحمتہ اللہ علیہ نے امام جعفر بن محمد بن نصیر رحمتہ اللہ علیہ کو لکھا۔ فقراء کی جہالت کا بار تم پر ہے کیونکہ تم نے اُن کو ادب سکھانے کی بجائے اپنے نفسوں کی طرف توجہ کی۔ جس کی وجہ سے وہ غافل رہ گئے۔ اور جب کوئی تمہارا ہم

مرتبہ انسان تمہاری صحبت میں رہے تو تمہارے لیے صحیح راہ یہ ہے کہ تم اُس کے عیوب سے آنکھیں بند کرلو۔ اور جو کام اس سے سرزد ہوں جہاں تک ممکن ہو سکے ان کی تم اچھی تاویل کرو۔ اور اگر تمہیں کوئی تاویل نہ ملے تو تم اپنے نفس کی طرف نگاہ کرو۔ اسی کو تہمت دو اور اسی کو ملامت کرو۔

(۵) کہا جاتا ہے کہ ایک شخص ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت میں رہا۔ جب وہ جدا ہونے لگا تو کہا اگر آپ نے مجھ میں کوئی عیب دیکھا ہو تو مجھے تنبیہ کر دیجیے ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا! میں نے تو تم میں کوئی عیب نہیں دیکھا۔ کیونکہ میں نے تمہیں دوستی کی نگاہ سے دیکھا اور میں نے تمہاری جو چیز دیکھی اُسے اچھا جانا۔ لہذا اپنے عیب کے متعلق کسی اور سے پوچھو اس معنی میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے۔

وَ عَيْنُ الرِّضَا عَنْ كُلِّ عَيْبٍ كَلِيْلَةٌ

وَلٰكِنَّ عَيْنَ السُّخْطِ تُبْدِي الْمَسَاوِيَا

دوستی کی نگاہیں (تمہارے) ہر عیب سے بند ہوتی ہیں مگر دشمنی کی نگاہ برائیوں کو ظاہر کرتی ہے۔

(۶) کہا جاتا ہے کہ ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ تھے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ دن کو کام کرتے اور جو کچھ کماتے ساتھیوں پر خرچ کر دیتے۔ رات ہوتی تو ایک جگہ اکھٹے ہو جاتے سب روزہ رکھا کرتے تھے۔ ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ اپنے کام سے دیر میں آیا کرتے۔ ایک رات ساتھیوں نے کہا۔ آؤ ہم اپنی افطاری اس کے بغیر ہی کھالیں تاکہ آئندہ سے وہ جلدی واپس آیا کرے۔ لہذا وہ روزہ افطار کر کے سو گئے۔ جب ابراہیم واپس آئے تو انہیں سویا ہوا پایا۔ کہنے لگے شاید ان مسکینوں کو کھانا نہیں ملا۔ گھر میں آٹا تھا

ابراہیم نے اسے لے کر گوندھا اور آگ جلائی اور کوئلے جلائے اس پر وہ جاگ اٹھے دیکھا کہ ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ چولہا پھونک رہے ہیں اور آپ رحمتہ اللہ علیہ کا رخسار زمین سے لگ رہا تھا۔ انہوں نے جب دریافت کیا تو فرمایا! کہ میں نے سمجھا کہ تمہیں افطاری کے لیے کوئی چیز نہیں ملی۔ اس لیے تم سو گئے ہو اور خیال کیا جب انگارے روشن ہو جائیں تو تم لوگوں کو بیدار کروں۔ اس پر وہ لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے ذرا غور کرو کہ ہم نے ان سے کیا برتاؤ کیا اور یہ ہم سے کیا برتاؤ کر رہے ہیں؟

(۷) کسی شخص نے حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ میں کس کی صحبت اختیار کروں؟ فرمایا! ایسی ہستی کی صحبت اختیار کر کہ اگر تو بیمار پڑے تو وہ تیری عیادت کرے اور اگر تو گناہ کرے تو تجھے معاف کرے۔ (یعنی اللہ)

(۸) میں نے ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سُنا عبداللہ بن المعلم نے کہا ابوبکر الطمستانی فرماتے تھے کہ اللہ کی صحبت اختیار کرو۔ اگر یہ نہ کرسکو تو پھر اس شخص کی صحبت اختیار کرو جسے اللہ کی صحبت حاصل ہے تاکہ اسکی صحبت کی برکت سے تم اللہ عزوجل کی صحبت تک پہنچ جاؤ۔

حقوقِ صحبت کے آداب

جو کوئی صحبت اختیار کرے یا کسی سے بھائی چارہ قائم کرے اس کے لیے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ اپنے نفس اور دوست کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں نیاز مندی اور تضرع وزاری کے ساتھ یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی صحبت میں برکت عطا فرمائے اور ایسے دوستوں کی صحبت سے بچائے جو اللہ تعالیٰ کے راستے سے ہٹا دینے والے ہوں۔

جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

"انسان کو انسان ہی خراب کرتا اور بگاڑتا ہے"

صحبت کے اثرات : صحبت سے نیک اور بد اثرات مرتب ہوتے ہیں یعنی ایسی صورت میں لازم ہے کہ ابتدا ہی سے احتیاط کی جائے اور دوست کا صحیح انتخاب کر کے اللہ تعالیٰ سے بار بار دعا کی جائے۔ بلکہ نماز استخارہ بھی پڑھی جائے۔ (تا کہ انتخاب دوست میں تائید غیبی بھی حاصل ہو جائے)

دوستی اور ہم نشینی بھی ایک عمل ہے :

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔ یہ ایک طویل حدیث ہے جس کا اختصار ہم پیش کر رہے ہیں کہ

قیامت کے دن سات افراد ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سائے کے نیچے ہوں گے۔ ان میں سے دو افراد وہ ہیں جو محض اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے رہے ہیں اور اسی حالت میں ان کی موت آ گئی۔

یعنی ہر عمل کی طرح اس لیے بھی حُسنِ نیت اور اچھے انجام کی آرزو کی ضرورت ہے۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ

اگر دو آدمی کسی کام کو مل کر کریں تو شیطان اس پر اس قدر حسد نہیں کرتا جتنا وہ

ان دو آدمیوں پر کرتا ہے جو روحانی بھائی بن کر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ شیطان اور اس کے چیلے اس بات کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح اس مواخات اور اتحاد میں بگاڑ پیدا کر دیا جائے۔

سید الطائفہ شیخ جنید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دو شیخ محض اللہ کے لیے بھائی بھائی بن جائیں اور پھر اُن میں سے کوئی ایک دوسرے سے وحشت و نفرت کرنے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ ضرور کسی نہ کسی فرد میں خامی ہے۔ یہ مواخات فی اللہ آبِ شیریں سے زیادہ خوشگوار اور پاکیزہ ہے اور جو کام اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے اس میں شائبہ نفس نہیں ہوتا تو اس میں اللہ تعالیٰ خود صفا پیدا فرما دیتا ہے۔ اور جس کام میں صفا ہو اس کو دوام حاصل ہوتا ہے۔ اور اس صفائے دوام کی اصل یہ ہے کہ آپس میں مخالفت نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم اپنے بھائی سے جھگڑا کرو نہ دل لگی کرو اور نہ اس سے کوئی وعدہ کرو جس کو تم پورا نہ کرسکو۔

شیخ ابوسعید اظرار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں پچاس سال تک صوفیاء کرام کی صحبت میں رہا لیکن طویل مدت میں میرے اور ان کے درمیان کبھی اختلاف پیدا نہیں ہوا لوگوں نے ان سے کہا کہ حضرت یہ کس طرح ممکن ہوا انہوں نے فرمایا کہ میں ان کی صحبت میں ہمیشہ اپنے نفس پر غالب رہا (نفس کا مغلوب نہیں بنا)

مخلوق کے ساتھ صحبت کی شرط: شیخ ابوعمر و رحمتہ اللہ علیہ دمشقی الرازی رحمتہ اللہ علیہ سے ابوعبداللہ بن الجلاء رحمتہ اللہ علیہ کا یہ قول منقول ہے کہ اُن سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ میں مخلوق میں کس شرط پر رہوں (شرائط صحبت کیا ہیں) تو انہوں نے فرمایا! اگر تم ان کے ساتھ نیکی نہیں کر سکتے تو ان کو تکلیف بھی نہ پہنچاؤ اگر تم انہیں خوش نہیں کر سکتے تو ان کو رنج بھی نہ پہنچاؤ۔

(برائی بھی نہ کرو) شیخ ابوعمر دمشقی رحمتہ اللہ علیہ نے مزید فرمایا!

تم اپنے بھائی کی محبت اور دوستی سے فائدہ اٹھا کر اس کی حق تلفی مت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر مومن کے حقوق مقرر فرما دیے ہیں پس جو ان حقوق کو تلف کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حق تلفی کرتا ہے۔

قطع صحبت کے بعد کیا کرنا چاہیے : اگر کسی سے قطع تعلق ہو جائے تو کیا اس سے بغض رکھنا چاہیے؟ تو اس معاملے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ارباب تصوف وارباب حال اس مسئلہ پر متحد نہیں ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میرا دوست اپنی سابقہ حالت پر نہ رہے تو میں پھر اس سے جس طرح محبت رکھتا تھا اسی طرح بغض رکھوں گا۔

ایک دوسرے بزرگ اس کے برعکس فرماتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ

" کسی دوست کی صحبت میں رہنے کے بعد اس سے بغض نہیں رکھنا چاہیے البتہ اس عمل سے نفرت کرنا چاہیے"

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا!

"فَاِنْ عَصَوْكَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ہ" (سورۃ الشعراء آیت ۲۱۶)

"اے رسول ﷺ اگر وہ آپ ﷺ کی نافرمانی کریں تو کہہ دیجئے کہ میں تمہارے کاموں سے بیزار ہوں"

اس آیت میں کاموں سے بیزاری کا حکم ہے نہ کہ ذات سے۔

جب کچھ افراد نے اس شخص سے بدکلامی کی اور اس کو بُرا کہنا شروع کیا جس سے کوئی فحش بات سرزد ہوئی تھی تو حضور ﷺ نے ان لوگوں کو خاموش کرتے ہوئے تنبیہ فرمائی کہ تم اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بنو۔

حدیث شریف میں آیا ہے:

"عالم کی لغزش سے بچو (ناپسندیدگی کا اظہار کرو) لیکن اس لغزش کے باعث اس کو نہ

چھوڑ دو اور اس کی توبہ کا انتظار کرو"

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ایک روحانی بھائی بنایا تھا جب آپ رضی اللہ عنہ ملک شام کے سفر پر جانے لگے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے جو اس کے پاس سے آیا تھا اس کے بارے میں پوچھا کہ میرے بھائی کا کیا حال ہے۔(کیا رویہ ہے؟) اس شخص نے کہا کہ وہ تو شیطان کا بھائی بن گیا ہے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا!

خاموش ہو جاؤ۔ اس شخص نے کہا کہ جناب! وہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہوا ہے یہاں تک کہ شراب بھی پیتا ہے آپ رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے کہا کہ جب تم واپس جانے لگو تو مجھے اطلاع دینا (مجھ سے مل کر جانا) اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اس دوست کو لکھا۔

"حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ہ غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ"

"یہ قرآن حکیم عزت والے جاننے والے خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے جو گناہوں کو معاف کرتا اور توبہ کو قبول کرتا ہے مگر سخت سزا بھی دینے والا ہے"

(پارہ ۲۴ سورۃ مومن)

ان آیات کے لکھنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو بہت ملامت کی جب اس دوست نے وہ خط پڑھا تو بہت رویا اور کہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ نصیحت فرمائی ہے وہ درست ہے اس کے بعد اس نے اپنی خطاؤں سے توبہ کی اور گناہوں کو ترک کر دیا۔

روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دائیں بائیں منہ پھیرتے ہوئے دیکھا تو اُن سے اس کا سبب دریافت کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے فرمایا! کہ حضورﷺ میں نے فلاں شخص کو اپنا روحانی بھائی بنایا ہے مجھے اس کی تلاش ہے اسی کو میں دیکھ رہا ہوں۔ حضورﷺ نے فرمایا: جب تم کسی کو اپنا بھائی بناؤ تو اس وقت اس کا اور اس کے باپ کا نام اور پتہ دریافت کرلیا کرو۔ اور وہ بیمار پڑ جائے تو اس کی عیادت کو جاؤ اور اگر وہ کام میں مشغول ہو تو اس کی مدد کرو۔

محبت فی اللہ کی علامت : اللہ تعالیٰ کے لیے کسی سے کی جانے والی محبت کی ایک نشانی یہ ہے کہ محبّ تمام دنیاوی چیزوں کو جہاں تک ممکن ہو سکے اپنے بھائی پر قربان کردے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِىْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ٥"

(سورۃ الحشر آیت ۹)

ترجمہ: "وہ (انصار) لوگ مہاجروں سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان مہاجرین کو دیا جاتا ہے۔ اس سے وہ اپنے سینوں میں کدورت نہیں پاتے اور اپنے اُوپر ایثار کرتے ہیں خواہ خود ہی محتاج اور مفلس ہوں"

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے

"لَا يَجِدُوْنَ فِىْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا"

مراد یہ ہے کہ وہ اپنے بھائیوں پر ان کے مال کے باعث حسد نہیں کرتے اور یہ دو اوصاف دین و دنیا کی کسی چیز پر (حسد نہ کرنا اور ایثار کرنا) ایسے اوصاف ہیں جس سے محبت کی تکمیل ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے۔

"انسان اپنے دوست کے مذہب ہی کی پیروی کرتا ہے۔ مگر تمہارے لیے اس دوست کی محبت میں خیر اور بھلائی نہیں ہے جو تم کو ویسا ہی نہ دیکھے جیسے وہ اپنی ذات کو دیکھتا ہے"

شیخ ابو الماو یہ الاسود رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔ میرے تمام بھائی تمام باتوں میں مجھ سے بہتر ہیں کسی شخص نے کہا کہ یہ کس طرح ممکن ہے انہوں نے فرمایا! ان میں سے ہر ایک مجھے اپنی ذات سے افضل و بہتر سمجھتا ہے اور جو مجھے اپنی ذات پر فضیلت دیتا ہے وہ مجھ سے بہتر ہی تو ہے۔

دوسروں کو ان کے عیوب سے آگاہ کرنا : حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنا رحم فرمائے لطف و کرم سے نوازے جو مجھے میرے عیوب سے آگاہ کرے۔

شیخ جعفر بن یرقان رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھ سے شیخ میمون بن مہران نے فرمایا! میرے سامنے صرف وہ باتیں کہو جن کو میں ناپسند کرتا ہوں اس لیے کہ انسان اس وقت تک اپنے بھائی کا خیر خواہ اور ناصح نہیں بن سکتا جب تک ناصح اس کے روبرو وہ باتیں نہ کہے جو اس کو ناپسند ہوں۔

اللہ تعالیٰ عزوجل کا ارشاد ہے۔

"وَلٰكِن لَّا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ ہ"

ترجمہ: "اور تم ناصحوں کو پسند نہیں کرتے ہو"

یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ نصیحت وہ ہے جو پوشیدہ ہو۔

جو صداقت پسند ہے وہ ہمیشہ صادق القول انسان کو پسند کرتا ہے۔

ایک روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پرنالہ کو اکھاڑ دینے کا حکم دیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اُن سے فرمایا!

کہ آپ اس چیز کو اکھاڑنے کا حکم دے رہے ہیں جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے لگایا تھا۔

یہ سُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا!

اچھا اگر ایسا ہے تو یہ آپ ہی کے ہاتھ سے اپنی اصلی جگہ پر دوبارہ لگا دیا جائے گا اور عمر رضی اللہ عنہ کے کندھوں کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہ کی اور کوئی سیڑھی نہیں ہوگی۔ یعنی آپ میرے کندھوں پر چڑھ کر اس پرنالے کو اس کی جگہ پر دوبارہ نصب کر دیجیے چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کے کندھوں پر چڑھے اور اس پرنالے کو اس کی جگہ پر لگا دیا۔

اسلاف کرام کا اخلاق اور آداب: اگر کسی کو کوئی ضرورت پیش آجاتی اور اپنے کسی رفیق اور ساتھی کی کسی چیز کا ضرورت مند ہوتا تو وہ اس کو بلا تاخیر استعمال کر لیتا تھا (بغیر مشورت کے چیز برت لیتے)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"وَ اَمْرُ ھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ"

"اُن کے کام باہمی مشورت سے ہوتے ہیں" (پارہ ۲۵ سورۃ شوریٰ)

یعنی وہ تمام چیزوں میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔

قصور کا ذمہ دار اپنے نفس کو ٹھہرانا: صوفیا کے آداب میں یہ بھی ہے کہ جب وہ کسی ساتھی کی غلطی دیکھتے ہیں تو خود کو موردالزام قرار دیتے ہیں اور اس کو دل میں بھی نہیں بٹھاتے کیونکہ ایسی بات دل میں پیدا ہونا صحبت میں رخنہ اندازی کا باعث ہوتا ہے۔

شیخ ابو بکر الکتانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک شخص میرے پاس بیٹھنے اُٹھنے لگا لیکن اس کی ہمنشینی میرے لیے بار خاطر تھی میں نے ایک دن جو کچھ اس وقت میرے پاس موجود تھا اس کو پیش کیا تاکہ وہ گرانی میرے دل سے دور ہو جائے لیکن اس عمل کے باوجود گرانی باقی رہی چنانچہ میں نے اس سے تنہائی میں ایک دن کہا کہ تم اپنا پاؤں

میرے چہرے پر رکھدو اس نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو میں نے اس سے کہا کہ تم کو ایسا کرنا پڑے گا مجبوراً اس نے میرے چہرے کو پامال کیا اور اسی دم میرے دل سے اس کی طرف سے وہ گرانی جاتی رہی۔

شیخ رقی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کی محض تصدیق کے لیے میں نے شام سے حجاز تک کا سفر کیا۔

رسول اللہ ﷺ ایک تنگ چبوترے پر تشریف فرما تھے اس اثنا میں شرکاء بدر میں سے کچھ حضرات آئے چبوترے پر ان حضرات کے بٹھانے کے لیے جگہ نہیں تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان حضرات کو جو غزوہ بدر میں شریک نہیں تھے چبوترے سے اٹھادیا (اوران حضرات کے لیے جگہ پیدا کرلی) اوران حضرات کو اِن کی جگہ بٹھادیا۔ مگران لوگوں کو جو اٹھادیے گئے یہ امر شاق گزرا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا!

"وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا" (الایۃ)

ترجمہ: "جب تم سے کہا جائے کہ کھڑے ہوجاؤ تو تم اُٹھ جاؤ"

شیخ ابوعثمان اطیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"حق صحبت یہ ہے کہ تم اپنے مال سے اپنے بھائی پر خرچ کرو اور اس کے مال سے کچھ توقع نہ رکھو!"

اس کے ساتھ ہی اس کے ساتھ تو انصاف کرو لیکن اس سے اپنے لیے طالب انصاف نہ ہو اور تم اس کے تابع بن جاؤ لیکن اس کو اپنا تابع بنانے کی آرزو نہ کرو اس کے پاس سے جو کچھ تمہارے پاس آئے اس کو بہت سمجھو اور تم اس کے ساتھ جو سلوک کرو اس کو بہت کم اور حقیر سمجھو۔

کسی پر رعب نہیں جمانا چاہیے : شیخ علی روباری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنے سے بزرگ پر رعب جمانا ننگ اور بے شرمی ہے اور اپنے برابر

والے کے ساتھ یہ طرزِ عمل سوئے اَدب میں داخل ہے اور اپنے سے کم تر کے ساتھ ایسا کرنا فسق کا اظہار ہے۔

حضرات صوفیاء رحمتہ اللہ علیہ کے آداب میں سے ہے کہ یہ حضرات اپنی گفتگو میں اگر ایسا ہوتا تو ایسا نہیں ہوتا کاش کہ ایسا ہوتا یا غالباً ایسا ہو جائے قسم کے جملے استعمال نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ اس قسم کے الفاظ بزرگوں کے خیال میں قابل اعتراض سمجھے گئے ہیں (یہ تمام کلمات یا اجزائے کلام وہ ہیں جو تمنا اور آرزو کے لیے استعمال ہوتے ہیں)

آداب صوفیاء میں ہے کہ اپنے چھوٹوں پر مہربانی کریں چنانچہ منقول ہے کہ حضرت ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ بن ادھم کھیتوں میں کام کرتے تھے کھیت گوڑتے اور کاٹتے تھے اور جو کچھ مزدوری ملتی وہ اپنے رفقاء میں ان کے کھانے پر خرچ کر دیتے تھے اور چونکہ یہ سب روزے دار ہوتے تھے۔ اس لیے رات کو اکٹھا ہو کر کھاتے تھے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ آؤ! ان کے بغیر ہم لوگ تو کھانا کھالیں۔ ہمارے اس عمل سے وہ آئندہ دیر سے آنا چھوڑ دیں گے۔ پس انہوں نے کھانا کھالیا اور سو گئے۔ ان کے سونے کے بعد شیخ ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ واپس لوٹ کر آئے تو ان سب کو سوتا ہوا پایا تو کہنے لگے ہائے بیچارے شاید ان کے پاس کچھ کھانے کو نہیں تھا۔

پس انہوں نے تھوڑا سا آٹا گوندھا اس اثنا میں وہ جاگ اُٹھے تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ آگ پھونک رہے ہیں اور ان کی داڑھی راکھ سے اَٹی ہے۔ بیدار ہونے والے ساتھیوں نے کہا یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مجھے یہ خیال ہوا کہ تم کو کھانے کے لیے کچھ نہیں مل سکا ہے اس لیے تم لوگ سو گئے ہو ان ساتھیوں نے آپس میں کہا کہ ذرا غور تو کرو ہم نے کیا کیا اور کس بات پر عمل پیرا ہوئے اور انہوں نے کیا کیا۔ ہم نے ان سے کیا سلوک کیا اور اِن کا ہمارے ساتھ کیا سلوک ہے۔

بعض علماء تو یہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی اپنے ساتھی سے کہے کہ ہمارے ساتھ چلو اور ساتھی جواب میں کہے کہاں۔ تو ایسے ساتھی کی محبت ترک کر دو۔

اور ایک دوسرے بزرگ کا قول ہے کہ اگر کوئی بھائی اپنے بھائی سے کہے کہ مجھے اپنے مال میں سے کچھ دیدو اور وہ جواب میں کہے کتنا یا کتنی رقم تو سمجھ لو یہ اس نے اخوت کا حق ادا نہیں کیا۔

آداب صوفیاء میں ہے کہ جب ان کو بلایا جاتا ہے تو وہ چون وچرا، کہاں کیوں اور کس لیے سوال نہیں کرتے۔

اُخوت میں تکلّف پسندیدہ نہیں ہے : صوفیاء اپنے روحانی بھائیوں کا تکلف پسند نہیں کرتے۔

حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ نے شیخ ابو حفص رحمتہ اللہ علیہ کے رفقاء اور مریدوں کو رنگا رنگ (طرح طرح) کے کھانے کھلائے تو شیخ ابو حفص رحمتہ اللہ علیہ کو یہ تکلف ناگوار گزرا اور انہوں نے فریایا!

کہ میرے رفقاء کو مخنثوں کی طرح بنایا جارہا ہے۔ کہ ان کے سامنے ایوانِ نعمت پیش کیے جارہے ہیں۔ ہمارے ہاں جوانمردی یہ ہے کہ تکلف کو ترک کر کے جو کچھ میسر ہو پیش کر دیا جائے۔ کیونکہ تکلف کے باعث مہمان کو میزبان سے جدا ہونا پڑتا ہے۔ اور اگر تکلف نہ ہو تو میزبان کے نزدیک مہمان کا رہنا یا نہ رہنا دونوں برابر ہیں"

تواضع اور تملق: حضرات صوفیاء اپنے دوستوں اور ساتھیوں کی تواضع اور خاطر مدارات تو کرتے ہیں لیکن وہ تملق اور مدانیت نہیں کرتے۔ تواضع اور تملق میں فرق یہ کہ مدارات اور تواضع سے مقصود اپنے بھائی کی خیر خواہی ہوتا ہے۔ اور محض اسی جذبہ کے تحت اس کی خاطر داری کی جاتی ہے۔ اور اس کی بعض ناگوار باتوں کو برداشت کر لیا جاتا ہے۔ لیکن مدانیت میں یہ جذبہ مفقود ہوتا ہے اور اس کا مقصد صرف

ظاہرداری اور جاہ ومنصب کا حصول ہوتا ہے۔ اسی جذبہ کے تحت تملق کیا جاتا ہے۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ :

لوگوں سے کشیدہ رہنا ان کی دشمنی کا باعث بن جاتا ہے۔ اور ان کے ساتھ بے تکلف ہونا بُرے اور ناپسندیدہ لوگوں کی آمد کا باعث بن جاتا ہے برے لوگ مجلس میں آنے لگتے ہیں اور ہم صحبت بن جاتے ہیں۔

پردہ داری اور عیب پوشی : صوفیاء کے آداب میں یہ بات بھی ہے کہ اپنے ساتھیوں کی پردہ پوشی کی جائے۔ ایسی باتوں پر جن کے ظاہر کرنے سے وہ بیزار ہوں۔ منقول ہے کہ

حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام نے اپنے حواریوں سے دریافت کیا کہ اگر تمہارا کوئی ساتھی سوتا ہو اور ہوا نے اس کے کپڑے کو کھول دیا اس کا ستر کھل جائے تو تم کیا کرتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس کو چھپاتے اور ڈھک دیتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ!

ایسا نہیں ہے بلکہ تم اس کا عیب ظاہر کردیتے ہو حواریوں نے کہا سبحان اللہ ایسا کب ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: وہ اس طرح کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کے بارے میں اس کی کوئی نامناسب بات سنتا ہے تو وہ اس کو خوب بڑھا چڑھا کر لوگوں میں پھیلاتا اور اس کی تشہیر کرتا ہے۔

بھائیوں کے لیے استغفار: اپنے روحانی بھائیوں کی عدم موجودگی میں ان کی مصیبتوں اور برائیوں سے چھٹکارے کے لیے استغفار کرنا آداب صوفیاء میں شامل ہے۔

کہتے ہیں کہ دو روحانی بھائی تھے ان میں سے ایک کسی نفسانی خواہش میں مبتلا

ہوا تو اس نے اپنے دوسرے روحانی بھائی سے کہا کہ میں ایک نفسانی خواہش میں گرفتار ہو گیا ہوں تم اگر چاہو تو مجھ سے قطع تعلق کر سکتے ہو اس کے بھائی نے کہا کہ میں تم سے تمھارے اس گناہ کے باعث رشتہ صحبت منقطع نہیں کروں گا۔ اس کے بعد اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ جب تک میرے روحانی بھائی کی نفسانی خواہش اللہ تعالیٰ دور نہیں کردیگا۔ وہ اس وقت تک نہ کچھ کھائے گا نہ پئے گا۔ پس اس نے چالیس روز اس حالت میں گزار دیے اس اثنا میں جب وہ اپنے بھائی سے اس کی نفسانی خواہش کے بارے میں دریافت کرتا کہ دفع ہوئی یا نہیں تو وہ جواب دیتا کہ ابھی وہ خواہش ختم نہیں ہوئی آخر کار چالیس روز کے بعد اس کو نفسانی خواہش سے چھٹکارہ مل گیا۔ اس کے بعد اس مخلص بھائی نے اپنا کھانا شروع کیا۔

روحانی بھائی اپنی خاطر مدارات کیلئے مجبور نہیں کرتے :

حضرت علی کرم اللہ وجہ' الکریم کا ارشاد ہے کہ!

"تمہارا بدترین دوست وہ ہے جو تم کو خاطر و مدارات کا محتاج بنا دے (تم اس کے خوگر ہو جاؤ) یا تمہیں وہ معذرت پیش کرنے پر آمادہ کرے اور تم اس کے لیے تکلف سے کام لو"

حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

"مجھ پر وہ دوست بہت بار ہے جو میرے لیے تکلف کرتا ہے اور میں اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں اور میرے دل پر سب سے ہلکا وہ بھائی ہے جو میرے ساتھ اس طرح رہے گویا میں تنہا ہوں (اس کی صحبت مجھے محسوس نہ ہو)" شیخ ابو طالب مکی کی کتاب (قوت القلوب) میں بہت سی حکایات بیان کی گئی ہیں جن سے کچھ ذکر کرتے ہیں: "اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کا بندہ بن

جائے اور اس کے لیے وقف ہو جائے اور جو کچھ وہ چاہے اپنے رب اور مولیٰ کے لیے چاہے اپنے نفس کے لیے نہ چاہے اور جب وہ کسی کی صحبت اختیار کرے تو یہ مصاحبت بھی اللہ کے لیے ہو اور جب وہ صحبت اختیار کرے تو اس سلسلہ میں بھی وہ ایسے کام کرے کہ ان کے باعث اللہ تعالیٰ سے اس کی قربت میں اضافہ ہو کیونکہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ایسا علم عطا فرماتا ہے جس کے ذریعے وہ اپنے نفس اس کے عیوب مکارم اخلاق اور محاسن آداب کو جان لیتا ہے۔ پھر وہ اپنی بصیرت وفہم کے مطابق تمام حقوق ادا کرتا ہے"

توبہ

توبہ کے لغوی معنی رجوع کرنے کے ہیں اصطلاحِ شریعت میں جو چیز شرعاً بری ہے اس کو چھوڑ کر جو چیز شرعاً اچھی اور پسندیدہ ہے اس کی طرف رجوع کرنا توبہ ہے یعنی ایسی چیز سے جسے کرنے سے حق سبحانہٗ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے محض حق تعالیٰ کے خوف سے باز آجانا توبہ کی حقیقت ہے۔

خداوند ذوالجلال نے اپنی لاریب کتاب قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر توبہ اور توبہ کرنے والوں کا ذکر فرمایا ہے:

"یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْآ اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا"

(سورۃ التحریم آیت ۸)

ترجمہ: "اے ایمان والو! خالص توبہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو"

توبتہ النصوح وہ خالص توبہ ہے جس سے بندہ خلوص کے ساتھ اطاعتِ خداوندی پر قائم ہو جائے اور گناہ کی طرف مائل نہ ہو یہاں تک کہ اس حال میں اس کا خاتمہ ہو جائے۔ اطاعت خداوندی قرآن حکیم کی زبان میں یہ ہے:

"مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہ" (سورۃ النساء آیت ۸۰)

ترجمہ: "جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی پس تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی"

دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ" (سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۲)

ترجمہ: "بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے پیار کرتا ہے اور (گناہوں سے) پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے"

یہاں یہ وضاحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو توبہ کرنے اور گناہوں

سے پاک ہونے کی وجہ سے پسند فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

"وَ هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ"

(سورة الشوریٰ آیت ۲۵)

ترجمہ: "اور وہی (اللہ) ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی غلطیوں سے درگزر کرتا ہے"

نیز ارشاد ربانی ہے:

"تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"

(سورة النور آیت ۳۱)

ترجمہ: "اے ایمان والو! تم سب اللہ کے حضور توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ"

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ"

ترجمہ: "یعنی گناہ سے توبہ کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں"

حکایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ مدینہ طیبہ کی کسی گلی سے گزر رہے تھے تو ایک نوجوان آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے آیا جس نے اپنے کپڑوں کے نیچے ایک بوتل چھپا رکھی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا اے نوجوان کپڑوں کے نیچے کیا اٹھائے پھرتے ہو؟ اس بوتل میں شراب تھی۔ نوجوان نے شراب کہنے میں شرمندگی محسوس کی۔ اُس نے دل ہی دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی الٰہی! مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے شرمندہ اور رسوا نہ فرما پھر کبھی بھی شراب نہیں پیوں گا۔ پھر کہنے لگا یا امیر المومنین! میں نے سرکہ اٹھا رکھا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا!

مجھے دکھاؤ۔ اس نے بوتل نکال کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کر دی۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو سرکہ نکلا۔

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ جب ایک بندے نے بندے کے خوف سے توبہ کی تو تواب الرحیم خدا نے توبہ میں خلوص دیکھ کر اس کی شراب کو سرکہ میں تبدیل کر دیا۔ اگر گناہ گار بندہ خدا کے حضور اخلاص کے ساتھ اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو جائے تو بلا شک وشبہ غفور الرحیم خدا اپنے بندے کے گناہوں کے پہاڑ کو نہ صرف معاف فرمادے گا۔ بلکہ نیکیوں کے انبار میں بھی تبدیل فرمادے گا۔ جس پر

"لَا تَقْنَطُود امِنَ رَحْمَةِ اللّٰه ۔ اِنَّ اللّٰه یَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِیْعًا ۔ اِنَّهٗ هُوَ الغَفُوْرُ الرَّحِیْم ہ " (سورۃ الزمر آیت ۵۳)

کی شہادت لاریب صادر ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

"مَامِنْ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنْ شابٍ تَا ئِبٍ"

"اللہ تبارک وتعالیٰ عزوجل کو نوجوان توبہ کرنے والے سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں"

سالکین کے لیے توبہ پہلی منزل ہے اور طالبین کا پہلا مقام ہے۔

بنی کریم ﷺ نے فرمایا!

"اِذَا اَحَبَّ اللّٰه عَبْدًا لَمْ یَضُرَّ ہٗ ذَنْبٌ"

"جب اللہ تعالیٰ کسی کو دوست رکھتا ہے تو گناہ سے اس کو نقصان نہیں ہوتا"

اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ گناہ سے کافر نہیں ہوتا اور اس کے ایمان میں کوئی

خلل واقع نہیں ہوتا۔ ایسا نقصان جس کا انجام نجات ہو فی الحقیقت نقصان نہیں ہوتا۔

سرکار دو عالم ﷺ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا "توبہ کیا ہے؟"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا!

"اَلنَّدَمُ التَّوبَۃُ"

"ندامت توبہ ہے"

دوسری جگہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا!

"فعل بد سے پشیمانی توبہ ہے"

اس قول میں توبہ کی تینوں شرائط موجود ہیں۔

(۱) جن امور میں شریعتِ مطہرہ کی مخالفت کی ہے ان پر ندامت و پشیمانی کا اظہار کرنا۔

(۲) اپنی لغزش اور غلطی کو فوراً ترک کر دینا۔

(۳) گناہ کی طرف دوبارہ نہ لوٹنے کا ارادہ کرنا۔

لغزش پر ندامت کے تین اسباب ہیں۔

(۱) عذاب کا خوف دل پر طاری ہو جائے۔ برے افعال کی وجہ سے دل مغموم ہو جائے اور اس طرح ندامت کا احساس پیدا ہو جائے۔

(۲) نعمت کی خواہش ہو اور یہ احساس ہو کہ برے افعال اور نافرمانی سے نعمت حاصل نہیں ہو گی اور اس کا نتیجہ ندامت ہو

(۳) روزِ قیامت کی رسوائی کا خوف ہو اور اس خوف کی وجہ سے انسان نادم ہو جائے۔

مشائخ معرفت کے نزدیک اگر کوئی شخص ایک گناہ سے توبہ کرے اور دیگر گناہوں میں مبتلا رہے تو حق تعالیٰ اسے اس ایک گناہ سے بچنے کا ثواب عطا کرتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اسی کی برکت سے وہ باقی گناہوں سے بھی نجات حاصل کر لے۔ جیسے ایک شخص شراب نوشی کرتا ہے اور زانی بھی ہے وہ زنا سے تائب ہو جاتا ہے مگر شراب

نوشی کو ترک نہیں کرتا۔ اس کی توبہ جائز ہے اگرچہ دوسرے گناہ کا ارتکاب ابھی اس سے ہو رہا ہے۔

لیکن ایک فریق کہتا ہے کہ جب تک ایک ہی بار جملہ گناہ کبیرہ سے توبہ نہ کی جائے تو یہ بے کار ہے ان کے نزدیک بعض گناہوں سے توبہ کرنا اور بعض میں مبتلا رہنا توبہ کی توہین ہے۔

جب انسان اپنے دل میں اپنے برے اعمال پر غور کرتا ہے اور اس کو اپنے بُرے اعمال سے باز آنے کا خیال پیدا ہوتا ہے تو اس کے دل میں توبہ کا ارادہ پیدا ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کے ارادہ کو دیکھ کر اس کی مدد فرماتا ہے۔ وہ برے دوستوں کی صحبت سے الگ رہنے لگتا ہے اور ممنوع امور کو کرنے سے رُک جاتا ہے۔

اسے خوف اور رجاء کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ وہ اپنی غلطیوں کو ترک کر دیتا ہے اور شہوات کی تابعداری کرنے سے اپنے نفس کو لگام دیتا ہے۔ وہ اخلاص سے سچی توبہ کر کے اس پر مداومت اختیار کرتا ہے۔ اور وہ دوسروں کو نیکی اور بھلائی کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"خلوص والی توبہ، توبہ کرنے والے پر معصیت کا کوئی نشان باقی نہیں چھوڑتی۔ نہ ظاہر میں نہ ہی باطن میں۔ اور جس کی توبہ خالص ہو اسے اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ صبح کیسے گزری اور شام کیسے"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا!

" کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے اور وہ گناہ اس کی نظر کے سامنے رہتا ہے۔ تو اس سے اسے ندامت و شرمندگی محسوس ہوتی ہے وہ اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہے اور رحیم و غفور خدا اُسے معاف فرما دیتا ہے۔ بالآخر وہی گناہ اسے بہشت میں

لے جانے کا سبب بن جاتا ہے"

رسول خدا ﷺ نے فرمایا!

جب کوئی بندہ گناہ کرتا ہے تو گناہ سے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہوتا ہے بندہ توبہ کرتا ہے اور استغفار کر لیتا ہے اس وقت وہ نقطہ دل سے صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ توبہ، زاری اور استغفار نہیں کرتا تو گناہ بالائے گناہ، داغ پر داغ تہہ بہ تہہ جمتے جاتے ہیں یہاں تک کہ تمام دل سیاہ ہو کر مُردہ ہو جاتا ہے بمصداق ایں آیت کریمہ

"كَلَّا بَلْ سکتہ رَانَ عَلٰى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ"

(سورۃ المطففین آیت ۱۴)

ترجمہ: "ایسا نہیں بلکہ جو کام وہ کرتے تھے ان کاموں کے باعث ان کے دل زنگ آلود ہو گئے"

یعنی ان کے اعمال کا زنگ ان کے دلوں پر چڑھ گیا ہے۔

آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا!

کہ جس نے گناہ کیا پھر اس پر پشیمان ہوا، تو پشیمانی اس گناہ کا کفارہ ہو گیا۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ توبہ کے چار ستون ہیں۔

(۱) زبان سے توبہ و استغفار کر کے معافی طلب کرنا۔

(۲) دل سے پشیمان اور شرمندہ ہونا اور پچھتانا۔

(۳) اپنے اعضاء کو گناہ سے روکنا۔

(۴) یہ نیت رکھنا کہ آئندہ کبھی ایسا گناہ ہرگز نہیں کروں گا۔

یہ بھی فرمایا کہ

"توبۃ النصوح یہ ہے کہ توبہ کرے اور جس گناہ سے توبہ کی ہے اس کی طرف پھر نہ لوٹے"

کسی شخص نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہ سے سوال کیا۔

میں نے بہت سے گناہ اور معاصی کیے ہیں اب اگر توبہ کروں تو کیا اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دے گا؟

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ معاملہ یوں نہیں ۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر خدا نے تجھے معاف کر دیا تب ہی تجھے توبہ کرنے کی توفیق دے گا"

روایت ہے کہ کوفہ کے ایک فاسق کے گھر میں بہت سے اوباش جمع ہو کر شراب نوشی کر رہے تھے۔ ان میں ایک گانے والا "زادان" نامی خوش الحان بربط پر گا رہا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' کا وہاں سے گزر ہوا تو آواز سُن کر فرمایا!

کیسی اچھی آواز ہے۔ کاش یہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا تو کتنا اچھا ہوتا پھر آپ رضی اللہ عنہ اپنی چادر سر پر ڈال کر آگے بڑھ گئے زادان نے آپ رضی اللہ عنہ کی آواز سُن کر لوگوں سے پوچھا کہ یہ صاحب کون تھے۔ اور کیا فرما رہے تھے؟

لوگوں نے بتایا کہ یہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے اور کہہ گئے ہیں۔

" کتنی اچھی آواز ہے کاش گانے کے بجائے قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی تو کتنا اچھا ہوتا"

یہ سنتے ہی زادان، پر ہیبت طاری ہو گئی اس نے بربط کو زمین پر مار کر توڑ ڈالا۔ اور دوڑتا ہوا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تک پہنچ کر گلے میں چادر ڈال کر رونے لگا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے زادان، کو گلے لگا لیا اور اس کے ساتھ خود بھی رونے لگے اور فرمایا!

"میں کیسے اس سے محبت نہ کروں جس سے اللہ کو محبت ہے"

اس کے بعد زادان نے بربط بجانے اور گانا گانے سے توبہ کر لی۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہنے لگا۔ یہاں تک کہ قرآن پاک پڑھ لیا اور اتنا علم حاصل کیا کہ علم دین کا امام بن گیا۔

فرمان نبوی ﷺ ہے!

"اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَبْسُطُ يَدَهٗ بِاللَّيْلِ لِيَتُوْبَ مُسِيْءُ النَّهَارِ، وَيَبْسُطُ يَدَهٗ بِالنَّهَارِ لِيَتُوْبَ مُسِيْءُ اللَّيْلِ، حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِهَا" (صحیح مسلم)

ترجمہ: "اللہ عزوجل رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن میں گناہ کرنے والا توبہ کر لے اور دن کو ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کو گناہ کرنے والا توبہ کر لے۔ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے تک ایسا ہوتا رہے گا"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

"يٰاَيُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ فَاِنِّىْ اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ فِى الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ" (صحیح مسلم)

ترجمہ: "اے لوگو! اللہ کی طرف توبہ (رجوع) کرو میں بھی دن میں سو بار اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرتا ہوں"

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

"مَا مِنْ رَجُلٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَتَطَهَّرُ ثُمَّ يُصَلِّىْ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ" (سنن الترمذی وھو حسن)

ترجمہ: "جو آدمی گناہ کرتا ہے پھر وضو کرتا ہے اور دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ سے بخشش کا طالب ہوتا ہے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کو معاف کر دیتے ہیں"

(منہاج المسلم)

ترمذی نے حسن حدیث، ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے صحیح حدیث روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سرور کائنات ﷺ کو حدیث بیان فرماتے ہوئے سُنا ایک بار، دو بار سات بار بلکہ اس سے بھی زیادہ مرتبہ سنا ہے کہ بنی اسرائیل کا کفل نامی شخص گناہ کرنے سے باز نہیں آتا تھا ایک مرتبہ اس کے پاس ایک عورت آئی تو اسے ساٹھ دینار دے کر گناہ پر رضامند کرلیا۔ جب کفل عورت کے ساتھ برائی کرنے کے انتہائی قریب پہنچ گیا تو عورت تھر تھر کانپنے لگی اور رو پڑی۔ کفل نے پوچھا کیوں روتی ہو؟ کیا میں تجھے پسند نہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ میں نے ایسی برائی کبھی نہیں کی تھی ایک شدید مجبوری سے یہ کام کر رہی ہوں۔ اس پر کفل نے کہا کہ تم مجبوراً یہ کام کر رہی ہو۔ اس سے پہلے نہیں کیا تھا تو چلی جاؤ اور دینار بھی لے جاؤ اور کہا اللہ کی قسم! اس کے بعد کبھی بھی گناہ نہیں کروں گا۔ اسی رات اس کا انتقال ہوگیا۔ صبح اس کے دروازے پر لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کفل کو بخش دیا ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں میں نے حاتم اصم رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ نماز کس طرح ادا کرتے ہیں فرمایا جب وقت نماز ہو تو ایک ظاہری وضو کرتا ہوں دوسرا باطنی ظاہری وضو پانی سے اور باطنی توبہ سے پھر مسجد میں داخل ہوتا ہوں۔

بیت الحرام میرے سامنے ہوتا ہے مقام ابراہیم دونوں ابروؤں کے درمیان ہوتا ہے بہشت دائیں جہنم بائیں۔ صراطِ تحت قدم، فرشتہ موت کو اپنے پیچھے تصور کرتا ہوں پھر نہایت تعظیم واحترام کیساتھ تکبیر پڑھتا ہوں۔ حرمت کیساتھ قیام، خوف کے عالم میں قرآن، انکساری کے ساتھ رکوع، تضرع کے ساتھ سجود، حلم و وقار کے ساتھ جلوس اور شکر کے ساتھ سلام۔ توفیق اللہ کی طرف سے ہے اور وہ صحیح جاننے والا ہے۔

(بحوالہ کشف المحجوب)

مشائخ میں سے ایک بزرگ نے کہا ہے کہ میں نے ستر بار توبہ کی اور ہر بار معصیت کا شکار رہا۔ اکہترویں بار میری توبہ کو استقامت نصیب ہوئی۔

حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ اپنی مشہور زمانہ کتاب کشف المحجوب میں نقل فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے توبہ کی پھر گناہ کا مرتکب ہوا۔ پھر پشیمان ہوا۔ ایک روز دل میں سوچا اگر اب درگاہِ حق میں جاؤں تو میرا کیا حال ہوگا۔ ہاتف غیبی نے آواز دی۔

"تو ہمارا فرمانبردار تھا تو ہم نے تجھے شرف قبولت بخشا۔ تو فرمانبردار ہوا تو ہم نے تجھے مہلت دی۔ اگر اب بھی تو ہماری طرف آئے تو ہم تجھے قبول کریں گے"

خطا کا مرتکب ہونا مذموم ہے خطا سے نیکی کی طرف رجوع کرنا قابل ستائش ہے یہ توبہ عام ہے اور اس کے احکام ظاہر ہیں بلند تر نیکی کو حاصل کرنا چاہیے۔ کیونکہ معمولی نیکی پر تھم جانا راستے میں ٹھہر جانے کے برابر ہے اور ایک پردہ حائل ہے نیکی سے بلند تر نیکی کی طرف رجوع کرنا اہل ہمت اور اولیاء کے طریق میں نہایت درجہ قابل ستائش ہے یہ خاص توبہ ہے۔

اسرائیلی روایت ہے کہ ایک فاحشہ عورت نے اپنے حسن و جمال سے لوگوں کو فتنہ میں ڈال رکھا تھا وہ اپنے دروازے کے پاس تخت پر بیٹھتی تھی۔ اور ہر گزرنے والا اسے دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جاتا تھا۔ مگر اس کے پاس جانے کی اجازت اس وقت ملتی جب دس دینار یا اس سے زیادہ رقم پیش کرتا۔ اس کے پاس سے ایک روز کوئی اسرائیلی زاہد و عابد ادھر سے گزرا اور جیسے ہی اس کی نظر اس پر پڑی وہ فریفتہ ہو گیا لیکن اس نے اپنے نفس سے جنگ کی اور خدا تعالیٰ سے گناہ سے بچنے کی دعا کی۔ لیکن بالآخر وہ بے قابو ہو گیا۔ اس نے اپنا مال و متاع فروخت کر کے مطلوبہ رقم جمع کی اور اس عورت کے دروازے پر آیا۔ اور دینار اس کے وکیل کے سپرد کر کے اس کے پاس بیٹھ گیا۔

جب عابد نے اس سے لطف اندوز ہونے کا قصد کیا تو رحیم و کریم خدا نے اس کی سابقہ عبادت کی برکت اور اپنی رحمت کے طفیل اس کو اس طرح بچا لیا کہ عابد کے دل

میں خیال پیدا ہوا کہ اللہ کریم اپنے عرش سے اس کے فعلِ حرام کو دیکھ رہا ہے پس وہ خشیتِ الٰہی سے تھر تھر کانپتے ہوئے بے اختیار کہنے لگا ہائے! ہائے! میرے تمام اعمال ضائع ہو گئے۔

اس کا رنگ فق ہو گیا بدکار عورت نے پوچھا کیا بات ہے؟ عابد نے کہا میں اپنے رب سے ڈر رہا ہوں۔ مجھے واپس جانے دے۔ عورت نے کہا تم بھی خوب ہو! سینکڑوں لوگ میری آرزو کرتے ہیں اور تم میری محبت سے منہ موڑ رہے ہو۔ عابد نے کہا میں اپنے اللہ سے ڈرتا ہوں۔ رہا وہ مال جو میں نے تم کو دیا وہ تم پر حلال ہے وہ تم ہی لے لو اور مجھے واپس جانے دو۔

پھر فاحشہ نے اس کا نام و پتہ لکھ لیا اور اسے جانے کی اجازت دے دی۔ عابد نادم و شرمسار وہاں سے واپس آیا۔ اس کے بعد عابد کی برکت سے عورت کے دل میں بھی خوف خدا پیدا ہوا۔ اور کہنے لگی اس شخص کا تو یہ پہلا گناہ تھا اور اس کے دل میں اس قدر خوف خدا پیدا ہوا اور میں کئی برس سے یہ گناہ کر رہی ہوں۔ ڈرنا تو مجھے چاہیے تھا اس کے بعد اس عورت نے اپنا دروازہ لوگوں پر بند کر دیا۔ سچی اور پکی توبہ کی اور شریفانہ لباس پہن کر یادالٰہی میں مصروف ہو گئی۔ کچھ عرصہ بعد اس کے دل میں خیال آیا کہ اب اسے اس زاہد و عابد شخص کے پاس چلنا چاہیے ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے نکاح کر لے۔ اس طرح وہ اس سے دین کی باتیں سیکھ لے گی۔ اور بہتر طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گی۔ یہ سوچ کر اس نے اپنا تمام سامان اور روپیہ ساتھ لیا اور اس زاہد و عابد کے دروازے پر پہنچ گئی۔ جب عابد اس کے پاس پہنچا تو عورت نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دیا تا کہ عابد اس کو پہچان لے۔ عابد نے اس کو پہچان لیا اور ساتھ ہی اس کو اپنا گناہ یاد آ گیا۔ اس نے ایک چیخ ماری اور گر پڑا۔ گرتے ہی اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ وہ عورت بہت گھبرائی پچھتائی اور کہنے لگی جس کے

لیے گھر چھوڑا وہ دنیا چھوڑ گیا۔اس نے لوگوں سے پوچھا اس کے رشتہ داروں میں کوئی ایسا شخص ہے جو مجھ سے شادی کر لے لوگوں نے بتایا کہ عابد کا ایک نیک اور صالح بھائی ہے لیکن وہ مفلس اور تنگ دست ہے عورت نے کہا کچھ مضائقہ نہیں میرے پاس کافی مال موجود ہے چنانچہ اس نے عابد کے بھائی سے نکاح کر لیا۔ بعدازاں اس صالح عورت کے بطن سے سات لڑکے پیدا ہوئے جو سارے کے سارے بنی اسرائیل کے ولی ہوئے۔

(بحوالہ غنیۃ الطالبین، سیدنا غوث اعظم جیلانی رحمتہ اللہ علیہ)

بخاری و مسلم کی روایت ہے حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا! کہ تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص نے ننانوے قتل کیے تھے پھر روئے زمین کے سب سے بڑے عالم کے متعلق پوچھا تو اسے راہب کے متعلق بتایا گیا۔وہ راہب کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ میں نے ننانوے قتل کیے ہیں کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ راہب نے کہا نہیں ! اس نے راہب کو بھی قتل کر کے سو قتل مکمل کر لیے۔ پھر دوسرے بڑے عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ میں نے سو بے گناہوں کو قتل کیا ہے کیا میرے لیے توبہ کا کوئی طریقہ ہے؟ عالم نے کہا ہاں ! اللہ عزوجل اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔فلاں مقام پر ایک جماعت عبادت خداوندی میں مصروف ہے وہاں جاؤ اور ان کے ساتھ مل کر عبادت کرو۔ چنانچہ وہ ان کی طرف چل پڑا اور راستے ہی میں مر گیا رحمت اور عذاب کے فرشتے جھگڑنے لگے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک فرشتہ انسانی صورت میں بھیجا انہوں نے اسے اپنا حکم تسلیم کر لیا۔اس نے کہا دونوں طرف کی زمین ناپ لو۔ یہ جن لوگوں کے زیادہ قریب ہو، انہی میں شمار ہو گا۔ جب زمین ناپی گئی تو وہ ایک بالشت نیکوں کی بستی کے قریب تھا۔لہٰذا اسے بخش دیا گیا۔

شیخ یحییٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب مکتوبات صدی میں

"حَسنَاتُ الْاَبْرارِ سَیّاٰتِ المقربین"

یعنی ابرار کے حسنات مقربین کے سیأت ہیں کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جس حال جس معاملہ اور جس مقام کا آدمی ہوگا اسی لحاظ سے اس کی توبہ ہوگی۔ عوام کی توبہ نفس پر ظلم اور نافرمانی کی ہے اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کرے تاکہ عذاب سے بچیں خاص لوگوں کی توبہ اس لیے ہوتی ہے کہ جس قدر نعمتیں عطا ہوئیں اور جس قدر رحم و کرم ہوا اس کا حق ادا نہ ہو سکا۔ خاص الخاص لوگوں کی توبہ اس لیے ہوتی ہے کہ ہم اپنے آپ کو صاحب قوت و طاقت کیوں سمجھے ہم نے اپنے کو موجود کیوں خیال کیا عاجز و نیست کیوں نہ سمجھا۔ قوی ہے تو وہی ہے اور موجود ہے تو وہی ہے۔

شکر

شکر یہ ہے کہ نہایت عاجزی کے ساتھ انعام کرنے والے کی نعمت کا اعتراف کیا جائے اور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے لفظ "شَکُوْرٌ" مجازاً فرمایا ہے یعنی وہ اپنے بندوں کو ان کی شکر گزاری کا بدلہ دیتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

"وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ" (آل عمران ۱۴۴)

"اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو صلہ عطا فرمائے گا"

شکر کی حقیقت یہ ہے کہ محسن کے احسان کو یاد کر کے اس کی تعریف کی جائے۔ چنانچہ بندے کی طرف سے خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احسان کا ذکر کر کے اس کی تعریف کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کا شکر ادا کرنا یہ ہوگا۔ کہ وہ بھی بندے کے احسان کا ذکر کر کے اس کی تعریف فرماتے ہیں۔

جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشادِ ربانی ہے:

"فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ہ"

"سو تم مجھے یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا اور میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو"

اہل تحقیق کے نزدیک بندے کا احسان یہ ہے کہ وہ حُسنِ کردار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام کا زبان سے شکر اور دل سے اسکا اقرار کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کا احسان اپنے بندے کو شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمانا اور شکر کرنے پر انعام واکرام فرمانا ہے۔

جیسا کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ اپنی لاریب کتاب میں ارشاد فرماتا ہے:

"لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ" (ابراہیم:۷)

"اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں (نعمتیں) اور زیادہ دونگا"

اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"مَا یَفۡعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمۡ اِنۡ شَکَرۡتُمۡ وَاٰمَنۡتُمۡ" (سورۃ النساء آیت ۱۴۷)

"اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ"

حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:

" کھانے والا شکر گزار روزہ دار صابر کی طرح ہے"

جب مال غنیمت کے خزانے آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کون سا مال لیا جائے۔

حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا!

"تم میں سے ہر ایک کو ذکر کرنے والی زبان اور شکر ادا کرنے والا دل لینا چاہیے"

حضور سرورِ کائنات ﷺ نے مال کے بدلے شکر پر قناعت کرنے کا حکم دیا۔

حضرت عطار رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ

میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا ام المومنین رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سب سے عمدہ اور اعلیٰ وہ بات بتایئے جو آپ رضی اللہ عنہ نے خود دیکھی ہے یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ اشکبار ہو گئیں اور فرمایا! آپ ﷺ کی کون سی بات عمدہ ترین اور اعلیٰ ترین نہ تھی ایک رات حضور ﷺ میرے ہاں تشریف لائے اور میرے ساتھ میرے بستر میں آرام فرمانے لگے۔

پھر فرمایا اے ابو بکر کی بیٹی!

آج تم مجھے اپنے رب کی عبادت کے لیے جانے دو!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا اگر چہ میں آپ ﷺ کا قرب پسند کرتی ہوں لیکن آپ ﷺ کی خواہش کو ترجیح دیتی ہوں۔ لہٰذا میں نے

اجازت دے دی۔ حضور علیہ وسلم مشکیزے کے پاس تشریف لے گئے پانی کا اسراف کیے بغیر وضو فرمایا۔ پھر کھڑے ہو کر نماز میں مشغول ہو گئے۔ آپ علیہ وسلم قیام کی حالت میں اس قدر روئے کہ آپ علیہ وسلم کے آنسو آپ علیہ وسلم کے نورانی سینے تک پہنچنے لگے۔ پھر رکوع کیا تو روتے رہے، سجدہ کیا تو روتے رہے۔ سجدے سے سر مبارک اٹھایا تو روتے رہے اس طرح رات بھر روتے رہے حتیٰ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر نماز فجر کی اطلاع دی۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ علیہ وسلم آپ علیہ وسلم کیوں روتے ہیں؟

جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ وسلم کے سبب سے آپ علیہ وسلم کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف فرما دیے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیے ہیں۔ (کنزالایمان)

حضور سرور کائنات علیہ وسلم نے فرمایا!

کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بن جاؤں۔

یہ حدیث مبارکہ دلالت کرتی ہے کہ رونا ختم نہیں ہونا چاہیے۔ اور اشارہ کرتی ہے اس روایت پر کہ ایک نبی علیہ السلام کا ایک چھوٹے سے پتھر کے پاس سے گزر ہوا جس میں سے بہت زیادہ پانی جاری تھا۔ ان کو حیرت ہوئی اللہ تعالیٰ نے پتھر کو قوتِ گویائی عطا فرمائی اور کہنے لگا جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کا فرمان

"وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ"

"اس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں"

سُنا ہے تو اس وقت سے خوفِ خدا سے رو رہا ہوں۔ اس نبی علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ اسے آگ سے پناہ دے وحی نازل ہوئی کہ ہم نے اس کو نجات دے دی۔ نبی اللہ وہاں سے رخصت ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد نبی علیہ السلام واپس ہوئے تو پہلے سے زیادہ پانی اس پتھر سے نکلتے دیکھا ان کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا پوچھا اب کیوں روتے ہو؟

پتھر نے عرض کیا پہلا رونا غم اور خوف کا رونا تھا۔ اور یہ رونا شکر اور مسرت کا رونا ہے۔

بندے کا دل پتھر کی طرح سخت ہے خوف اور شکر دونوں حالتوں میں رونے سے ہی اسکی سختی دور ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

شکر نصف ایمان ہے اور شکر کا تعلق دل، زبان اور اعضا کے ساتھ ہے دل کا شکر یہ ہے کہ پوری مخلوق کے لیے نیکی ہی سوچے اور نیکی کا ارادہ رکھے اور حدود الٰہی کی پابندی کے ساتھ اس کے احسانات کو یاد رکھے۔ زبان کا شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا (سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر، سبحان اللہ وبحمدہٖ وغیرہ) اور ذکر کثرت سے کرے۔ اور عجز وانکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرے۔ اعضاء سے شکر یہ ہے کہ وفاداری سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی اطاعت میں استعمال کرے اور ان کے ذریعے نافرمانی سے بچتا رہے۔ حتیٰ کہ دونوں آنکھوں کا شکر یہ ہے کہ تو کسی مسلمان کا عیب دیکھے تو پردہ پوشی کرے۔ اور دونوں کانوں کا شکر یہ ہے کہ ان سے جو عیب بھی سنے پردہ پوشی کرے۔

ابوعثمان رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ عوام کا شکر ماکولات، (کھانے کی اشیاء) مشروبات (پینے کی اشیاء) اور ملبوسات (لباس وغیرہ) پر ہوتا ہے اور خواص کا شکر ان کی وارداتِ قلبی پر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"میرے بندوں میں تھوڑے ہی شکر گزار بندے ہیں"

حضرت رویم رحمتہ اللہ علیہ ہیں:

"شکر یہ ہے کہ انسان اپنی تمام تر صلاحیتیں احسان کرنے والے کی اطاعت پر صرف کردے"

کہا گیا ہے کہ عالموں کا شکر زبان سے ہوتا ہے اور عابدوں کا شکر عمل اور عبادات کے ذریعے ہوتا ہے۔ عارفوں کا شکر یہ ہے کہ ہر حال میں اللہ کی رضا پر راضی اور اس کے حکم پر کاربند اور اسکی عنایات پر احسان مند رہتے ہیں اور عاشقوں کا شکر یہ ہے وہ ہر وقت جذب و مستی سے شوق دیدار میں مستغرق رہتے ہیں۔ اور تجلیات کے اشتیاق میں اشکبار رہتے ہیں۔

حضور سرور کونین ﷺ نے فرمایا!

قیامت کے دن ندا دی جائے گی کہ بہت زیادہ حمد کرنے والے کھڑے ہو جائیں ایک گروہ اٹھے گا ان کے لیے جھنڈا گاڑ دیا جائے گا اور وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ عرض کیا گیا سب سے زیادہ حمد کرنیوالے کون ہیں؟

حضو ﷺ نے فرمایا!

جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

اور دوسری روایت کے مطابق جو دکھ سکھ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

حضور سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا!

حمد رحمٰن کی چادر ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ میں عبادت و ذکر اور شکر کے بدلے اپنے اولیاء سے راضی ہو گیا ہوں اور صابروں کی صفات کے بارے وحی فرمائی ان کا گھر سلامتی ہے جب وہ اس میں داخل ہوتے ہیں تو انہیں شکر کرنے کا الہام کرتا ہوں شکر بہترین کلام ہے شکر پر انہیں زیادہ عطا کروں گا اور ان کی مدت دیدار کو اور زیادہ کر دونگا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ

"اللہ کے احکام پر کاربند رہنے، مصائب و آلام پر پر سکون اور اطمینان قلب سے رہنے اور زندگی کے میدان میں باوجود محتاجی کے اپنے آپ کو مالدار ظاہر کرنے کا نام شکر ہے"

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بہت خوبصورت بات فرمائی۔

"وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ہ" (سورۃ النمل آیت ۴۰)

"اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے پرواہ ہے سب خوبیوں والا"

حاصل کلام یہ ہے کہ

"اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کے ہوتے ہوئے اخلاص سے اس کے احکامات کی پابندی کرنا اور ہمہ وقت اس کی یاد میں مصروف رہنا اور نافرمانی سے خوف زدہ رہنا (نافرمانی نہ کرنا) شکر ہے"

صبر

"صبر کے معنی برداشت کرنا اور حوصلہ رکھنا کے ہیں لغوی اعتبار سے اس سے مراد ناپسندیدہ اور تکلیف دہ صورت حال پر اپنے آپ کو حوصلہ دینا، برداشت کرنا اور رضا و تسلیم کی صفت سے متصف ہونا ہے"

قرآن حکیم میں اللہ رب العزت نے نوے سے زیادہ مقامات پر صبر کا ذکر فرمایا ہے اور اکثر درجات اور بھلائیاں صبر کے ساتھ منسوب ہیں اور صابروں کے لیے ایسے انعامات کی بشارتیں ہیں جو کسی اور کے لیے نہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ سبحانہٗ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

"وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّـآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ قف وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝"

"اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری سناؤ، جب انہیں مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ کے لیے ہیں اور اس کی طرف ہی لوٹنے والے ہیں یہی وہ خوش نصیب ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے طرح طرح کی نوازشات اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ سیدھے راستے پر ثابت قدم ہیں"

مزید فرمایا!

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ"

"اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ساتھ مدد حاصل کرو"

حضرت لقمٰن نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی سورہ لقمٰن میں اس کا مذکور ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

"وَ اصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَکَ ط اِنَّ ذَالِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُ مُوْرِۃ"

(سورۃ لقمان آیت ۱۷)

"اور تجھے جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کر، بے شک یہ ہمت کے کام ہیں"

مومن اللہ عزوجل کی مدد کا طلب گار رہتا ہے فرمانبرداری پر اور فرمانبرداروں کے لیے اجر عظیم اور بڑے ثواب کو یاد کرتا ہے۔ اور نافرمانوں اور اللہ کے ناپسندیدہ لوگوں کے لیے اس کی وعید اور شدید عذاب کو ذہن میں لاتا ہے۔ اور سوچتا ہے کہ اللہ کا فیصلہ عدل و انصاف کا فیصلہ ہے، بندہ صبر کرے یا نہ کرے اللہ کے فیصلے جاری ہیں انہیں کوئی روک نہیں سکتا۔ ہاں صبر کی صورت میں اجر عظیم ہے اور بے صبری میں عذاب الیم ہے۔

چنانچہ ارشاد حق تعالیٰ اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

"یَـٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَا تَّقُوْا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ہ" (سورۃ ال عمران آیت ۲۰۰)

"اے ایمان والو! صبر کرو۔ اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو اور دشمن کے سامنے جمے رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ"

صبر و برداشت ان عادات و اخلاق سے ہیں جو انسان ریاضت اور محنت سے حاصل کر سکتا ہے مسلمان کی کوشش ہونی چاہیے کہ دوران تکلیف اللہ سے صبر کی توفیق مانگے اور اجر و ثواب کا وعدہ یاد کر کے صبر پر استقامت اختیار کرے۔

جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"اِنَّمَا یُوَ فَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَ هُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ہ" (سورۃ الزمر آیت ۱۰)

" یقیناً صبر کرنے والوں کو ان کا ثواب بغیر حساب کے پورا دے دیا جائیگا"

اور دوسرے مقام پر ارشاد ہوا:

"وَ لَنَجْزِیَنَّ الَّذِیْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَ هُمْ بِاَ حْسَنِ مَا کَا نُوْ ایَعْمَلُوْنَ ہ"

(سورۃ نحل آیت ۹۶)

"اور ضرور ہم صبر کرنے والوں کو ان کے اعمال کا نہایت اچھا بدلہ دیں گے"

نیز ارشاد فرمایا!

"وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ"

"اور (اے محبوب ﷺ) تم صبر کرو اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے"

اس آیت کریمہ میں رب ذوالجلال نے حضور سرور کونین ﷺ سے فرمایا ہے کہ صبر اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ ہے مفسرین کرام اس آیت سے یہ استنباط کرتے ہیں کہ ہر کام کی توفیق منجانب اللہ ہے اور انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے چونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور نیت دل کے ارادے کا نام ہے اور اللہ کی یہ شان ہے کہ

"وَاللّٰهُ عَلِيمٌ ، بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہ"

"اور اللہ تعالیٰ سینوں کے رازہائے پوشیدہ جاننے والا ہے"

چنانچہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت فرماتا ہے تو اس کی آزمائش کرتا ہے اور آزمائش میں اس کو صبر بھی عطا فرماتا ہے اور صبر کرنے پر اجر بھی بغیر حساب کے دیتا ہے۔ سبحان اللہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

"اَلصَّبْرُ ضِيَاءٌ" (صحیح مسلم)

"صبر روشنی ہے۔ یا صبر نور ہے"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

"يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : اِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِىْ بِحَبِيْبَتِهٖ (عَيْنَيْهِ) فَصَبَرَ عَوَّضْتُهٗ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ" (صحیح بخاری)

"اللہ عزوجل فرماتے ہیں: میں جب اپنے بندے کو اس کی دو پیاری اور محبوب (آنکھوں) کی تکلیف میں مبتلا کروں اور وہ صبر کرے تو اس کے عوض میں اسے

بہشت عطا کر دیتا ہوں"

نبی کریم ﷺ نے مزید فرمایا!

"مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّصِبْ مِنْهُ" (صحیح بخاری)

"اللہ عزوجل جس سے بھلائی چاہتا ہے اسے مصیبت میں ڈال کر آزماتا ہے"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا!

"جتنی بڑی مصیبت اتنا بڑا اجر وثواب اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو انہیں آزماتا ہے چنانچہ جو راضی ہوتا ہے اس کے لیے اللہ کی رضا ہے اور جو ناراض ہوتا ہے اس کے لیے اللہ کی ناراضگی ہے"

ایذا برداشت کرنا تکلیف دہ صبر ہے اور صدیقین وصالحین رحمتہ اللہ علیہ کا طرز عمل اور شعار یہی رہا ہے۔ اللہ کے انبیاء ورسل علیہ السلام اس کی بہترین مثال ہیں۔ ان میں بہت کم ایسے ہیں جنہیں اللہ کی ذات اور معاملات دین میں آزمائشوں سے نہ گزرنا پڑا ہو۔ اللہ کی ذات کیوجہ سے جب کسی مسلمان کو ستایا جاتا ہے اسے تکلیف پہنچتی ہے اور وہ صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتا ہے۔ برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتا اور نہ اپنی ذات کے لیے انتقام لیتا ہے بلکہ اپنے رب کی رضا سمجھ کر صبر کرتا ہے تو ایسے لوگوں کے لیے بے حساب اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔

احیاء العلوم میں امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا!" تمہیں پہلے یہی حکم دیا گیا ہے کہ دانت کے بدلے دانت اور ناک کے بدلے ناک مگر میں کہتا ہوں شر کا مقابلہ شر سے نہ کرو، بلکہ اگر کوئی تمہارے دائیں گال پر تھپڑ رسید کردے تو بائیں کو پیش کردو۔ اور جو تم سے اوپر کی چادر چھین لے اسے تہبند بھی دے دو"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

"اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُ وْلٰی"

"صبر وہی ہے جو مصیبت کی پہلی ٹھوکر لگنے پر کیا جاتا ہے"

مصیبت پر صبر کرنے والا اللہ کی پناہ لیتا ہے کیونکہ وہ مشاہدۂ مصیبت میں ہوتا ہے اس پر انعام یہ ہوتا ہے۔

جو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا!

"اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ہ"

"بے شک اللہ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے"

منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ السلام کو وحی فرمائی:

"میرے والے اخلاق اپناوٗ اور میرا اخلاق یہ کہ میں صَبُوْرٌ (خوب صبر کرنیوالا) ہوں"

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ سے ایمان کے متعلق سوال کیا گیا۔

"مَا الْاِیْمَانُ ؟ یا رسولَ اللّٰہ "

یارسول اللہ ﷺ ایمان کیا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

"اَلصَّبْرُ وَالسَّخَاءُ مِنَ الْاِ یْمَان "

"صبر اور سخاوت کا نام ایمان ہے"

اور فرمایا!

صبر جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے اور ناپسندیدہ چیزوں پر صبر کرنے میں بہت زیادہ بھلائی ہے۔

حضرت عیسٰے علیہ السلام نے فرمایا!

"ناپسندیدہ چیزوں پر صبر کیے بغیر تم اپنی پسندیدہ چیزوں کو حاصل نہیں کر سکتے"

حضورﷺ نے فرمایا!

"صبر نصف ایمان ہے"

اور فرمایا!

سب سے کم چیزیں جو تمہیں دی گئی ہیں وہ پختہ یقین اور صبر ہے۔ جسے ان دونوں میں سے کچھ حصہ ملا ہے اور وہ رات کے قیام اور دن کے روزہ میں سے قضا ہونے والی چیز کی فکر کرے۔ اگر تم اپنی موجودہ حالت پر صبر کرو تو اس سے زیادہ پسندیدہ یہ ہے کہ تم میں سے ہر بندہ تمام لوگوں کے اعمال کے برابر عمل لے کر آئے۔ البتہ مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد تم پر دنیا کے دروازے کھول دیے جائیں گے پھر تم ایک دوسرے سے نفرت کرو گے اور اس وقت اہل آسمان بھی تم سے نفرت کریں گے پس جس نے صبر کیا اور ثواب کی امید کی تو اس نے کامل ثواب پالیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب رسول اللہﷺ انصار کے ہاں تشریف لائے تو پوچھا کیا تم ایماندار ہو؟ وہ خاموش ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ہاں یارسول اللہﷺ۔

حضور پاکﷺ نے فرمایا!

تمہارے ایمان کی نشانی کیا ہے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ہم خوشحالی میں شکر کرتے ہیں۔ مصیبت میں صبر کرتے ہیں اور قضا پر راضی رہتے ہیں۔

حضور سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا!

رب کعبہ کی قسم! تم مومن ہو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ الکریم نے فرمایا!

"صبر اور ایمان میں وہی تعلق ہے جو سر اور بدن میں ہے"

پھر فرمایا!

"صبر ایسی سواری ہے جو کبھی ٹھوکر نہیں کھاتی"

حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا!

"ناپسندیدہ اور کٹھن حالات کا اس طرح خندہ روئی سے ڈٹ کر مقابلہ کرنا جیسے منہ بگاڑے بغیر کسی کڑوی چیز کا ایک ایک گھونٹ کر کے پینا صبر ہے"

پھر فرمایا!

"دنیا سے آخرت کی طرف جانا مومن کے لیے آسان ہے لیکن خدا کی راہ میں مخلوق کو چھوڑ دینا مشکل ہے اور نفس کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا مشکل تر ہے اور صبر مع اللہ مشکل ترین ہے"

حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ کی ناپسند چیزوں سے دور رہنا اور مصائب کے غموں کا گھونٹ پینا اور معاش کی تنگی کے باوجود بے نیازی کا اظہار کرنا صبر ہے"

اللہ تعالیٰ کے فرمان "فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ

"صبر جمیل یہ ہے کہ مصیبت کے وقت قوم کے اندر کسی کو پتہ ہی نہ چلے کہ کون شخص مصیبت میں مبتلا ہے"

ایک حدیث شریف میں ہے کہ

"صبر کرنے والے فقیر قیامت کے دن اللہ کے ہمنشین ہوں گے"

حضرت ابو علی دقاق رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"صبر دراصل یہ ہے کہ انسان جب مصیبت سے نکلے تو اس کی وہی کیفیت ہو جو اس کی اس وقت تھی جب وہ مصیبت میں مبتلا ہوا تھا جس طرح حالت حضرت

ایوب علیہ السلام کی تھی۔

چنانچہ انہوں نے اپنی مصیبت کے اختتام پر یہ الفاظ کہے۔

"اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ہ" (سورۃ انبیاء آیت ۸۳)

"مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے"

اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام صبح بھی وعدہ فرماتے کہ میں صبر کروں گا

چنانچہ "فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ" کہا۔

مگر رات آنے سے پہلے ہی پکار اٹھے:

"یٰاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ"

"ہائے افسوس یوسف علیہ السلام کی جدائی پر"

یعنی وہ صبر نہ کر سکے۔

صبر کی تعریف یہ ہے کہ

"تو تقدیر پر اعتراض نہ کرے اپنی مصیبت کا اظہار اس طریقہ پر کرے کہ اس میں شکایت کا پہلو نہ پایا جاتا ہو"

امام ابو محمد جریری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"صبر یہ ہے کہ بندہ کے لیے آرام و راحت اور مصیبت کی حالتیں دونوں یکساں ہوں اور دونوں حالتوں میں اسے سکون قلب حاصل ہو۔ اور بناوٹی صبر یہ ہے کہ مصیبت پر سکون خاطر تو ہو مگر بندہ تکلیف کا احساس کرتا ہو"

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

صبر کرنے والے دونوں جہانوں کی عزت حاصل کرتے ہیں اس لیے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ہ"

توکّل

توکل یہ ہے کہ بندہ اپنے تمام امور کو اللہ کے سپرد کردے اور تدبیر و اختیار کی باریکیوں سے پاک ہوجائے۔

جیسا کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"وَعَلَی اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ہ"

"اگر تم ایمان والے ہو تو اللہ ہی پر توکل کرو"

حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:

"اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرو جیسے توکل کرنے کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں پرندوں کی طرح رزق عطا فرمائے گا۔ جو صبح خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر آتے ہیں"

جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

"وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ط" (سورۃ طلاق آیت ۳)

"جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہوجاتا ہے"

حضور سید المرسلین ﷺ نے فرمایا:

"جو سب سے ناطہ توڑ کر اللہ تعالیٰ کا ہوجائے تو اللہ تعالیٰ ہر مشکل میں اس کے لیے کافی ہوتا ہے اور اسے اس طریقہ سے رزق عطا فرماتا ہے جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا اور جو اللہ تعالیٰ سے تعلق توڑ کر دنیا کا ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اُسے دنیا کے سپرد فرما دیتا ہے"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رؤیائے صادقہ میں، میں نے تمام امتوں کو حج کے موقع پر جمع دیکھا اور اپنی امت کو دیکھا کہ اس سے میدان اور پہاڑ بھر گئے

ہیں مجھے ان کی کثرت اور ہیئت پسند آئی مجھ سے پوچھا گیا کہ اب راضی ہو میں نے کہا ہاں۔ فرمایا کہ ان کے ستر ہزار افراد بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ یہ لوگ وہ ہیں جو داغ نہیں لگواتے۔ مال نہیں لیتے منتر نہیں کراتے بلکہ خدا ہی پر توکل کرتے ہیں"

حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر عرض کیا:

یا رسول اللہ ﷺ دعا کیجیے اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے بنا دے۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اے اللہ عکاشہ رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں میں سے کر دے۔

ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یا رسول اللہ ﷺ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے فرما دے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: عکاشہ رضی اللہ عنہ تم سے سبقت لے گئے۔

حضور سید المرسلین ﷺ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ کے اہل خانہ پر تنگی آتی تو فرماتے نماز پڑھ اور فرمایا کرتے کہ مجھے میرے رب نے اس بات کا حکم دیا ہے۔

"وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا" (سورۃ طٰہٰ آیت ۱۳۲)

"اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور خود بھی اس پر کاربند رہیے"

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق کے ذریعے آگ میں پھینکتے وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کیا آپ علیہ السلام کی کوئی حاجت ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا قول

"حَسْبِيَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ"

"میرے لیے اللہ کافی ہے اور وہ سب سے اچھا کارساز ہے"

پورا کرتے ہوئے فرمایا:

مجھے آپ سے کوئی حاجت نہیں اس وقت آپ علیہ السلام کو آگ میں پھینکا جا رہا تھا لیکن آپ علیہ السلام توکل سے بھی آگے مقام تسلیم ورضا پر متمکن ہو چکے تھے۔

حضرت غوث الثقلین سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے غنیۃ الطالبین میں توکل کے تین درجے بیان فرمائے ہیں۔ اوّل کا نام توکل دوسرے کا نام تسلیم اور تیسرے کا نام تفویض ہے متوکل اپنے رب کے وعدہ سے مطمئن ہو کر سکون حاصل کر لیتا ہے۔ صاحب تسلیم اللہ کے علم کو اپنے لیے کافی سمجھتا ہے اور صاحبِ تفویض اللہ کے حکم پر ہر صورت میں خوش ہوتا ہے۔

بعض علماء کے نزدیک توکل عام مومنین کا وصف ہے تسلیم اولیائے کرام کی صفت ہے اور تفویض توحید پرستوں کا وصف ہے۔ بعض اصحاب فرماتے ہیں کہ:

توکل عوام کا، تسلیم، خواص کا اور تفویض خاصان خاص کا وصف ہے۔

بعض اکابرین فرماتے ہیں کہ

توکل عام انبیائے کرام کی صفت ہے۔ تسلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے مخصوص ہے اور تفویض ہمارے حضور سید الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی صفت ہے۔

توکل کا مقام دل ہے جب بندے کو یقین ہو جائے کہ تقدیر اللہ کی طرف سے ہے تو پھر اگر کوئی چیز مشکل ہو تو اس کی تقدیر سے ہوگی اور اگر کوئی چیز اتفاقیہ مل جائے یا آسان ہو تو وہ بھی اللہ ہی کے آسان کرنے سے ہوگی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص اونٹنی پر سوار آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اس اونٹنی کو چھوڑ دوں اور اللہ پر بھروسہ کیسے رکھوں؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا! اس کی ٹانگوں میں رسی باندھ دو پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی:

"اے داؤد علیہ السلام! جو بندہ مخلوق کی بجائے صرف مجھ پر بھروسہ کرے تو زمین و آسمان بھی اگر اس کے خلاف تدبیر کرلیں تو میں خدا اس کے لیے نکلنے کی راہ بنا دیتا ہوں"

عارفوں نے کہا کہ

توکل اس شیر خوار بچے کی طرح ہے جو سوائے اپنی ماں کی چھاتی کے اور کوئی ٹھکانہ نہیں جانتا۔ اسی طرح متوکل بھی سوائے خدا کے اور کسی سہارے کو نہیں جانتا۔

بعض کے نزدیک خدائے عزوجل کی قدرت پر اعتماد کرنا اور دوسرے لوگوں کی طاقت اور اختیار سے ناامید ہو جانا، توکل ہے مزید یہ کہ توکل اپنے شکوک کو رفع کرنا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہے۔

حضرت ابراہیم خواص رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

میں نے شام کے راستے میں ایک نوجوان کو دیکھا جو بڑے اچھے اخلاق والا تھا مجھ سے کہنے لگا کیا تم میری صحبت میں رہنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا میں تو بھوکا رہتا ہوں کہنے لگا اگر آپ بھوکے رہیں گے تو میں بھی بھوکا رہوں گا۔ چار دن اس طرح گزر گئے اس کے بعد ہمارے پاس کہیں سے کوئی چیز آ گئی تو میں نے اسے کہا آؤ کھا لو! اُس نے جواب دیا کہ میں تو عہد کر چکا ہوں کہ کسی کے ذریعے سے کوئی چیز نہ لُوں گا۔

میں نے کہا اے بچے!

تم نے بہت باریک بات کہی۔ وہ کہنے لگا اے ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ! میری جھوٹی تعریف نہ کرو کیونکہ پرکھنے والا تمہارے مال اور توکل کو خوب جانتا ہے پھر کہنے لگا توکل کا کمترین درجہ یہ ہے کہ اگرچہ تجھے فاقہ پر فاقہ آئے پھر بھی تیرا دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی

اور کی طرف توجہ نہ کرے۔

حضرت علی رودباری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ!

توکل تین باتوں کے خیال رکھنے کا نام ہے۔

☆ پہلی یہ کہ ملے تو شکر ادا کرے اور نہ ملے تو صبر کرے۔

☆ دوسری یہ کہ کسی چیز کا حاصل ہونا اور حاصل نہ ہونا دونوں اس کے لیے برابر ہوں۔

☆ تیسری بات یہ کہ نہ ملنے پر اس وجہ سے شکر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے یہی پسند کیا ہے اور اس کو یہی پسند ہے تو مجھے یہ بات کیوں نہ پسند ہو۔

حضرت سہل رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

کل مخلوق کو رزق پہنچانے والے کی معرفت کا نام توکل ہے اس لحاظ سے کسی کا توکل اس وقت تک کامل نہیں ہے جب تک وہ یقین نہ کرلے کہ زمین و آسمان کے درمیان جو مخلوق ہے ان کے رزق کا جو ضامن ہے وہی مجھے بھی رزق پہنچائے گا اور مجھے فراموش نہیں کرے گا۔

حضرت اصم رحمتہ اللہ علیہ بڑے متوکل تھے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ کو توکل کا مقام کس طرح حاصل ہوا؟

آپ نے فرمایا! چار باتوں سے پہلی بات یہ کہ مجھے یقین ہوگیا کہ میرا رزق کوئی دوسرا نہیں کھائے گا۔ اور میں اس کی تلاش سے آزاد ہوگیا۔

دوسری بات یہ کہ میرا عمل کوئی دوسرا انجام نہیں دے گا۔ پس میں اس میں مشغول ہوگیا۔

تیسری بات مجھے یقین ہوگیا کہ موت اچانک آتی ہے لہٰذا میں اس کے پانے کی جلدی کرتا ہوں۔

چوتھی بات یہ کہ میں نے جان لیا کہ میں ہر حال میں خدا کے سامنے ہوں پس

میں نے اس سے حیا کی۔

حضرت ابراہیم خواص رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

مکہ کے سفر کے دوران مجھے ایک وحشی صورت نظر آئی۔ میں نے پوچھا تو انسان ہے یا جن! اس نے کہا میں انسان نہیں جن ہوں میں نے پوچھا کہاں جارہے ہو؟ اس نے کہا مکہ جانے کا ارادہ ہے۔ میں نے پوچھا بغیر سواری اور خرچ سفر کے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں ہم میں سے بعض ایسے ہیں جو توکل پر سفر کرتے ہیں میں نے کہا توکل کیا ہے؟

اس نے جواب دیا اللہ سے لینا توکل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جو شخص یہ بات پسند کرتا ہے کہ وہ لوگوں میں بزرگ شمار ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور جس کو یہ بات پسند ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ بے نیاز ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ طاقت سے زیادہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرے۔

حضرت طاؤس رحمتہ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ

ایک اعرابی نے اپنا اونٹ ایک جگہ بٹھا کر باندھ دیا آسمان کی طرف منہ اٹھا کر دعا کی الٰہی! یہ سواری کا اونٹ مع سامان کے تیرے حوالے کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ مسجد الحرام میں چلا گیا تھوڑی دیر بعد واپس آیا جہاں اونٹ باندھا تھا تو دیکھا کہ اونٹ اور سامان سب کچھ غائب ہے اس نے آسمان کی طرف منہ کر کے دعا کی الٰہی! میری کوئی چیز چوری نہیں ہوئی۔ جو کچھ چوری کیا گیا وہ تیرا ہی تھا۔

طاؤس رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ہم یہ حال دیکھ ہی رہے تھے کہ اچانک کوہ ابوقبیس کی چوٹی سے ایک شخص اونٹ کی مہار پکڑے نمودار ہوا۔ اس کا دایاں ہاتھ کٹا

ہوا اُس کے گلے میں جھول رہا تھا۔

وہ شخص اعرابی کے پاس آیا کہ لو اپنی سواری اور سامان!

میں نے شخص کی کیفیت پوچھی تو اس نے کہا کہ میں اس اونٹ اور سامان کو لیکر جب کوہ ابوقبیس پر پہنچا تو ایک سوار آیا اور مجھ سے کہا اے چور! اپنا دایاں ہاتھ نکال۔ میں نے دایاں ہاتھ نکال دیا۔ اس نے پتھر پر رکھ کر میرا ہاتھ کاٹ دیا اور میری گردن میں لٹکا دیا اور مجھ سے کہا نیچے اتر اور یہ سامان اور سواری جس اعرابی کا ہے اور اس کو واپس کردے۔

اللہ اللہ اللہ!

یہ شان ہے توکل کی کہ جان و مال سب کچھ اللہ کے حوالے کرتے ہیں اور اللہ ان کا حافظ و ناصر ہوتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ نفس کی تدبیر کا ترک اور اپنی قوت اور غلبہ کا سہارا چھوڑ دینا توکل ہے۔

پھر فرمایا!

توکل حرص و ہوا کو توڑ دینا ہے۔ بندہ اپنے دل میں یہ بات پختہ کرلے کہ بلاشبہ تقدیر اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ ایمان کو دل میں جما لینا ہی توکل ہے توکل کا مقام قلب ہے لیکن ظاہری کوشش کسب ہے اور کسب سنت سے ثابت ہے۔ جس نے کسب کا انکار کیا اس نے سنت کا انکار کیا اور جس نے توکل کا انکار کیا گویا اس نے ایمان کا انکار کیا۔

پس جب اسباب سے کوئی چیز مشکل ہو جائے تو سمجھ لے کہ اس کا تعلق تقدیر الٰہی سے ہے اور اگر کوئی کام آسان ہو جائے پھر بھی یہی سمجھے کہ وہ خدا کی مدد سے آسان ہوا ہے۔ لہٰذا تمام اسباب اور ظاہری قوتوں کو اختیار کرنے کی کوشش کرنا لیکن دل میں یہ اطمینان ہونا کہ وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے کہ یہی حکم الٰہی ہے اسی کا نام توکل ہے۔

دُعا

دعا کے معنی مانگنا ،طلب کرنا، پکارنا، التجا کرنا اور درخواست کرنا کے ہیں ۔
اصطلاح شریعت میں دعا سے مراد اللہ تعالیٰ کو مالکِ کل اور حاکمِ مطلق تسلیم کرتے ہوئے اس سے اپنی حاجات اور ضروریات طلب کرنا، اس کی اعانت کی التجا کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ"

"تم مجھے پکارو (مجھ سے دعا کرو) میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا"

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

"وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَادَعَانِ " (سورۃ البقرہ آیت ۱۸۶)

"اور جب پوچھیں آپ ﷺ سے میرے بندے میرے بارے میں (کہ ہمارا رب کہاں ہے) تو یقیناً میں قریب ہوں۔ دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں۔ جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے"

روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ ہمارا پروردگار کہاں ہے؟

اللہ کریم نے اس کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی:

ارشاد فرمایا!

"اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً ط" (سورۃ الاعراف آیت ۵۵)

"اپنے رب کو عاجزی سے اور چھپ کر پکارو"

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا! جو کوئی رُوئے زمین پر اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی مانگی ہوئی شے عطا فرماتا ہے۔ یا کوئی برائی اس کی مثل دور کر دیتا ہے"

دوسری حدیث کو امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جو مسلمان کسی حاجت کے واسطے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی وہ حاجت پوری فرما دیتا ہے اور یا (اس کے لیے بہتر نہ ہو تو) اس کے لیے ذخیرہ کر رکھتا ہے۔ جو اس کو جنت میں ملے گی۔

ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ' سے روایت کی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کی دعا اسی وقت قبول فرماتے ہیں یعنی پکار کا جواب دیتے ہیں لیکن اس کی مراد کو اس لیے مؤخر کر دیتے ہیں تا کہ وہ پھر دعا کرے تو اس کی آواز سنیں اور جس کو اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتے اس کی مراد اور آرزو جلدی پوری فرما دیتے ہیں۔ کیونکہ اس کی آواز کو پسند نہیں فرماتے۔

ترمذی اور ابوداؤد نے سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے لوگو!

تمہارا پروردگار بہت حیا والا اور کرم والا ہے جب بندہ اس کے سامنے ہاتھ اٹھاتا ہے تو اس کو شرم آتی ہے کہ اپنے بندے کے ہاتھوں کو خالی پھیر دے۔

اکثر دعا قبول نہیں ہوتی یا قبولیت میں کیوں دیر ہوتی ہے تو اسکی کئی وجوہ ہوتی ہیں۔ کبھی کوئی حکمت ہوتی ہے یا قبولیت سے کوئی مانع ہوتا ہے۔ اور کسی وقت کوئی شرط مفقود ہوتی ہے یا مانگنے والے کیلئے اس میں کچھ عقوبت ہوتی ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ دعا کے بہت سے آداب اور شرائط ہیں اور وہ شرائط دعا کی قبولیت کے اسباب ہیں۔ جو شخص ان سب اسباب اور آداب کو پوری طرح ملحوظ

خاطر رکھتا ہے۔ تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور جو اس میں کمی کرتا ہے تو وہ حد سے تجاوز کرنے والوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس لیے قبولیتِ دعا کا مستحق نہیں ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا! جو سفر میں ہے اور اپنے ہاتھ آسمان کی طرف دعا کیلئے اٹھاتا ہے اور پراگندہ حال بھی ہے (یعنی اسباب قبولیت کے سب اکٹھے ہو چکے ہیں) لیکن حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا پینا حرام ہے اور پہننا خبیث ہے اور اب تک غذا بھی حرام۔ پھر بھلا کیسے دعا قبول ہو!

نقل ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں مگر وہ ان کو قبول نہیں فرماتا؟

"انہوں نے جواب دیا کہ تم رسول اللہ ﷺ کو پہنچانتے ہو مگر آپ ﷺ کے طریقے پر نہیں چلتے ہو قرآن حکیم کو جانتے ہو مگر اس پر عمل نہیں کرتے، اللہ کریم کی دی ہوئی نعمتیں کھاتے ہو مگر اُس کا شکر ادا نہیں کرتے، جنت سے واقف ہو مگر اس کو طلب نہیں کرتے دوزخ کا اقرار کرتے ہو مگر اس سے خوف نہیں کھاتے، شیطان کو پہنچانتے ہو مگر اس سے مقابلہ نہیں کرتے ہو بلکہ اس کی موافقت کرتے ہو، موت سے آگاہ ہو مگر اس کی تیاری نہیں کرتے، مُردوں کو دفن کرتے ہو مگر ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے، تم نے اپنے عیبوں کو درست کرنا چھوڑ دیا ہے اور لوگوں کے عیب بیان کرنے میں لگے ہو پھر تمہاری دعائیں کس طرح مقبول ہوں؟"

بعض کہتے ہیں کہ دعا خود عبادت ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

"اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ"

یعنی "دعا عبادت کا مغز ہے"

لہٰذا جو بات عبادت ہو اس کا ذکر کرنا اس کے ترک کرنے سے افضل ہے مزید برآں دعا بے احتیاج و بے نیاز مالک و خالق کی عبودیت و بندگی کا خوبصورت اظہار ہے جو خود ارشاد فرماتا ہے۔

"اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَ یَکۡشِفُ السُّوۡٓءَ"

(سورۃ نمل آیت ۶۲)

"بے چین آدمی کی کون سنتا ہے جب وہ دعا کرتا ہے اور اس کی تکلیف کون دور کرتا ہے؟"

یہ لاریب کتاب میں رب ذوالجلال کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔ تاہم اگر کسی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی دعا کو قبول نہ کرے اور بندے کی آرزو پوری نہ ہو تو بھی بندے نے اپنے رب کا حق ادا کر دیا۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ

بندہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو پسند فرماتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو حکم دیتا ہے کہ اس کی دعا کی مقبولیت میں دیر کرو کیونکہ میں اس کی آواز سننا پسند کرتا ہوں۔

دعا کے آداب میں سے ایک بات یہ ہے کہ انسان حضور قلب کے ساتھ دعا کرے اور غافل ہو کر دعا نہ کرے۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا!

"اللہ تعالیٰ ایسے بندے کی دعا قبول نہیں فرماتا جو غافل دل سے دعا کر رہا ہو"

دعا کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ انسان کا کھانا حلال کی کمائی سے ہو۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے سعد رضی اللہ عنہ کو فرمایا!

"اپنی کمائی پاک رکھو تمہاری دعا مقبول ہو گی"

نقل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک شخص کے پاس سے گزرے جو گڑ گڑا کر دعا کر رہا تھا یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا الٰہی!

اگر میرے پاس اس کی حاجت ہوتی تو میں پوری کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی پیارے موسیٰ علیہ السلام! میں تم سے زیادہ اس پر رحم کرنے والا ہوں مگر وہ مجھے پکارتا ہے اور اس کا دل اپنی بکریوں کے پاس ہے اور میں کسی ایسے بندے کی دعا قبول نہیں کرتا جس کا دل میرے سوا کسی اور کے پاس ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات اس شخص کو سمجھائی پھر اس نے خالص اللہ کی طرف متوجہ ہو کر دل سے دعا کی اور اس کی دعا مقبول ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ بندہ اللہ کو پکارتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُس سے ناراض ہونے کی وجہ سے اس سے منہ موڑ لیتا ہے وہ پھر پکارتا ہے اللہ تعالیٰ پھر منہ موڑ لیتا ہے وہ پھر پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے کہتا ہے میرے بندے نے میرے سوا کسی اور کو نہیں پکارا۔ لہٰذا میں نے اس کی دعا قبول کر لی۔

حکایت ہے کہ صالح مری رحمتہ اللہ علیہ اکثر کہا کرتے جو شخص متواتر ایک در پر دستک دیتا رہتا ہے عنقریب وہ دروازہ اس کے لیے کھول دیا جائے گا۔ یہ سن کر حضرت رابعہ رحمتہ اللہ علیھا نے اس سے کہا:

"تو کب تک یہ بات کہتا رہے گا وہ دروازہ بند ہی کب ہوا ہے کہ کھلوانے کی ضرورت ہو؟"

یہ جواب سن کر حضرت صالح رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ

"ایک بوڑھا بے خبر ہے اور ایک عورت باخبر"

کہا جاتا ہے کہ

" عوام کی دعا اقوال والفاظ میں ہوتی ہے اور زاہدوں کی دعا افعال سے اور عارفین کی احوال سے ہوتی ہے"

مزید برآں بہترین دعا وہ ہے جسے غموں کے ہجوم سے مجبور ہو کر کیا جائے۔

ابوعبداللہ المکانسی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ایک بار حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک عورت نے آ کر عرض کی کہ میرا بیٹا گم ہو گیا ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ دعا فرمائیں۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا!

صبر کرو!

وہ چلی گئی۔ پھر آئی اور اپنا مدعا بیان کیا حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ نے پھر وہی جواب دیا کہ جاؤ صبر کرو۔

عورت چلی گئی مگر پھر واپس آ گئی۔ اسی طرح اس نے کئی بار ایسا کیا اور حضرت صاحب ہر بار یہی کہتے رہے۔

جاؤ صبر کرو۔

آخر اس عورت نے کہا اب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور مزید صبر کی طاقت نہیں ہے۔ لہٰذا میرے لیے دعا فرمائیں۔ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا! اگر ایسا معاملہ ہے تو جاؤ تمہارا بیٹا واپس آ چکا ہے۔ وہ چلی گئی اُس کا بیٹا گھر میں موجود تھا وہ شکریہ ادا کرنے کے لیے واپس آئی۔ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے کیسے معلوم کر لیا؟ فرمایا!

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"بے چین آدمی کی کون سنتا ہے جب وہ پکارتا ہے اور اسکی تکلیف کون دور کرتا ہے؟"

تو جب اس عورت کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی فریاد رسی کی اور مجھے یقین ہو گیا کہ اس کا بیٹا گھر واپس آ چکا ہے۔

شیخ ابو علی دقاق رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

سہل بن عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ سب سے زیادہ مقبولیت کے قریب وہ دعا ہے جو صاحبِ حال بندے کی ہو اور دعاءِ حال وہ دعا ہے کہ بندہ اس قدر مجبور ہو کہ جو کچھ مانگ رہا ہے اس کے سوا اسے چارہ نہ ہو۔

سہل بن عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر کے کہا: "مجھ سے باتیں کرو اگر یہ نہ کر سکو تو میری طرف دیکھو اگر یہ بھی نہ کر سکو تو میری بات کو سنو اگر یہ بھی نہ کر سکو تو میرے دروازے پر رہو اور اگر یہ بھی نہ کر سکو تو میرے پاس اپنی ضرورتوں کو لاؤ"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں ایک شخص تجارت کے لیے شام سے مدینہ اور مدینہ سے شام آیا جایا کرتا تھا۔ مگر اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے وہ قافلہ والوں کے ساتھ نہ جاتا ایک بار جب وہ شام سے مدینہ آ رہا تھا تو اسے ایک ڈاکو نے روکا جو گھوڑے پر سوار تھا۔ سوداگر ٹھہر گیا اور کہا یہ مال لے لے اور مجھے چھوڑ دے۔ ڈاکو نے کہا! مال تو اب میرا ہے ہی، میں تو تیری جان لینا چاہتا ہوں۔ سوداگر نے کہا میری جان سے تجھے کیا غرض؟

مال لے لے اور مجھے چھوڑ دے۔ ڈاکو نے پھر وہی جواب دیا۔ اس پر سوداگر نے کہا:

مجھے اتنی مہلت دو کہ میں وضو کر کے نماز پڑھ لوں اور اپنے رب کو پکار لوں۔

ڈاکو نے اجازت دے دی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سوداگر نے وضو کر کے چار رکعت نماز اد ا کی اور پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کی

"یا ودود یا ودور یا ذوالعرش المجید یا مُبدِیءُ یَا مُعِید یا فعّالٌ لِّمَا یُرِیدُ اَسئلُكَ بِنُورِ وَ جھِكَ الَّذِی -----------------------------"

جب دعا سے فارغ ہوا تو یکا یک ایک شخص سبز لباس پہنے گھوڑے پر سوار نور کا حربہ (تلوار) لیے آموجود ہوا۔ جب ڈاکو نے سوار کو دیکھا تو سوداگر کو چھوڑ کر سوار کی طرف دوڑا۔ جب اس کے قریب پہنچا تو سوار نے ڈاکو پر حملہ کر دیا اور ایسا نیزہ مارا کہ اسے گھوڑے سے گرا دیا۔ پھر سوداگر سے کہا کہ اٹھو اسے قتل کر دو۔ سوداگر نے پوچھا تو کون ہے؟

میں نے کبھی کسی کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی میرا جی چاہتا ہے کہ اسے قتل کروں۔ سوار ڈاکو کی طرف لوٹ گیا اور اسے قتل کر دیا۔ پھر سوداگر کے پاس آ کر کہا کہ میں آسمان کا فرشتہ ہوں۔ جب تو نے پہلی بار دعا کی تو ہم نے تیسرے آسمان کے کڑکڑانے کی آواز سنی کہ کوئی حادثہ واقع ہوا ہے پھر تو نے دوسری بار دعا کی تو آسمان کے دروازے کھل گئے اور وہ آگ کے شعلوں کی طرح تھا۔ پھر جب تو نے تیسری بار دعا کی تو آسمان سے جبریل علیہ السلام اتر کر ہمارے پاس آئے اور وہ اس مصیبت زدہ کے لیے پکار رہے تھے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ یہ کام میرے سپرد کر دیں!

اے اللہ کے بندے یاد رکھو جو شخص کسی مصیبت یا سختی کے وقت یہ دعا مانگے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی مشکل حل کر دے گا۔ اور اس کی مدد کرے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سوداگر صحیح سلامت مدینہ پہنچ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ بیان کیا اور اپنی دعا کا بھی ذکر۔

کیا تو رسالتمآب ﷺ نے فرمایا کہ!

اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنے وہ اسماء الحسنیٰ تلقین کیے ہیں کہ جب ان کے ذریعے سے دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور ان کے ذریعے سے کوئی چیز مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرماتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک نوجوان نے کعبۃ اللہ کے پردوں کو پکڑ کر کہا:

خدایا! تمہارا کوئی شریک نہیں کہ ہم اسے لا سکتے اور نہ کوئی وزیر ہے جسے ہم رشوت دے سکیں۔ اگر میں تمہاری عبادت کروں تو یہ تمہاری عنایت ہوگی۔ جس کے لیے میں شکر گزار ہوں اور اگر نافرمانی کروں تو ایسا میری جہالت کیوجہ سے ہوگا۔ اور تیری حجت مجھ پر قائم ہوگی۔ اس محبت کی قسم جو تمہارے ہاں میری طرف سے منقطع ہو چکی ہے تو مجھے بخش دے!

اس پر اُس نے ہاتف کو یہ کہتے سُنا کہ یہ نوجوان دوزخ سے آزاد ہے۔

دعا کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حاجت کا اظہار کیا جائے تو اللہ تعالیٰ حاجت روا اور مشکل کشا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ دعا ایک قسم کی باہمی پیغام رسانی ہے اور جب تک رابطہ قائم رہتا ہے معاملہ ٹھیک رہتا ہے۔

گنہگاروں کی دعا ان کی زبان سے ہوتی ہے اور جب گنہگار روتا ہے تو یوں سمجھیں کہ اس نے اپنا پیغام اللہ کو پہنچا دیا۔

انسان کے آنسو اس کے دل کی ترجمانی کرتے ہیں اور اس کے سانس دل کے راز ظاہر کر دیتے ہیں دعا بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کے در پر حاضر ہونے کا سبب بنتی ہے اور عطا اس در سے واپس جانے کا اور اللہ کے دروازے پر کھڑا رہنا جزا حاصل کر کے واپس چلے جانے سے افضل ہے۔

دعا کی شرط یہ ہے کہ انسان دعا کے بعد اس فیصلہ پر راضی رہے جو اس کیلئے اللہ

تعالیٰ کرے۔

دعا اور مناجات ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔اور بندے کیلئے افضل ترین دعا اس کی ماں کی دعا ہے۔

جیسے مثل مشہور ہے۔"ماں کی دعا جنت کی ہوا"

یعنی والدین کے ساتھ بھلائی کرنے والے والدین کی دعائیں حاصل کر کے دنیا وآخرت میں سرخرو اور کامیاب وکامران ہوتے ہیں..............مناجات

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر روز محشر عذر ہائے من پذیر

گر تو می بینی حسابم ناگزیر از نگاہ مصطفےٰ ﷺ پنہاں بگیر

تقویٰ

قرآن حکیم کے چوتھے پارے میں سورۃ آل عمران میں ارشادِ خداوندی ہے۔

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ"

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے"

تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ ابونعیم کی 'حلیہ' سے روایت نقل کرتے ہیں کہ

"حق تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے احکام کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے۔ شکر کیا جائے ناشکری نہ کی جائے۔ اسکو یاد رکھا جائے فراموش نہ کیا جائے"

امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ رسالہ قشیریہ میں یوں رقمطراز ہیں کہ

"تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی ایسی اطاعت کی جائے کہ پھر کبھی نافرمانی نہ ہو، اسے اس طرح یاد کیا جائے کہ پھر نہ بھولے اور اس کا ایسا شکر ادا کیا جائے کہ پھر ناشکر گزاری نہ ہو"

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

اللہ کو یاد کرنے اور بھول نہ جانے کا انحصار فناءِ قلب پر ہے اور اطاعت و شکر کا دارومدار نفس کے فنا پر ہے۔ حقیقی ایمان اور قلبی اطمینان پر ہی اطاعت کلی اور شکر دوامی کی بنیاد ہے پس اس آیت کا تقاضا ہے کہ کمالاتِ ولایت کا حاصل کرنا واجب ہے اس لیے تمام امراض باطنہ (جھوٹ، کینہ، حرص، حسد، غصہ، شہوت، تکبر، غیبت وغیرہ) سے نفس کو پاک کرنے اور مکارمِ اخلاق (توبہ، صبر، شکر، توکل، تسلیم، رضا، قناعت، زہد، ورع وغیرہ) اللہ تعالیٰ کی خشیت اور ذکر دوامی (ہمہ وقت ذکر یعنی ہتھ کار ول دل یار ول) سے قلب و

نفس کو آراستہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بقول پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمتہ اللہ علیہ

نمی گویم کہ از عالم جدا باش　　　بہر جائی کہ باشی بخدا باش

اسی طرح قرآنِ حکیم کے چھبیسویں پارے میں سورۃ الحجرات میں ارشادِ خداوندی ہے:

"یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط"

"اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو۔

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ پرہیزگار ہے"

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ

مکمل تقویٰ اللہ تعالیٰ کے اِس ارشاد میں ہے۔

"اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَ الْبَغْیِ ج یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ہ"

(سورۃ نحل آیت ۹۰)

"بے شک اللہ تعالیٰ تم کو عدل اور احسان اور قرابت والوں کو مال دینے کا حکم دیتا ہے اور تمہیں بدکاری، بے حیائی اور نافرمانی سے منع کرتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو"

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، نے حضرت کعب اخبار رضی اللہ عنہ سے فرمایا! مجھے تقویٰ کے بارے میں کچھ بتاؤ؟

انہوں نے فرمایا! کیا آپ کبھی خاردار راہ سے گزرے ہیں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! ہاں!

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا! اس وقت آپ رضی اللہ عنہ اس راہ سے کیسے گزرے؟

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا! دامن سمیٹے ہوئے گزرا ہوں!

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا! یہی حال تقویٰ کا ہے کہ کسی خاردار وادی سے اپنے دامن کو سمیٹے ہوئے گزر جانا تقویٰ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

آنحضرت ﷺ سے عرض کیا گیا یا نبی اللہ ﷺ آل محمد ﷺ کون لوگ ہیں؟

تو فرمایا! "ہر متقی"

لہٰذا تقویٰ تمام نیکیوں کا مجموعہ ہے اتقا کے اصلی معنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اس کے عذاب سے بچنا ہے۔

شیخ ابو علی دقاق رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا!

اصلی تقویٰ شرک سے بچنا ہے اس کے بعد معصیت اور برائیوں سے بچنے کا درجہ آتا ہے پھر شبہات سے بچنے کا پھر یہ کہ تو فضول باتوں کو ترک کردے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا!

"اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے"

نقل ہے کہ طلق بن حبیب رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا تقویٰ کیا ہے اس کی تعریف بیان فرمایئے؟

انہوں نے فرمایا!

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روشنی (علم وبصیرت) میں ثواب کی امید پر اللہ تعالیٰ سے شرم کرتے ہوئے احکام الٰہی کی اطاعت اوران پر عمل کرنا تقویٰ ہے۔

پھر فرمایا!

اللہ کے دیئے نور کے مطابق اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے معصیت (گناہوں) کوترک کردینا تقویٰ ہے۔

حضرت سہل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

جوشخص یہ چاہتا ہو کہ اس کا تقویٰ درست ہوتو اسے تمام گناہوں کوترک کردینا چاہیے۔

پھر فرمایا!

اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہے رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی دلیل وراہنما نہیں۔

تقویٰ کے سوا کوئی توشہ نہیں اور صبر کرنے کے سوا کوئی عمل نہیں۔

پھر فرمایا!

تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے اس جگہ نہ دیکھے جس جگہ سے تجھے منع کیا گیا ہے۔

اوراس جگہ سے توغیر حاضر نہ ہو جہاں تجھے موجود ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

قول ہے کہ

نبی کریم ﷺ کی پیروی کا نام تقویٰ ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ غفلتوں سے دل کو، خواہشات سے نفس کو، لذتوں سے حلق کواور بری باتوں سے اعضاء کو بچانا اور محفوظ رکھنا تقویٰ ہے۔ اس وقت یہ امید ہوسکتی ہے کہ زمین وآسمان کے مالک تک تیری رسائی ہوجائے۔

کہتے ہیں کہ

ابو یزید رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ جنگل میں کپڑا دھویا۔ ساتھی

نے کہا اس کپڑے کو انگور کی بیل والی دیوار پر لٹکا دو۔

فرمایا!

ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم لوگوں کی دیوار میں میخ نہ گاڑیں گے اس پر ساتھی نے کہا اچھا درخت پر ہی لٹکا دو۔

فرمایا!

میں یہ بھی نہیں کر سکتا کیونکہ اس طرح تو درخت کی ٹہنی ٹوٹ جائے گی۔ ساتھی نے کہا اچھا تو ہم اسے اذخر (چارہ) پر پھیلا دیتے ہیں۔

فرمایا!

یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ جانوروں کا چارہ ہے ہم اسے ان سے چھپا کر نہیں رکھیں گے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی قمیض پیٹھ پر ڈال کر سورج کی طرف کر دی۔ یہاں تک کہ ایک طرف سے سوکھ گئی۔ پھر قمیض کو پلٹ دیا۔ یہاں تک کہ دوسرا حصہ بھی خشک ہو گیا۔

سبحان اللہ!

متقی ہو تو ابو یزید رحمتہ اللہ علیہ جیسا کہ

ایک دفعہ انہوں نے ہمدان میں جب القرطم (کسنبہ کا بیج) خریدا تو اس سے کچھ بچ گیا۔ جب بسطام لوٹ کر آئے تو اس میں دو چیونٹیاں دیکھیں۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ ہمدان واپس گئے۔ اور دونوں چیونٹیوں کو چھوڑ آئے۔

متقی ہو تو ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ جیسا ہو:

انہوں نے گھی کے چالیس مٹکے خریدے۔ ان کے غلام نے کسی ایک مٹکے سے چوہا نکالا۔ ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا کس مٹکے سے چوہا نکالا تھا؟

اس نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں!

اس پر ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ نے تمام مٹکے انڈیل دیے۔

حضرت ابوالقاسم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حسنِ خلق، تقویٰ ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ انسان کا تقویٰ تین باتوں سے معلوم ہوتا ہے۔

(۱) جو چیز اسے حاصل نہ ہو اس پر اچھی طرح سے توکل کرے۔ (توکل)

(۲) جو کچھ وہ حاصل کر چکا ہے اس پر اچھی طرح راضی رہے۔ (رضا)

(۳) جو چیز اس کے ہاتھ سے جاتی رہی اس پر خوبصورتی کے ساتھ صبر کرے۔ (صبر)

بعض مشائخ نے فرمایا!

آدمی جب تک ایسے مقام پر نہ پہنچ جائے کہ اس کی دلی آرزوؤں اور خواہشات کو طشت میں رکھ کر بازار میں پھرانے کے لیے کہا جائے تو اس کو جھجک محسوس نہ ہو اس وقت وہ تقویٰ کی چوٹی پر پہنچ سکتا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس طرح تم اپنا ظاہر مخلوق کے لیے آراستہ کرتے ہو اسی طرح اپنا باطن حق تعالیٰ کیلئے آراستہ کرنا تقویٰ ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

میں نے ایک رات بیت المقدس میں صخرہ کے نیچے گزاری۔ کچھ رات گزرنے کے بعد دو فرشتے اترے۔

ایک نے دوسرے سے کہا یہاں کون ہے؟

دوسرے نے جواب دیا! ابرہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ

پہلے نے کہا کیا یہ وہی شخص ہے۔ جس کے درجات سے اللہ تعالیٰ نے ایک درجہ کم کر دیا ہے۔

دوسرے نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہوئی؟

پہلے نے کہا اس نے بصرہ میں کھجوریں خریدیں اور میوہ فروش کی کھجوروں میں سے ایک کھجور تول کے علاوہ اس کی کھجوروں میں جا پڑی۔ اس نے اسے مالک کو واپس نہیں کیا۔

حضرت ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں بصرہ گیا اور اس شخص سے پھر کھجوریں خریدیں اور ایک کھجور اس کی کھجوروں میں گرا کر بیت المقدس لوٹ آیا۔ اور صخرہ میں رات گزاری۔ کچھ رات گزرنے کے بعد دو فرشتے آسمان سے اترے ایک نے دوسرے سے پوچھا۔ یہاں کون ہے؟

دوسرے نے جواب دیا۔ ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ

پہلے نے کہا وہی جس کو اللہ نے پہلا مرتبہ عطا کر دیا اور جس کا درجہ بلند کر دیا گیا۔

حضرت ابن الجلاء، رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ

جس کی درویشی میں تقویٰ نہیں ہے وہ ظاہر میں حرام کھاتا ہے۔

حضرت یونس بن عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا!

تقویٰ ہر مشتبہ چیز سے گریز کرنے اور ہر آن نفس کا محاسبہ کرنے کا نام ہے۔

حضرت عبداللہ رودباری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

تقویٰ ہر اس چیز کو ترک کر دینے کا نام ہے۔ جو تجھے اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا!

جو اپنے ظاہر کو مخالف شرع باتوں سے اور اپنے باطن کو خدا سے غافل رکھنے والی باتوں سے آلودہ نہ کرے۔ وہ حشر میں اللہ تعالیٰ کے قریب ہوگا۔

پھر فرمایا!

کہ زندگی اسی کی ہے جو ایسے مردان خدا کے ساتھ ہو جن کے دل تقویٰ کے آرزومند ہوں اور اللہ کے ذکر میں خوشحال ہوں۔

حضرت ابوتراب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا!

منزل تقویٰ سے پہلے پانچ گھاٹیاں آتی ہیں جب تک تو ان کو عبور نہیں کرے گا۔ منزل تقویٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔

(۱) نعمت پر فقر کو ترجیح

(۲) بقدر کفایت روزی کو کثیر روزی پر ترجیح

(۳) ذلت کو عزت پر ترجیح

(۴) رنج کو راحت پر ترجیح

(۵) موت کو زندگی پر ترجیح دینا

حکایت ہے کہ

کسی نے عتبۃ الغلام کو جاڑے کے موسم میں ایک جگہ دیکھا کہ پسینے میں شرابور ہو رہے ہیں۔ جب اس سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا یہ وہ جگہ ہے جہاں میں نے اللہ کی نافرمانی کی تھی۔

فرمایا!

کہ میں نے دیوار سے مٹی کا ایک ٹکڑا الگ کیا تھا۔ جس سے میرے مہمان نے اپنا ہاتھ صاف کیا میں نے دیوار کے مالک سے مٹی لینے کی اجازت نہیں لی تھی۔

تقویٰ کی کئی قسمیں ہیں:

اُن میں سے عوام کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ شرک سے بچیں۔

خواص کا تقویٰ یہ کہ وہ اللہ کی نافرمانی سے بچیں اور ہر حال میں خواہشات نفس کو ترک کر دیں۔

اولیاء خواص کا تقویٰ یہ ہے کہ ہر فعل میں اپنے ارادہ کا ترک کر دینا ماسوئ اللہ کی طرف توجہ اور میلان سے کنارہ کش ہو جانا اور اپنے افعال کو وسیلہ بنانے سے بچنا۔

اور انبیاء علیہم السلام کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ افعال کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے۔ اس لیے کہ ان کا تقویٰ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور وہ ہر چیز سے بچ کر اللہ کی طرف جاتے ہیں۔

امیر الموءمنیں حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے فرمایا!

دنیا میں لوگوں کے سردار سخی ہوتے ہیں اور آخرت میں لوگوں کے سردار متقی ہوں گے۔

حاصل کلام یہ کہ

تقویٰ تمام خوبیوں کا مجموعہ ہے اور تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان شرک سے بچے اللہ کی کامل فرمانبرداری کرے اور گناہوں کے عذاب سے بچا رہے پھر شبہات سے بچے اور فضول اور بے کار باتوں کو ترک کر دے۔

قناعت

اللہ تعالٰی نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا!

"مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ"

"جس شخص نے مومن ہونے کی حالت میں نیک عمل کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہم اسے ضرور اچھی زندگی عطا کریں گے"

بہت سے مفسرین کرام اس پر متفق ہیں کہ حیات طیبہ سے مراد دنیا میں قناعت ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

"اَلْقِنَاعَةُ كَنْزٌ لَا يَفْنٰى"

"قناعت نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے"

قناعت یہ ہے کہ جو کچھ مل جائے اس پر شکر کر کے مطمئن ہو جائے اور جو میسّر نہ ہو اس پر صبر کرے۔ کہتے ہیں کہ جن چیزوں سے انسان کو الفت ہے ان کے نہ ہونے پر بھی سکون کا نام قناعت ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا!

"وہ انسان خوش بخت ہے جسے اسلام کی طرف ہدایت مل گئی اس کی زندگی بقدر کفایت ہے اور وہ اسی پر قناعت کیے ہوئے ہے"

حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا!

کثرتِ مال سے غنا نہیں ہوتا بلکہ اصل غنا نفس کا غنا ہے۔ آپ ﷺ نے شدید لالچ اور دنیا کی طلب میں مبالغہ سے منع فرمایا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا!

خبردار اے لوگو! طلب میں حُسن پیدا کرو! بندے کے لیے وہی کچھ ہے جو اس

کے لیے لکھا گیا ہے۔ اور کوئی بندہ اس وقت تک دنیا سے کوچ نہیں کرے گا۔ جب تک اس کا لکھا ہوا مقدر ناک رگڑتے ہوئے اس کے پاس پہنچ نہ جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا!

متقی بن جاؤ سب لوگوں سے بڑے عابد ہو جاؤ گے۔ قناعت کرنے والے بن جاؤ سب لوگوں سے بڑھ کر شاکر ہو جاؤ گے اور لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو تو مومن بن جاؤ گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ' فرماتے ہیں:

کیا میں تمہیں بتاؤں نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مال سے کس قدر حلال سمجھتا ہوں۔ میرے پاس سرما اور گرما کے لیے دو چادریں ہیں جو میرے حج اور عمرہ کے لیے مجھے کفایت ہیں۔ اس کے بعد میری روزانہ کی خوراک ایک عام قریشی کے برابر ہو گی میں نہ ان سے بلند ہوں اور نہ ان سے چھوٹا ہوں۔

اللہ کی قسم!

میں نہیں جانتا کہ یہ مقدار بھی میرے لیے حلال ہے یا کہ نہیں۔ گویا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مقدار میں شک کیا کہ کہیں بقدرِ کفایت سے زیادہ تو نہیں جس پر قناعت ضروری ہوتی ہے۔

حکایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے پوچھا!

تیرا کون سا بندہ سب سے زیادہ غنی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

میری عطا پر سب سے زیادہ قناعت کرنے والا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا سب سے زیادہ عادل کون ہے؟

ارشاد ہوا!

جو سب سے زیادہ اپنے نفس کے ساتھ انصاف کرے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ مجھے مختصراً نصیحت فرمائیں؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

جب تم نماز پڑھو تو (دنیا کو) الوداع کہنے والے کی طرح نماز پڑھو۔ ایسی بات ہرگز نہ کرو جس سے کل معذرت کرنی پڑے۔ اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے مایوس ہو جاؤ۔ یعنی جو کچھ تمہارے پاس ہے اسی پر قناعت کرو۔

ابوعبداللہ بن حفیف رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

غیر موجود چیز کی امید کو چھوڑ دینا اور موجود چیز کے ساتھ استغنا کرنے کا نام قناعت ہے۔

محمد بن علی ترمذی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں؛

جو رزق کسی انسان کی قسمت میں لکھا جا چکا ہے۔ اس پر راضی رہنے کا نام قناعت ہے۔ نیز قناعت یہ ہے کہ جو چیز مل گئی ہے اس پر اکتفا کر کے اللہ کا شکر کرے اور جو چیز حاصل نہیں ہوئی اس کا لالچ نہ کرے۔

ابوبکر مراغی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں:

عقلمند وہ شخص ہے جو دنیاوی کاموں کی تدبیر قناعت اور لیت ولعل کرنے سے کرے اور آخرت کے امور کی تدبیر حرص اور جلد بازی سے کرے اور دینی معاملات کی تدبیر علم اور کوشش سے کرے۔

بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قناعت ایک فرشتہ ہے جو مومن کے دل کے سوا کہیں سکونت اختیار نہیں کرتا۔

زبور میں ہے کہ

قناعت کرنے والا خواہ بھوکا ہی کیوں نہ ہو، مالدار ہوتا ہے۔

کتانی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس نے حرص کے عوض میں قناعت لی اسے عزت اور مروّت مل گئی۔

حکایت ہے کہ

کسی شخص نے ایک دانا آدمی کو دیکھا جو پانی کے اوپر گری ہوئی سبزی کھا رہا تھا اس شخص نے دانا سے کہا کہ اگر تو بادشاہ کی نوکری کر لیتا تو تجھے یہ کھانے کی نوبت نہ آتی۔ دانا آدمی نے جواب دیا اگر تو قناعت کرتا تو تجھے بادشاہ کی نوکری کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کو پانچ جگہوں میں رکھا ہے:

عزت کو اطاعت میں

ذلت کو معصیت میں

ولایت کو قیامِ لیل میں

حکمت کو خالی پیٹ میں اور

مالداری کو قناعت میں۔

قناعت کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو کہا

"لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا" (سورۃ کہف آیت ۷۷)

یعنی "اگر تو چاہتا تو اس کی اجرت لے سکتا تھا"

اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طمع کی بات کی تھی۔ تو حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا۔

"هٰذافِرَاقُ بَيْنِىْ وَ بَيْنِكَ"

"اب میرے اور تمہارے درمیان جدائی ہے"

مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ الفاظ کہے۔ "اگر تو چاہتا تو اس کی اجرت لے سکتا تھا" تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام دونوں کے درمیان ایک ہرن کھڑا ہو گیا اس وقت دونوں بھوکے تو تھے ہی۔ حضرت خضر علیہ السلام کی طرف ہرن کا جو پہلو تھا وہ بُھنا ہوا تھا اور جو پہلو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف تھا وہ بھنا ہوا نہ تھا۔ تو خضر علیہ السلام کو ان کی قناعت کا صلہ بھنے ہوئے ہرن کی صورت میں مل رہا تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے طمع کے باعث اس نعمت سے محروم تھے۔

ایک عاشق صادق نے حضور سرکار دو عالم ﷺ کے حضور کتنا خوبصورت ہدیہ عقیدت پیش کیا ہے:

دو جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا　　اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

آپ ﷺ پوری کائنات کے مالک ہیں پھر بھی آپ ﷺ کے گھر میں کئی کئی روز تک چولہا نہ جلتا تھا۔ جب کوئی سائل آتا تو جو کچھ گھر میں ہوتا اٹھا کر دے دیتے اور ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتے۔

آپ ﷺ نے کبھی دل میں کسی چیز کی خواہش نہ کی۔ آپ ﷺ کی ذات گرامی میں تمام اوصاف حمیدہ بدرجہ ءاتم موجود تھے۔

زندگیاں ختم ہوئیں اور قلم ٹوٹ گئے

تیرے اوصاف کا اِک باب بھی پورا نہ ہوا

وباللہ التوفیق الاعلیٰ والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ محمد و آلِہٖ و اصحابہٖ اجمعین و سلم تسلیما کثیرًا کثیرًا



ABBUKASHA
Printers & Publishers
Naseer Plaza, Kohati Bazzar, Rawalpindi, Pakistan
Tel: 92-51-5761341, 92-51-577710
Mob: 0321-5202323, 0333-520232
E-mail: abbukasha@hotmail.com, abbukasha@